آقائے دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے متعلق اہم اور مستند معلومات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی

مصنف

پروفیسر قاضی داؤد عبدالباقی المجاہد

مترجم

پروفیسر مفتی محمد وسیم اکرم القادری ایم اے، ایم فل

شعبہ اسلامیات پیپر گروپ آف کالجز سمبڑیال سیالکوٹ

Marfat.com

Marfat.com

آقا دو جہاں حضرت محمد ﷺ کی مدنی زندگی کے متعلق اہم اور مستند معلومات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی

DATA ENTERED

مصنف

پروفیسر قاضی داؤد عبدالباقی المجاہد

مترجم

پروفیسر مفتی محمد وسیم اکرم القادری

(ایم اے۔ایم فل)(H.O.D (شعبہ اسلامیات)

سپیریئر گروپ آف کالجز سمبڑیال، سیالکوٹ)

مشتاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور

Marfat.com

ہماری کتابیں · معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

ناشر: مشتاق احمد
اہتمام: سلمان منیر

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	—	رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی
مصنف	—	پروفیسر قاضی داؤد عبدالباقی المجاہد
مترجم	—	پروفیسر مفتی محمد وسیم اکرمُ القادریؔ
مطبع	—	ناصر شہزاد پرنٹرز، لاہور
ڈیزائن	—	عاطف بٹ
کمپوزنگ	—	گُل گرافکس
قیمت	—	روپے

297.9.121
41
۱۴۵۶۳۸

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں درستگی کی جا سکے۔ شکریہ

Marfat.com

فہرست عنوانات

- رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی ---------- 7
- مکی زندگی اور ہجرت مدینہ ---------- 7
- رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی ---------- 52
- حق و باطل میں کشمکش.....حفاظت مدینہ واہل اسلام کے لیے لڑی گئی جنگیں ---------- 63
- مدینہ کی معاشی حالت.....غزوات سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا تجزیہ ---------- 63
- ہجرت کے اثرات اور کفار کی بے چینی ---------- 63
- غزوات کا جائزہ ---------- 67
- غزوات.....اقتصادی نقطہ نظر ---------- 69
- واقعہ نخلہ ---------- 69
- غزوۂ بدر ---------- 74
- غزوۂ سویق ---------- 87
- غزوۂ بدر کے بعد کے اہم واقعات ---------- 88
- غزوۂ احد ---------- 93

Marfat.com

- غزوۃ الکدر سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ---------- 107
- سریہ القردہ اور مال غنیمت ---------- 107
- سریہ القطن ---------- 108
- دشمن قبیلوں کے خلاف کارروائی ---------- 109
- دومۃ الجندل اور بنو مصطلق ---------- 109
- مسلمان مبلغین کو شہید کرنا ---------- 112
- بدر صغریٰ یا بدر موعود ---------- 114
- محاصرہ بنو نضیر ---------- 115
- معرکہ احزاب ---------- 118
- بنو قریظہ کے خلاف تادیبی کارروائی ---------- 130
- غزوہ احزاب اور صلح نامہ حدیبیہ کے درمیانی واقعات ---------- 133
- صلح نامہ حدیبیہ ---------- 137
- عمرہ قضایا عمرہ قصاص ---------- 151
- فتح خیبر ---------- 153
- غزوۂ خیبر سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ---------- 154
- فتح مکہ ---------- 160
- بت پرستی کے خلاف جہاد ---------- 190

Marfat.com

- فتح مکہ کے بعد کے واقعات ---------- 192
- سریہ نجد ---------- 194
- معرکۂ حنین ---------- 195
- غزوۂ اوطاس ونخلہ وطائف ---------- 201
- حنین اور طائف سے حاصل ہونے والا مال غنیمت اور اس کی تقسیم ---------- 202
- ریاست مدینہ اور یہودی.....غزوات اور غنائم ---------- 207
- ریاست مدینہ اور عیسائی.....غزوات اور غنائم ---------- 212
- چھٹے سال کی مہمات نبوی اور ان سے حاصل شدہ غنائم ---------- 219
- سنہ 7 ہجری کی مہمیں اور ان سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ---------- 222
- آٹھویں برس کے غزوات وسرایا سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ---------- 224
- نویں ہجری کی مہمات سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ---------- 225
- دسویں برس کی مہمیں اور ان سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ---------- 227
- گیارہویں ہجری کے سرایا اور ان سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ---------- 228
- جمیع غزوات وسرایا سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا عمومی تجزیہ ---------- 228
- مسلم معیشت میں غنائم کے حصہ کے عوامل ---------- 233
- غزوات پر مصارف اور فوج کشی نے نقصانات ---------- 238
- مسلم معیشت اور غنائم ---------- 244

Marfat.com

- مدنی معیشت کے وسائل وعناصر ---------- 245
- مقبوضہ ومفتوحہ اراضی کا حصہ ---------- 252
- تبلیغ اسلام.....سلاطین کو اسلام کی دعوت ---------- 254
- عالمین کے رسول ---------- 254
- بازنطینی مملکت کے نام خط ---------- 256
- ساسانی مملکت (فارس) کے نام خط ---------- 258
- حاکم حبشہ کے نام خط ---------- 259
- مصر کے بادشاہ کی جانب خط ---------- 260
- غسانی ریاست (بصری) کی جانب خط ---------- 260
- یمامہ کی جانب خط ---------- 260
- عمان کی جانب خط ---------- 261
- بحرین کی جانب خط ---------- 261
- یمن کی جانب خط ---------- 262
- سارا عالم مدینہ کی جانب کھنچا چلا آیا.....سنۃ الوفود ---------- 263
- حج اکبر ---------- 268
- حجۃ الوداع اور خطبہ حج ---------- 273
- وصال النبی ---------- 284

❖❖❖

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی

مکی زندگی اور ہجرت مدینہ

مکی زندگی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام نامی جناب عبداللہ تھا، آپ کی والدہ کا نام سیدہ آمنہ تھا اور آپ کے دادا کا نام جناب عبدالمطلب تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول کے ماہ میں پیدا ہوئے۔ عرب کے رواج کے مطابق آپ کو رضاعت کے لیے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو سونپا گیا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چھ برس کے ہوئے تو سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے رشتہ داروں سے ملنے کی غرض سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ ان کے ساتھ حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ مدینہ طیبہ میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنا اس غرض سے بھی تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک وہیں پر تھی اور ان کی قبر پر جانے کی نیت تھی۔

ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھ برس کی ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو لے کر بنی عدی بن النجار کے قبیلہ میں آئیں۔ غرض یہ تھی کہ آپ کی ملاقات آپ کے ماموؤں سے کرائیں۔ مدینہ طیبہ میں ایک ماہ کی مدت تک قیام کیا۔ آپ کا قیام اس مکان میں تھا جسے دارالنابغہ کہا جاتا ہے۔ جب ایک ماہ قیام کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا تو ابواء کے مقام پر پہنچ کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھک گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سرہانے بیٹھ گئے، اچانک وہ بے ہوش ہو گئیں۔ جب دوبارہ ہوش میں آئیں تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا اور تھوڑی دیر بعد انتقال فرما گئیں اور اسی جگہ پر مدفون ہوئیں۔

حضرت اسماء بنت رہم بیان فرماتی ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے وقت میری والدہ ماجدہ ان کے قریب موجود تھیں۔ اس وقت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھ برس تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کی طرف دیکھا اور یہ کلام فرمایا:

> ''اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے، تُو اس کا فرزند ہے کہ جس نے موت کی سختی سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے نجات حاصل کی تھی۔ جب صبح کے وقت حضرت عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنے کی غرض سے اپنے بیٹوں کے مابین قرعہ ڈالا تھا اور تمہارے باپ کا نام نکلا تھا پھر اس کے بدلے ایک سو اونٹوں کا فدیہ کیا گیا تھا۔ اے بیٹے! جو خواب میں نے دیکھا تھا اگر درست ہے تو تم تمام کائنات کی

Marfat.com

طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہو، حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والے، حلال و حرام میں فرق کرنے والے، عرب و عجم کی طرف بھیجے گئے اور دین ابراہیمی کو پھیلانے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بتوں کی پوجا سے باز رکھے گا اور لوگوں کے ساتھ مل کر بتوں کی تعظیم کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کر دیا ہے۔ ہر زندہ مرنے والا ہے، ہر نیا پرانا ہونے والا ہے اور ہر بڑا فنا ہونے والا ہے۔ میں مر جاؤں گی، میرا ذکر باقی رہے گا، میں بھلائی چھوڑے جا رہی ہوں اور میں نے پاکیزہ بچہ جنا ہے۔"

یہ کہنے کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتقال فرما گئیں اور اسی جگہ پر مدفون ہوئیں۔

ہجرت کے سفر میں جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی عدن کے قلعوں کو دیکھا تو اس جگہ کو پہچان لیا اور فرمایا:

"ہم بچوں کے ہمراہ ان قلعوں کے کھنڈرات پر چلتے تھے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کے واقعات جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ساتھ تھیں، بیان فرمائے۔ عمرۃ القضایا کے سال جب مقام ابواء پر پہنچے تو اس جگہ کو دیکھا جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تھا۔ وہاں چند پتھر اکٹھے کیے پڑے ہوئے تھے۔ فرمایا:

"یہ میری والدہ ماجدہ کی قبر مبارک ہے۔"

یہ فرما کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشمان اطہر میں آنسو آ گئے اور اس قدر حسرت و ترحم کا اظہار فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی رونے لگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

"سیدنا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے مقام ابواء تشریف لے گئے تو چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر بے اختیار رونے لگے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمراہ تھے وہ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روتے دیکھ کر بے اختیار رو پڑے۔ ہم نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر روئے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سوال کیا: یارسول اللہ! رونے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: اپنے متعلق والدہ کی شفقتیں اور رحمتیں یاد کرتا ہوں۔"

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں اور اس روایت کے راوی رجال صحیح کی مانند ہیں۔ یہ روایت محمد بن منکدر سے مرسل ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا کرتی تھی۔ جب وہ (دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ) داخل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

Marfat.com

میری ماں! میری ماں!''

پھر اپنی چادر اٹھائی، اسے بچھایا اور اپنی چادر پر اپنی ماں کو بٹھایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب پندرہ برس کی تھی تو آپ نے قریش کے ساتھ حربِ فجار میں شرکت کی۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خود حفاظت فرمائی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ وقتال میں حصہ نہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے نہ کوئی شخص مارا گیا نہ زخمی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمولیت صرف اس حد تک تھی کہ آپ کے سارے چچا اس لڑائی میں شریک تھے۔ آپ اپنے چچا حارث بن عبدالمطلب، زبیر بن عبدالمطلب، حج، مقوم، ابوطالب، قثم، غیداق، عباس، ضرار اور ابولہب کو اپنے چھوٹے چچا حضرت حمزہ کے ساتھ تیر وغیرہ دیتے جاتے اور چچا یہ تیر مخالف لشکر پر برساتے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:

''میں ان تیروں کو روکا کرتا تھا جو میرے چچوں پر چلائے جاتے تھے۔''

بعض روایات میں یہ جملہ بھی آتا ہے:

''میرے چچا دشمن پر تیر برساتے تھے اور میں ترکش سے تیر نکال نکال کر انہیں دیا کرتا تھا۔''

جزیرہ عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل نہ تو کوئی منظم حکومت تھی اور نہ باقاعدہ عدالتیں موجود تھیں جو مظلوموں کی دادرسی کر سکتیں۔ سارا عرب معاشرہ قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا۔ اگر کوئی شخص دوسرے قبیلے کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو مقتول کا قبیلہ صرف اس قاتل سے انتقام نہ لیتا بلکہ اس کے سارے قبیلے سے انتقام لیا جاتا۔ مکہ مکرمہ میں قریش کے دس قبائل آباد تھے جو دیگر عرب قبائل کے خلاف ایک دوسرے کے اتحادی تھے۔ اگر کوئی عرب قبیلہ قریش کے کسی ایک قبیلے پر حملہ آور ہوتا تو سارے قریشی قبائل مل کر اس حملہ آور کا مقابلہ کرتے۔ کوئی بھی یہ دیکھنے کی زحمت نہ کرتا کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون۔

حضرت عبدالمطلب کے تمام بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے دلِ دردمند عطا فرمایا تھا۔ خصوصاً زبیر بن عبدالمطلب اس صورتِ حال سے بہت بیزار تھے۔ انہیں ہرگز یہ پسند نہ تھا کہ کسی بے سہارا مسافر پر مکہ کا کوئی رئیس زیادتی کرے اور وہ بے بس تماشائی بنے رہیں۔ ایک بار یمن کا ایک تاجر اپنے سامان تجارت کے ساتھ مکہ پہنچا۔ مکہ میں عاص بن وائل نامی ایک بڑا امیر آدمی رہتا تھا۔ یہ شخص اکثر مسافروں سے دھوکا بازی اور فریب سے ان کا مال ہتھیا لیا کرتا تھا۔ اس نے یمنی تاجر سے سامان کا سودا کیا اور سامان اپنے قبضے میں لینے کے بعد اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ یمنی بے چارا مسافر تھا، یہاں اس کی جان نہ پہچان، اس نے عاص بن وائل کے دوست قبائل عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی بن کعب سے اس کی شکایت کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کی مدد کریں۔ ان قبائل نے مدد کے بجائے الٹا اسے جھڑک دیا۔ یمنی نے ان سے مایوس ہو کر ایک اور کام کیا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد جب قریش حرمِ کعبہ میں حسبِ معمول اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے تو وہ قریب واقع جبلِ ابی قبیس پر چڑھ گیا اور وہاں کھڑے ہو کر بلند آواز سے فریاد کی:

''اے فہر کی اولاد! اس مظلوم کی فریاد سنو! جس کا مال ومتاع مکہ شہر میں ظلماً چھین لیا گیا ہے۔ وہ غریب الدیار ہے، اپنے وطن سے دور اور اپنے مددگاروں سے دور ہے۔ وہ ابھی احرام کی حالت

Marfat.com

میں ہے۔اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔اے مکہ کے رئیسو!
میری فریاد سنو۔مجھ پر حطیم اور حجرِ اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔عزت وحرمت تو اس کی ہے جس
کی شرافت کامل ہو۔جو فاجر اور دھوکہ باز ہو اس کے لباس کی تو کوئی عزت نہیں ہونی چاہئے۔''

حرم میں موجود سارے قریشیوں نے یہ فریاد سنی لیکن سب سے پہلے جس نے ایک مسافر اور بے یار و مددگار کی فریاد پر لبیک کہا وہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔زبیر اس مظلوم کی آہ وزاری پر مضطرب ہو کر کھڑے ہوئے اور اعلان کیا:

''اب اس فریاد کو نظر انداز کر دینا ہمارے بس کی بات نہیں۔''

چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں بنی ہاشم، بنی زہرہ بنی تیم بن مرہ قبائل جمع ہوئے۔ابنِ جدعان نے ایک پُر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔اس اجتماع میں شریک تمام شرکاء نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عہد کیا:

''وہ سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے۔یہاں تک کہ ظالم، مظلوم کو اس کا حق ادا
کر دے اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے جب تک سمندر صوف (اون) کو تر کرتا ہے اور جب تک
حراء اور ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے۔''

اس عہد یا معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ عہدِ قدیم میں بنو جُرہم نے بھی اس قسم کا ایک معاہدہ کیا تھا اور جن تین آدمیوں نے اس معاہدے کیلئے بھاگ دوڑ کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا، ان تینوں کا نام فضل تھا اور فضل کی جمع فضول ہے۔یہ تین افراد فضل بن خضالہ، فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث تھے۔نئے معاہدے کے بھی وہی مقاصد تھے۔اس لئے اس کو بھی حلف الفضول کے نام سے شہرت ملی۔جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص بن وائل کے گھر گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس تاجر کا مال واپس کر دے۔اب اس فریبی کو انکار کی مجال نہ تھی، لہٰذا مجبوراً تاجر کو اس کا مال واپس کر دیا۔اس موقع پر جناب زبیر بن عبدالمطلب نے اپنی مسرت کا اظہار یوں کیا:

''یہ معاہدہ کرنے والوں نے قسم اٹھائی ہے کہ سرزمین مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔یہ ایسی بات
ہے جس پر ان سب نے متفقہ معاہدہ کیا ہے۔پردیسی اور فقیر جو اُن کے ہاں آئے گا ہر قسم کے جور و
ستم سے محفوظ ہوگا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بیس برس کی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ میں شرکت فرمائی۔بعثت کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شرکت پر اظہارِ مسرت فرمایا کرتے تھے۔ارشاد گرامی ہے:

''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں موجود تھا، جب حلف الفضول طے پایا۔اس معاہدے سے
الگ ہونے کے بدلے اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کیلئے تیار نہیں اور اس قسم کے
معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو میں اسے قبول کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ جوانی میں ایک مرتبہ شدید بارشوں کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں سیلاب آ گیا، جس کی وجہ سے دیگر بہت سے مکانات کے علاوہ کعبۃ اللہ کی عمارت بھی گرنے کے قریب ہو گئی، جس کو شہید کر کے نئے سرے سے تعمیر کرنا ضروری ہو گیا، چنانچہ قریش نے ایسا ہی کیا اور کعبۃ اللہ کے گرانے کے کام کو حصہ وار آپس میں بانٹ لیا کہ کوئی خاندان

Marfat.com

محروم نہ رہے اور شکایت نہ پیدا ہو۔ اس تقسیم کے تحت کعبے کے دروازے کا حصہ بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے خاندانوں کے حصے میں آیا۔ حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنی مخزوم اور ان دوسرے قبیلوں کے حصے میں آیا جو ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ اسی طرح کعبے کی پشت بنی جمح اور بنی سہم ابن عمرو کے خاندانوں کے حصے میں آئی، حجر اسود کا حصہ یعنی جہاں اب حجر اسود ہے وہ جانب بنی عبدالدار، بنی اسد اور بنی عدی کے خاندانوں کے حصے میں آئی۔

اس تقسیم کے سلسلے میں علامہ مقریزی نے یہ لکھا ہے کہ حجر اسود سے لے کر حجر اسود کے کونے تک کا درمیانی حصہ جو دروازہ کی سمت تھی وہ بنی عبد مناف کے حصے میں آیا تھا اور بنی اسد، بنی عبدالدار اور بنی زہرہ کے حصے میں حجر اسود یعنی وہ سمت جس میں حجر اسود ہے، آئی تھی۔ بنی مخزوم کو کعبے کی پشت کا حصہ ملا تھا اور رکن یمانی سے لے کر رکن اسود تک کے درمیان کا حصہ تمام قریش کو ملا تھا۔

کعبے کی تعمیر شروع ہونے کے بعد جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچی تو قریش میں زبردست اختلاف پیدا ہو گیا اور ہر قبیلہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ ہر ایک قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر وہ رکھے۔ آخر بات اتنی بڑھی کہ لوگ خوں ریزی اور قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے۔ بنی عبدالدار نے ایک بڑا برتن لے کر اس میں خون بھرا اور بنی عدی کے ساتھ مل کر اخیر دم تک ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا عہد اور حلف کیا۔ انہوں نے اس برتن کے اندر خون میں اپنے ہاتھ ڈبو کر عہد کیا تھا۔

قریش کے درمیان یہ جھگڑا اور اختلاف چار یا پانچ دن تک رہا۔ آخر پھر وہ ایک دن مسجد حرام میں جمع ہوئے۔ اس مجلس میں ابوامیہ ابن مغیرہ جس کا نام حذیفہ تھا پورے قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ آدمی تھا۔ یہ ابوامیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خسر یعنی اُم المومنین حضرت اُم سلمہ کا باپ تھا۔ یہ شخص قریش کے انتہائی شریف آدمیوں میں سے ایک تھا جو اپنی فیاضی اور سخاوت کے لئے مشہور تھے۔ یہ شخص مسافر کو زادراہ یعنی سفر کے لئے ناشتہ وغیرہ دینے میں مشہور تھا۔ جب کبھی یہ سفر کرتا تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اپنے گھر سے ناشتہ لے کر نہیں چلنے دیتا تھا بلکہ سب لوگوں کے کھانے پینے کا تمام انتظام تنہا خود ہی کیا کرتا تھا۔ غرض کعبہ کی تعمیر کے دوران جب حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھنے کا وقت آیا اور قریش میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تو وہ چار پانچ روز تک الجھنے کے بعد ایک دن مسجد حرام میں جمع ہوئے جہاں سب سے زیادہ عمر رسیدہ شخص ابوامیہ ابن مغیرہ نے یہ جھگڑا ختم کرنے کے لئے مجمع سے کہا:

''اے گروہ قریش! اپنے اختلاف کو دور کرنے کے لئے تم یہ کرو کہ اس مسجد کے دروازے سے اب جو بھی پہلا شخص داخل ہو اس کو تم اپنا حکم بنا لو تا کہ وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔''

اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ قریش نے جیسے ہی آپ کو دیکھا وہ فوراً پکار اٹھے:

''یہ امین ہیں..... ہم ان پر راضی ہیں..... یہ محمد ہیں!''

اس کا سبب یہ تھا کہ جاہلیت کے زمانے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ شخصیت اور مضبوط و بے داغ کردار کی وجہ سے قریش کے لوگ اپنے جھگڑوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اپنا ثالث بنا لیا کرتے تھے، کیونکہ رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی کی بے جا حمایت کرتے تھے اور نہ مخالفت کرتے تھے، بلکہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ کھرا اور انصاف و دیانت کے بالکل مطابق ہوا کرتا تھا۔

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچے اور انہوں نے آپ کو تمام واقعہ بتلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا:

''مجھے ایک چادر لا کر دو۔''

چنانچہ فوراً ایک چادر لائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زمین پر بچھایا اور حجر اسود کو اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا اور اس کے بعد قریش سے فرمایا:

''ہر قبیلے کے لوگ اس کپڑے کا ایک ایک کنارہ پکڑ لیں اور پھر سب مل کر اس کو اٹھائیں۔''

چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا۔ بنی عبد مناف کا جو حصہ تھا اس کو عتبہ ابن ربیعہ نے اٹھایا، دوسرے حصے کو زمعہ نے پکڑا۔ تیسرے کو ابو حذیفہ ابن مغیرہ نے اٹھایا اور چوتھے حصے کو قیس ابن عدی نے پکڑا یہاں تک کہ جب انہوں نے حجر اسود کو اس جگہ تک اٹھا دیا جہاں اس کو رکھنا تھا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھ کر حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

جوں جوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کے قریب پہنچ رہی تھی اعلانِ نبوت کا وقت قریب آ رہا تھا۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق ''آپ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنا دی گئی اور آپ غار حراء میں جا کر خلوت فرماتے۔'' (فتح الباری، جلد 2، صفحہ نمبر 311)

حضرت عمرو ابن شرجیل روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا:

''جب میں تنہائی میں جا کر بیٹھتا ہوں تو مجھے آواز سنائی دیتی ہے: اے محمد! اے محمد!''

ایک روایت میں یوں ہے:

''مجھے ایک نور نظر آتا ہے جو جاگنے کی حالت میں نظر آتا ہے اور ایک آواز سنائی دیتی ہے، مجھے ڈر ہے کہ اللہ کی قسم! اس کے نتیجہ میں کہیں کوئی بات نہ پیش آ جائے۔''

یہ سن کر حضرت خدیجہ نے (آپ کو تسلی دیتے ہوئے) عرض کیا:

''ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہرگز ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ اللہ کی قسم! آپ امانت ادا کرنے والے ہیں، رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں اور ہمیشہ سچ کہنے والے ہیں۔ آپ کے اخلاق بہت شریفانہ ہیں، لہٰذا شیطان کی آپ تک ہرگز پہنچ نہیں ہو سکتی۔''

حضرت خدیجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اونچی صفات اور عمدہ اخلاق دیکھے تھے ان ہی کے پیش نظر یہ بات فرمائی تھی کہ آپ کے ساتھ جو کچھ پیش آئے گا وہ خیر اور بھلائی ہو سکتی ہے کیونکہ جس شخص میں یہ خوبیاں موجود ہوں اس کو اچھی جزاء ہی مل سکتی ہے۔

غرض اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنہائی اور خلوت نشینی کا شوق پیدا فرما دیا۔ جہاں آدمی کا دل ہر چیز سے فارغ ہوا جاتا ہے اور مخلوق سے علیحدہ رہ کر دنیا کے تمام مشغلوں اور فکروں سے بیگانہ بن جاتا

Marfat.com

ہے، کیونکہ اس طرح انسان ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے جس سے اس کے قلب میں صفائی پیدا ہوتی ہے اور اس کا چہرہ معرفت کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اور خلوت نشینی سب سے زیادہ عزیز ہوگئی۔ آپ غار حراء میں جا کر خلوت نشین ہوا کرتے تھے، یہی وہ حراء پہاڑ ہے جس نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لفظوں میں پکارا تھا:

''میری طرف تشریف لائیے یا رسول اللہ!''

یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثبیر پہاڑ کے اوپر تھے اور اس پہاڑ نے آپ سے کہا تھا:

''مجھ پر سے اتر جائیے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ یہاں قتل نہ ہو جائیں اور پھر اس کے نتیجہ میں مجھے عذاب دیا جائے۔''

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں خلوت نشین ہو کر کئی کئی راتیں عبادت کیا کرتے تھے۔ علامہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت نشینی کی مدت ایک مہینہ ہوا کرتی تھی۔ آپ چند دنوں کا کھانا ساتھ لے کر غار میں تشریف لے جایا کرتے۔ جب یہ کھانا ختم ہو جاتا تو آپ واپس اپنے گھر تشریف لاتے اور اتنا ہی کھانا پھر ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم اور ایک قول کے مطابق حضرت موسیٰ کی شریعت کے احکام کے ذریعہ عبادت فرمایا کرتے تھے جو شریعت محمد میں باقی رکھے گئے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے سے پہلے نبیوں کی ہر شریعت کے اُن احکام کے ذریعہ عبادت کیا کرتے تھے جو ہماری شریعت میں باقی رکھے گئے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم کی شریعت کے ذریعہ عبادت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک روز آپ پر اچانک وحی نازل کی گئی اور آپ کو رسالت و پیغمبری کے اعلان کا حکم دیا گیا۔

ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور ایک قول کے مطابق اس مہینے کی تیسری تاریخ کو پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جب کہ میں سو رہا تھا میرے پاس جبرائیل ایک ریشمی کپڑا لئے ہوئے آئے جس میں ایک کتاب تھی یعنی ایک تحریر تھی اور انہوں نے مجھ سے کہا: اقراء، پڑھئے! میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر انہوں نے مجھے اپنے سینے سے ملا کر بھینچا۔ انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے اس پر موت کا گمان ہوا، اس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ پڑھئے۔''

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا اور نہ میں ایسی کوئی چیز جانتا ہوں جسے پڑھ سکوں، اس لئے کہ میں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا، اس طرح یہاں آپ نے دونوں

Marfat.com

باتوں کا انکار کیا کہ نہ میں نے کبھی کچھ پڑھا اور نہ کوئی ایسی بات جانتا ہوں جسے پڑھ سکوں، اس پر جبرائیل نے فرمایا:

((اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ))(سورہ علق)

''اپنے رب کا نام لے کر پڑھ۔ جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی، جن کو وہ نہ جانتا تھا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''میں نے ان آیتوں کو اسی طرح پڑھ دیا، جس کے بعد وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا، اس کے بعد لگتا تھا گویا میرے دل میں ایک تحریر لکھ دی گئی ہو۔ میں غار سے نکل کر ایک طرف چلا، جب میں پہاڑ کے ایک جانب میں پہنچا تو میں نے اچانک آسمان سے آنے والی ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں! میں وہیں ٹھہر کر آواز کی طرف دیکھنے لگا، اچانک میں نے جبرائیل کو ایک آدمی کی شکل میں دیکھا جو کھڑے تھے۔''

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جبرائیل آسمان کے قریب اپنے ایک پیر پر دوسرا پیر رکھے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''میں وہیں رک کر آواز کی طرف دیکھنے لگا، نہ میں اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا، میں ان پر سے نظریں ہٹا کر آسمان کے کناروں کی طرف دیکھتا مگر جس طرف بھی میری نظر جاتی مجھے وہ سامنے نظر آتے، میں اسی حالت میں دیر تک کھڑا رہا کہ نہ اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا۔''

نزول وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے:

((زمّلونی، زمّلونی))

''مجھے چادر اڑھا دو، مجھے چادر اڑا دو۔''

چنانچہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اوڑھا دیا گیا، یہاں تک کہ آپ کا خوف اور گھبراہٹ دور ہو گیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو تمام واقعہ بتلایا اور فرمایا:

''مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔''

حضرت خدیجہ نے جواب میں عرض کیا:

''ہرگز نہیں! خوشخبری ہو آپ کو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں کی خبر گیری کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، دوسروں کے لئے مصیبت اور پریشانیاں اٹھاتے

Marfat.com

ہیں، بے کس مفلسوں کی امداد کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''

اس کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو لے کر چلیں اور ورقہ ابن نوفل کے پاس آئیں۔ انہوں نے ورقہ سے کہا:

''اے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سنو۔''

ورقہ نے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''اے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا؟''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ سب واقعہ بتلایا جو آپ کو پیش آیا تھا اور جو کچھ آپ نے دیکھا تھا۔

ورقہ نے یہ سن کر کہا:

''یہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام) وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا جو کہ وحی کے رازداں تھے۔ کاش! جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو دعوت دی جائے گی یعنی اس رسالت کا اظہار ہوگا اور لوگوں کو ڈرایا جائے گا، اس وقت میں بھی جوان آدمی ہوتا تا کہ میں اس عظیم کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور آپ کی مدد کرتا۔ کاش! میں بھی اس وقت زندہ ہوں جبکہ آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکالے گی!''

جناب ورقہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''کیا میری قوم کے لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟''

ورقہ نے کہا:

''ہاں جو چیز آپ لے کر آئے ہیں اس کے ساتھ جو شخص بھی آیا اس پر ظلم کیے گئے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور رسالت کے بعد ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو آپ نے شروع میں اپنے معاملے کو چھپائے رکھا اور چھپ چھپ کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں مردوں اور عورتوں میں معمولی قسم کے لوگوں نے ہی شروع میں آپ کی پیروی کی، اس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ایک ایسی ہستی ہیں جو قریش کے بلند مرتبہ لوگوں میں سے تھیں یا پھر حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق تھے جو معزز اور بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ورنہ عام طور پر جو لوگ شروع میں مسلمان ہوئے وہ معمولی اور غریب لوگ تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد پھر دوسرے آدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بچوں میں پہلے حضرت علی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

بعثت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رشتہ داروں کو ڈرانے اور تبلیغ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

((وانذر عشیرتك الاقربین))

Marfat.com

''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔!''

تو آپ نے ابوطالب کے مکان میں عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کیا جو کل چالیس آدمی تھے۔ حضرت علی نے ان آنے والوں کے لئے کھانا تیار کیا۔ اس میں بکری کی ایک ٹانگ تھی جس کے ساتھ ایک مد یعنی تقریباً سوا رطل گندم اور ساڑھے تین سیر دودھ تھا۔ چنانچہ ایک بڑے برتن میں کھانا لا کر ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا اور آپ نے ان سے فرمایا:

''اللہ کے نام کے ساتھ کھایئے۔''

چنانچہ سب لوگوں نے یہ گوشت پیٹ بھر کر کھایا اور سب نے سیر ہو کر دودھ پیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے کھانا آنے کے بعد لوگوں سے فرمایا:

''دس دس کر کے قریب آتے رہئے۔''

چنانچہ لوگ دس دس کی ٹولی میں آتے رہے۔ پھر آپ نے یہ بڑا پیالہ اٹھایا جس میں دودھ تھا اور اس میں سے ایک گھونٹ پی لیا پھر دوسرے لوگوں کی طرف بڑھایا۔ جبکہ اس مجمع میں ایک ایک آدمی ایسا تھا جو جانور کا ایک بچہ تنہا کھا سکتا تھا۔

اسی لئے یہ صورت دیکھ کر (کہ تھوڑے سے کھانے میں سب کا پیٹ بھر گیا) وہ لوگ بڑے اچنبھے میں پڑے۔ چنانچہ بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے بات چیت کا ارادہ فرمایا تو ابولہب نے آپ کی بات کاٹ کر پہلے ہی لوگوں سے کہا:

''اس شخص نے تم سب پر زبردست جادو کر دیا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ سب لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کوئی بات نہیں کر سکے۔ اگلا دن ہوا تو آپ نے حضرت علی سے فرمایا:

''جس طرح تم نے کل کھانا اور مشروب تیار کیا تھا اسی طرح میری طرف سے آج پھر وہی چیزیں تیار کر دو۔''

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کھانا تیار کیا اور پھر سب لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بُلا کر لایا۔ آج بھی اسی طرح انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور سیر ہو کر دودھ پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اے بنی عبدالمطلب! اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری مخلوق کی طرف عام طور پر اور تمہاری طرف خاص طور پر نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ ''وانذر عشیرتك الاقربین'' چنانچہ اب میں تمہیں دو کلموں کے کہنے کی دعوت دیتا ہوں جو زبان سے ادا کرنے میں بے حد ہلکے پھلکے ہیں لیکن ترازو میں بے حد وزن دار ہیں۔ ایک اس بات کی گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور دوسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس اب آپ میں سے کون ہے جو میری اس بات کو قبول کرتا ہے اور اس کلمہ کو پھیلانے میں میری مدد کرتا ہے؟''

اس وقت پورے مجمع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے جبکہ پوری قوم خاموش رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

Marfat.com

''میں، یارسول اللہ! اگر چہ میں ان سب میں عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹا ہوں۔''

اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

''تم بیٹھ جاؤ۔''

آپ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ وہ لوگ پھر خاموش رہے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کھڑے ہو کر بولے:

''میں یارسول اللہ!''

آپ نے پھر ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اور پھر آپ نے تیسری بار اپنی بات دہرائی۔ مگر اس دفعہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا سب خاموش رہے۔

غرض قریش کی یہی عادت رہی۔ یہاں تک کہ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے معبودوں میں عیب نکالنے شروع کر دیئے، ان کی بے وقوفی ان پر ظاہر فرمائی اور ان کے باپ دادا کو گمراہ فرمایا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ قریش کے مجمع کے پاس سے گزر رہے تھے اس وقت یہ لوگ مسجد حرام میں جمع تھے اور بتوں کو سجدے کر رہے تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

''اے گروہِ قریش! اللہ کی قسم! تم اپنے باپ ابراہیم کے راستے سے ہٹ گئے ہو۔''

قریش نے کہا:

''ہم اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہی بتوں کو پوجتے ہیں تا کہ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو سکیں۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

((قل ان کنتم تحبُّون اللّٰہ فاتّبعونی یحببکم اللّٰہ))

''آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دے گا۔'' (آل عمران: ۳۱)

یہ بات قریش کو بہت ناگوار گزری اور انہوں نے اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے سے صرف وہ لوگ محفوظ رہے جن کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ اس کے بعد یہ لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے:

''ابوطالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالے ہیں اور ہمیں بے عقل ٹھہرایا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم میں عقلیں نہیں ہیں۔ اس نے ہمارے باپ دادا تک کو گمراہ کہا ہے۔ اس لئے یا تو ہماری طرف سے آپ اس سے نمٹئے اور یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جایئے، کیونکہ خود آپ بھی اسی دین پر چلتے ہیں جو ہمارا ہے اور اس کے دین کے خلاف ہیں۔''

یہ سن کر ابوطالب نے ان لوگوں سے نہایت نرمی سے بات کی اور ان کو خوبصورت انداز میں جواب دے کر واپس کر دیا۔

Marfat.com

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دین کا اعلان فرماتے رہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف بُلاتے رہے۔ اس راستے میں آپ کسی مشکل کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا یہ سلسلہ بہت زیادہ بڑھ گیا، یہاں تک کہ لوگ آپ سے دور ہونے لگے اور ان کے دلوں میں آپ کی دشمنی اور آپ سے حسد جم گیا۔ پھر قریش کے درمیان آپس میں ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی چرچا ہونے لگا اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپ سے دشمنی، عداوت اور قتل وقتال کے منصوبے بنانے لگے، یہاں تک سوچنے لگے کہ آپ کا مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کیا جائے۔ اس کے بعد یہ لوگ پھر دوسری مرتبہ جناب ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

''اے ابوطالب! ہمارے درمیان آپ بڑے، قابل عزت اور بلند مرتبہ آدمی ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو روکیے مگر آپ نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ ہم لوگ خدا کی قسم یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے باپ دادا کو گالیاں دی جائیں، ہمیں بے عقل کہا جائے اور ہمارے معبودوں میں عیب ڈالے جائیں۔ اس لئے یا تو اب آپ اس کو سمجھا لیجئے ورنہ سن لیجئے کہ ہم اس معاملہ میں آپ سے اور اُس سے، دونوں سے اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ختم نہ ہو جائے۔''

یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے واپس ہو گئے۔ جناب ابوطالب کو اپنی قوم کے اس غصے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی دشمنی کی وجہ سے بہت فکر ہو گیا، وہ اس کو پسند نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا کرنے کی کوشش کرے۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور کہا:

''بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ اس لئے اپنے اور میرے اوپر رحم کرو اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جسے برداشت کرنے کی طاقت مجھ میں نہ ہو۔''

ابوطالب کی اس گفتگو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھے کہ چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور اب وہ بھی آپ کی مدد اور مدافعت کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے آپ نے فرمایا:

''چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ کر بھی مجھ سے یہ کہیں کہ میں اس معاملے کو چھوڑ دوں تو بھی میں ہرگز اسے نہیں چھوڑوں گا۔''

اتنا کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھرا گئی اور آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر جانے لگے۔ اچانک ابوطالب نے آپ کو پکارا اور کہا:

''بھتیجے، ادھر آؤ۔''

آپ واپس آئے تو ابوطالب نے کہا:

''جاؤ بھتیجے! جو دل چاہے کہو، اللہ کی قسم! میں تمہیں کسی حال میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔''

اس کے ساتھ ہی ابوطالب نے کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے:

Marfat.com

وَاللّٰہِ لَنْ یَّصِلُوْا اِلَیْکَ بِجَمْعِھِمْ
حَتّٰی اُوْسِدُ فِی التُّرَابِ دَفِیْنَا

''اللہ کی قسم! یہ مخالفین اپنی جمعیت کے باوجود تم تک نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ میں ہی مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔''

غرض اس کے بعد جب قریش کو اس بات کا اندازہ اور یقین ہو گیا کہ ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو وہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ کو ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور انہوں نے جناب ابو طالب سے کہا:

''ابو طالب! یہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ ہے۔ جو قریش کا سب سے زیادہ بہادر، طاقتور اور سب سے زیادہ حسین نوجوان ہے تم اس کو لے کر اپنا بیٹا بنا لو اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو جو تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے دین کے خلاف جا رہا ہے جس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ان کی عقلوں میں عیب ڈال رہا ہے۔ تم اسے ہمارے سپرد کر دو تا کہ ہم اس کو قتل کر دیں اور انسان کے بدلے میں ہم انسان دے رہے ہیں۔''

قریش کی یہ بے ہودہ تجویز سن کر ابو طالب نے کہا:

''اللہ کی قسم! تم لوگ مجھ سے بہت بُرا سودا کرنے آئے ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے لڑکے کو میرے سپرد کر دو تا کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور پرورش کروں اور اپنا لڑکا تمہارے حوالے کر دوں تا کہ تم اسے قتل کر دو۔ اللہ کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔''

نیز ابو طالب نے ان سے کہا:

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی اونٹنی اپنے بچے کو چھوڑ کر کسی دوسرے بچے کی آرزومند ہو سکتی ہے؟''

اس پر مطعم ابن عدی نے کہا:

''ابو طالب! خدا کی قسم تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے اور جو بات تمہیں ناپسند ہے اس سے چھٹکارے کے لئے کوشش کر لی۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد تم ان کی کوئی اور پیشکش قبول کرو گے۔''

ابو طالب نے کہا:

''اللہ کی قسم! انہوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، بلکہ تم سب نے مل کر مجھے رسوا کرنے اور میرے خلاف گٹھ جوڑ کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے، اس لئے اب جو تمہارے دل میں آئے کر لو۔''

غرض جب جناب ابو طالب نے قریش کی یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی تو اب معاملہ بہت سنگین ہو گیا۔ ادھر جب ابو طالب نے قریش کے ارادے دیکھے تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کو بلایا اور ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے اور آپ کی طرف سے قریش کی مدافعت کرنے کی درخواست کی۔ اس پر سوائے ابولہب کے سارے بنی ہاشم

Marfat.com

اور بنی عبدالمطلب راضی ہو گئے۔ یہ تنہا وہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم اور سختی کرنے کے لئے آواز اٹھاتا تھا۔ اسی طرح جو لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے ان کی مخالفت میں بھی ابولہب ہی سب سے پیش پیش رہتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو تکلیفیں پہنچانے کے سلسلے میں بھی یہی شخص قریش میں بڑھ چڑھ کر تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ قریش کے معزز لوگ ابوطالب کے مکان پر آئے، ان میں اسود ابن زمعہ، ولید ابن مغیرہ، اُمیہ ابن خلف، عاص ابن وائل، عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، ابوسفیان، نضر ابن حرث اور ابوجہل شامل تھے۔

انہوں نے ابوطالب سے درخواست کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سامنے بلایا جائے اور پھر قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شکایتیں ہیں ان کو دور کیا جائے اور اس معاملے میں صلح و آشتی کی صورت پیدا کی جائے۔ جناب ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور آپ سے کہا:

''بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے لوگ آئے ہیں، ان کی شکایتیں دور کر کے ان کے ساتھ محبت و اُلفت کی فضا پیدا کرو۔''

اب قریشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناراض ہونا شروع کیا کہ آپ ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو بے عقل بتلاتے ہیں اور ہمارے دین میں عیب ڈالتے ہیں۔ ان لوگوں نے آپ سے کہا:

''اے محمد! ہمیں تمہارے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم تم سے گفتگو کریں۔ اللہ کی قسم! ہمارے خیال میں عربوں میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہو جیسا تم نے اپنی قوم کے ساتھ کیا ہے۔ تم نے بزرگوں کو بُرا بھلا کہا، دین میں عیب نکالے، ہمیں بے عقل کہا اور قوم میں پھوٹ ڈال دی، کوئی بُرائی ایسی نہیں ہے جو تم نے ہمارے اور اپنے درمیان پیدا نہ کر دی ہو۔ اب اگر تم یہ باتیں اس لئے کرتے ہو کہ تمہیں مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم لوگ اپنے اپنے مال میں سے تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں سب سے زیادہ دولتمند ہو جاؤ گے، اگر تمہیں عزت اور شرف کا لالچ ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا کر تمہیں ہر قسم کا اعزاز دینے کے لئے تیار ہیں اور اگر یہ کوئی (جن پری) کا اثر ہے جو تم پر چھا گیا ہے تو ہم اپنے خرچ پر تمہارا علاج کرانے کو تیار ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں جو کچھ بھی لے کر آیا ہوں اس سے نہ مجھے تمہارے مال و دولت کا لالچ ہے اور نہ عزت و اعزاز کی خواہش اور نہ ہی مجھے سلطنت و حکومت کی طمع ہے، بلکہ حقیقت میں مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنا کلام یعنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے خوش خبریاں دینے والا اور ڈرانے والا ہوں، میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا

Marfat.com

پیغام پہنچایا اور نصیحتیں کیں کہ میں جو کچھ لے کر آیا ہوں تم اسے قبول کرو، یہ تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے لیکن اگر تم نے میری نصیحتوں کو ماننے کے بجائے انہیں ٹھکرا دیا اور میرے ساتھ بُرا معاملہ کیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔"

کتاب درّ منثور میں ابن جریر ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے عبید ابن عمیر سے ایک روایت پیش کی ہے کہ ایک بار جب مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش تیار کی کہ آپ کو قید کر لیں یا قتل کر دیں اور یا جلاوطن کر دیں تو جناب ابو طالب نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"کیا تم جانتے ہو دشمنوں نے تمہارے خلاف کیا سازش کی ہے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان لوگوں نے طے کیا ہے کہ مجھے قید کر لیں یا قتل کر دیں اور یا جلاوطن کر دیں۔"

ابو طالب نے حیران ہو کر پوچھا کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی؟

آپ نے فرمایا:

"میرے رب نے۔"

ابو طالب نے کہا:

"تمہارا رب بڑا اچھا پروردگار ہے، تم اپنے رب سے خیر مانگو۔"

آپ نے فرمایا:

"ہاں! میں اس سے خیر مانگتا ہوں اور وہ خود میرے ساتھ خیر فرماتا ہے۔"

ابو جہل کی خباثت کا دائرہ مکہ میں مسلمانوں تک محدود نہیں تھا، بلکہ وہ ہر اُس شخص کو ایذا پہنچاتا تھا جو مکہ میں زیارت، عمرہ یا تجارت وغیرہ کی نیت سے آتا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک قبیلہ زبید کا ایک شخص آیا۔ وہاں اس وقت قریشی سردار بھی مجمع لگائے بیٹھے تھے۔ اس شخص نے آ کر قریشیوں کے حلقے کے گرد گھومنا شروع کر دیا اور وہ یہ کہتا جاتا تھا:

"اے گروہ قریش! کوئی راہ گیر کیسے تمہارے علاقے میں داخل ہو سکتا ہے اور کوئی تاجر کیسے تمہاری سرزمین میں آ سکتا ہے جب کہ تم ہر آنے والے کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے ہو۔؟"

یہ کہتا ہوا جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے اس سے پوچھا:

"تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟"

اس نے بتلایا کہ وہ اپنے اونٹوں میں سے تین بہترین اونٹ بیچنے کے لئے لے کر آیا تھا مگر یہاں ابو جہل نے ان تینوں اونٹوں کی اصل قیمت کی صرف ایک تہائی قیمت لگا دی (ان کی اصل قیمت سے دو تہائی کم قیمت لگا دی) اور ایسا اس نے جان بوجھ کر کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی بستی کا ایک معزز سردار ہے اس کی قیمت پر بڑھ کر کوئی دوسرا شخص اب

Marfat.com

قیمت نہیں لگائے گا اور اس طرح وہ ان اونٹوں کو بہت کم قیمت میں خریدے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کی وجہ سے پھر کسی دوسرے نے ان اونٹوں کا بالکل سودا نہیں کیا۔ اس طرح ابوجہل نے میری تجارت خراب کر کے مجھ پر ظلم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''تمہارے اونٹ کہاں ہیں۔؟''

اس نے کہا:

''یہیں خزورہ کے مقام پر ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اٹھے اور وہاں پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ اونٹ واقعی بہت عمدہ تھے۔ آپ نے اس شخص سے بھاؤ تاؤ کیا اور آخر دونوں میں خوش دلی سے رضامندی ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے وہ اونٹ لے لئے۔

پھر آپ نے ان میں سے دو زیادہ عمدہ اونٹ فروخت کر دیئے اور ان کی قیمت بنی عبدالمطلب کی بیوہ عورتوں کو تقسیم فرما دی۔ یہ سب کچھ ہوا اور وہیں بازار میں ایک طرف ابوجہل بیٹھا ہوا یہ سب دیکھتا رہا مگر ایک لفظ نہیں بول سکا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے پاس آئے اور اس سے فرمایا:

''خبردار عمرو! اگر تم نے آئندہ ایسی حرکت کی تو بہت سختی سے پیش آؤں گا۔''

یہ سن کر ابوجہل جلدی سے بولا:

''محمد! میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ محمد میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے لوٹ آئے۔ ادھر ابوجہل کو راستے میں امیہ بن خلف اور اس کے دوسرے ساتھی مل گئے۔ ان لوگوں نے ابوجہل سے کہا:

''تم تو محمد کے ہاتھوں بہت رسوا ہو کر آ رہے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تم ان کا اتباع اور پیروی کرنا چاہتے ہو اور یا تم ان سے بہت مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے ہو۔''

ابوجہل بولا:

''میں ہرگز کبھی محمد کی پیروی نہیں کر سکتا۔ میری جو کمزوری تم نے دیکھی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں نے محمد کو دیکھا تو مجھے ان کے ساتھ دائیں بائیں بہت سارے آدمی نظر آئے جن کے ہاتھوں میں نیزے اور بھالے تھے اور وہ ان کو میری طرف لہرا رہے تھے۔ اگر میں اس وقت محمد کی بات نہ مانتا تو وہ سب لوگ مجھ پر آ پڑتے۔''

ہجرت مدینہ سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک مرتبہ ابوجہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ درخواست کی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلائیں، رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان بھی لے آؤ گے۔؟''

۱۲۵۶۲۸

Marfat.com

انہوں نے کہا:

''ہاں ہم ایمان لے آئیں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابو قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر۔ عصر اور مغرب کے درمیان وقت آتا ہے اتنی دیر جتنا چاند اسی طرح رہا، لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دیکھو! دیکھو۔''

اس کے بعد چاند پھر اپنی سابق حالت پر چلا گیا، لیکن ان کفار مکہ کی بدنصیبی کا کیا کہنا، وہ اس بین معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے اور اپنے کفر پر مصر اور اٹل رہے، اور کہا کہ یہ محمد کا جادو ہے، حالانکہ اگر جادو ہوتا تو میلوں دور بسنے والے لوگ اس کو نہیں دیکھتے، کیونکہ جادو حاضرین پر چلتا ہے تمام لوگوں پر نہیں چلتا اور یہاں واقعہ ایسا ہوا کہ دور دور سے آنے والے مسافروں نے بھی اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر کو دیکھا ہے۔

جب اہل اسلام پر ظلم وستم حد سے بڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی اجازت دی اور فرمایا:

''وہاں کا بادشاہ عادل ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کے ملک میں چلے جاؤ۔''

چنانچہ پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان تھے، ان کے ہمراہ ان کی بیوی رقیہ بنت رسول بھی تھیں۔ نیز ابو حذیفہ بن عتبہ اور ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل، ابو سلمہ اور ان کی بیوی ام سلمہ، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی خثیمہ، ابو سبرۃ بن ابی رہم، حاجب بن معمر، سہیل بن وہب اور عبداللہ بن مسعود۔

یہ لوگ چھپ چھپ کر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سبب بھی بنا دیا کہ جب یہ ساحل سمندر پر پہنچے تو تاجروں کے دو جہاز حبشہ کی طرف جانے کے لیے تیار کھڑے تھے، انہوں نے ان کو سوار کر لیا اور حبشہ کے ملک میں پہنچا دیا۔

یہ قافلہ ماہ رجب، نبوت کے پانچویں سال گھر سے نکلا اور حبشہ میں شعبان اور رمضان کے دو مہینے رہا، کفار کو پتہ چلا تو انہوں نے ساحل سمندر تک ان کا پیچھا کیا، مگر ان کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے جہاز روانہ ہو چکے تھے۔

کفار مکہ نے یہ بات پھیلا دی کہ ہم نے محمد کے ساتھ صلح کر لی ہے۔ جب ان مہاجرین کو خبر ملی کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کر لی ہے اور انہوں نے آپ کی ایذا رسانی سے ہاتھ روک لیا ہے، تو یہ لوگ شوال میں مکہ شریف واپس آ گئے اور مکہ کے باہر ہی رک گئے۔ پھر ہر شخص مکہ کے کسی آدمی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہوا، لیکن قریش اور ان کے قبائل نے ان کو پہلے سے زیادہ ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ صرف مسلمان ہونا ہی ان کا جرم نہیں تھا، بلکہ ان کے ساتھ نجاشی شاہ حبش کے حسن سلوک کے واقعات نے بھی کفار کے غیظ وغضب میں اضافہ کر دیا۔

ان کے بڑھتے ہوئے ظلم وستم کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ اس وقت مہاجرین باون افراد پر مشتمل تھے۔

Marfat.com

مہاجرین کے سلسلے میں قریش نے دو دفعہ نجاشی کے پاس اپنے نمائندے بھیجے، پہلے ان کی ہجرت کے وقت اور دوسری دفعہ جنگ بدر کے بعد۔ عمرو بن عاص دونوں دفعہ ہی قاصد بن کر گئے تھے، اور ایک دفعہ عمارہ بن ولید مخزومی اور دوسری دفعہ عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی ان کے رفیق تھے، لیکن ان کی کوئی نہ سنی گئی۔

باتفاق جمہور (تاریخ وحدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے تمام خاندان نے شعب ابی طالب میں کامل تین برس تک جن مصیبت وشدت میں دن اور راتیں گزاریں ان کا بیان دشوار ہے اور کیونکر نہ ہو کھانا پینا بند، آنا جانا ترک، خرید وفروخت موقوف اور شعب سے قدم باہر نکالنا دشوار۔ یہ ترک موالات کا حال ہے کہ حبس دوام کی پوری سزا تھی، غریب محصورین پر جن میں خوردسال بچے اور شکستہ پا عورتیں بھی شامل تھیں، ایسا وقت آ گیا تھا کہ دانہ دانہ کے محتاج تھے۔ اتنی مجال تو تھی ہی نہیں کہ شہر میں جا کر ضروریات روزمرہ کی چیزیں لائیں اور اگر جرأت کر کے جائیں بھی تو دیتا کون ہے؟ اس مجبوری سے محاصرین کو تلاش رزق کے لیے اطراف مکہ میں دور دور تک نکل جانا پڑتا تھا اور صبح سے شام تک ان غریبوں کو یا نصیب جو کچھ مل جاتا تھا وہ رات کو گھر میں لا کر دن بھر کے بھوکے بال بچوں کو کھلانا ہوتا تھا۔

> تلاش آذوقہ کی خدمت ان ایام میں خاص کر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ یہ علی الصباح شعب سے نکل کر حوالی مکہ کی آبادیوں میں دور دور تک نکل جاتے تھے اور وہاں سے جو گیہوں اور کھجوروں جو کچھ میسر آتا تھا اپنی پشت پر رکھ کر لاتے تھے۔ وہ بھی کبھی یہ چیزیں ملتی تھیں اور کبھی نہیں، کیونکہ ظالمان قریش مکہ کی بیرونی آبادیوں میں جا کر منع کر آتے تھے اس لئے علی الاکثر فاقہ گزرتے تھے اور شدتِ بھوک و پیاس سے گرفتارانِ مصیبت کی غریب جانیں ہونٹوں تک آ پہنچی تھیں۔

علامہ ابن القیم اپنی کتاب زادالمعاد جلد اول، صفحہ ۲۹۹ میں لکھتے ہیں:

> ''بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس زور سے روتے تھے کہ ان کے رونے کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔''

امام قسطلانی شارح بخاری کا بیان ہے کہ بنی ہاشم کے بچوں کے رونے کی آوازیں رات کے سناٹے میں تمام شہر میں سنائی دیتی تھیں اور سنگدل و بے رحم قریش سنتے تھے اور ہنسا کرتے تھے اور انواع واقسام کے طعن وتشنیع کیا کرتے تھے۔

قریش کی ایسی سخت قدغن تھی اور ایسی شدید روک تھام ان مصیبت زدوں میں سے جو شخص چھپ چھپا کر تلاش رزق میں باہر نکل جاتا تھا اور سوء اتفاق سے قریش اسے دیکھ پاتے تھے تو سخت تعذیر پہنچاتے تھے۔ موسم حج میں بیرونی قبائل سے اگر یہ لوگ خرید وفروخت کی کوشش کرتے تھے تو یہ ظالمین وقت نہایت سختی سے انہیں منع کرتے تھے اور باز رکھتے تھے۔

تکلیفیں تو اتنی تھیں اور مصیبتیں ایسی اور حامی ومددگار ایک بھی نہیں، لیکن صد آفرین ہے ان مظلومین کے صبر وسکوت پر ہزار احسنت ہے ان محصورین کے استقلال و پائیداری پر، اگر کسی شخص پر محض دو چار دن کے لیے ایسی مصیبتیں پڑ جاتیں تو وہ گھبرا کر یا تو جان دے ڈالتا یا ظالمین وقت کی اطاعت کر لیتا۔ ان غریبوں پر تو اس آفت ومصیبت میں پورے تین برس گزر گئے، لیکن ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے۔ سچے رسول کی حمایت ورفاقت پر یقین

Marfat.com

اور خدائے قادر وتوانا کی نصرت وامداد پر توکل کیے خاموش بیٹھے رہے اور ان تمام مصائب کو رضا بقضۃ وتسلیماً لامرہ کہہ کہہ کر جھیل گئے اور شکایت کیسی اور گلہ کیسا۔؟ کسی فرد واحد نے منہ سے اف بھی نہ کی۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض تبلیغ میں انہماک ومحویت کی یہ حالت تھی کہ باوجود ان تمام شدائد کے آپ محاصرہ کی موجودہ ضیق النفسی کے عالم میں بھی ہدایت وارشاد سے باز نہ رہے، بلکہ عزلت کی خاص صحبتوں میں آپ کو اس کے ادا کرنے کا بہتر موقع مل گیا۔ مبتدایان اسلام رات کے پردے میں مخالفین سے آنکھیں بچا کر اور چھپ چھپا کر خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس معلم ربانی سے تعلیم ایمانی حاصل کرتے تھے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

((ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم یدعوا قومہ لیلا ونہاراً سرا وجہاراً منادیا بامر اللّٰہ))

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح وشام مخفی اور اعلانیہ طور پر اللہ کی طرف قوم کی دعوت کیا کرتے تھے۔''

اسی دوران دس دن کے وقفے سے جناب ابوطالب اور سیدہ خدیجہ کا وصال ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا۔

جب آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کی وفات کے بعد احمق قریشیوں کی آپ ﷺ پر سختی بڑھتی گئی اور وہ کھلم کھلا آپ ﷺ کی ایذاء رسانی پر اُتر آئے، تو آپ ﷺ نے مکہ چھوڑ کر طائف جانے کا فیصلہ کیا کہ شاید وہ لوگ آپ ﷺ کو وہاں رہنے کے لیے جگہ دیں، اور قریش کی زیادتیوں سے آپ ﷺ کو بچائیں۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے ان کو توحید کی دعوت دی، تو توقع کے برخلاف نہ کسی نے آپ ﷺ کو رہنے کے لیے جگہ دی، اور نہ کوئی آپ ﷺ کی مدد کے لیے تیار ہوا، بلکہ آپ ﷺ کو سخت ترین تکلیفیں دیں، ایسی تکالیف آپ ﷺ کو اپنی قوم سے بھی نہیں پہنچی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بھی تھے۔ آپ ﷺ وہاں صرف دس دن رہ سکے، اس عرصہ میں آپ ﷺ نے وہاں کے ہر سردار سے ملاقات کی اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا، مگر سب نے یہی جواب دیا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ اسی پر بس نہیں کی، بلکہ اپنے اوباشوں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکا دیا۔ جنہوں نے بقول موسیٰ بن عقبہ پتھر مار مار کر آپ ﷺ کے پاؤں مبارک زخمی کر دیئے اور آپ ﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے، دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں:

''جب آپ ﷺ کو پتھر لگتے اور آپ ﷺ اس کے صدمہ سے بیٹھ جاتے تو وہ بدبخت بازوؤں سے پکڑ کر آپ ﷺ کو اٹھا دیتے۔ جب آپ ﷺ چلنے لگتے، تو پتھروں کی بارش شروع کر دیتے اور آپ ﷺ کو تلملاتا دیکھ کر خوب ہنستے۔ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ آگے ہو کر آپ ﷺ کو بچاتے، حتیٰ کہ ان کے سر میں بھی کئی زخم لگے۔ اس سلوک کے بعد آپ ﷺ بڑے غمناک ہو کر طائف سے مکہ کی طرف چلے اور واپسی کے وقت آپ ﷺ نے یہ مشہور دُعا:

''الٰہی! میں تیرے حضور اپنی کمزوری کی شکایت کرتا ہوں، میری تدبیر ناکام ہے، اور میں لوگوں کے ہاں بے قدر ہوں! تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے، کمزوروں کو پالنے والا ہے اور مجھے بھی تو ہی پالنے والا ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ دور کے دشمن کے جو مجھ سے ترش

Marfat.com

روئی سے پیش آتا ہے؟ یا ایسے دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے؟ الٰہی! اگر تو ناراض نہیں، تو مجھے اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں، مگر تیری عافیت زیادہ وسیع ہے، میں تیرے نور کے ساتھ جس سے سب اندھیرے دور ہو گئے ہیں اور دنیا و آخرت کے سارے معاملے سلجھ گئے ہیں، تیرے غضب سے اور تیرے غصے سے پناہ مانگتا ہوں، جب تک تو راضی نہ ہو، تیری رضا کا طلب گار ہوں، گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت تیرے ہی عطا کرنے سے ہے۔''

اس کو ابن اسحٰق نے ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دُعا آپ ﷺ نے اس وقت کی، جب اہل طائف نے اپنے اوباشوں اور اپنے غلاموں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکا دیا، جو آپ ﷺ پر آوازے کستے اور آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے، حتیٰ کہ ان کا شور و شغب سن کر لوگ جمع ہو گئے، انہوں نے آپ ﷺ کو عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کیا، جب کہ وہ دونوں بھی وہاں موجود تھے، وہاں سے طائف کے اوباش واپس چلے گئے، جو آپ ﷺ کا پیچھا کر رہے تھے، جب آپ ﷺ نے ذرا آرام کا سانس لیا تو یہ دُعا فرمائی تھی!

اس دُعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس ملک الجبال (پہاڑوں کا نگران فرشتہ) بھیجا، جس نے آپ ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ ''اخشبین'' کو جو مکہ کے دونوں جانب پہاڑ ہیں، اہل مکہ پر ٹکرا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں ان کے لیے مہلت طلب کرتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے وہ لوگ پیدا کر دے، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔''

یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے امام بخاری اور مسلم نے ذکر کی ہے۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے:

''جب عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھ اہل طائف کے اس سلوک کو دیکھا، تو ان میں برادری کی رگ پھڑکی اور انہوں نے اپنے عیسائی غلام عداس کے ہاتھ انگور کا ایک خوشہ آپ کے لیے بھیجا، جب آپ ﷺ کھانے لگے، تو پہلے ''بسم اللہ'' کہا اور پھر انگور کھائے۔ یہ سن کر عداس نے آپ ﷺ کا چہرہ بغور دیکھا اور کہا:

''خدا کی قسم! اس شہر کے لوگ تو یہ کلام نہیں بولتے۔''

آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

''تم کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟''

وہ بولا:

''میں عیسائی ہوں اور نینوی شہر کا رہنے والا ہوں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ تو مرد صالح یونس بن متی کا شہر ہے۔''

عداس بولا:

Marfat.com

''آپ ﷺ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ میرا بھائی ہے اور میری طرح وہ بھی نبی ہے۔''

یہ سن کر عداس جھکا اور اس نے آپ ﷺ کے سر مبارک اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ عتبہ اور شیبہ نے یہ دیکھا، تو ایک نے دوسرے سے کہا:

''اس نے تیرے غلام کو خراب کر دیا۔''

جب عداس واپس آیا، تو وہ دونوں کہنے لگے:

''عداس! تم پر افسوس ہے! تم نے اس کے سر اور اُس کے ہاتھ، پاؤں کو کیوں بوسہ دیا؟''

وہ کہنے لگا:

''میرے آقا! روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے مجھے وہ بات بتائی ہے جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

وہ دونوں بولے:

''عداس! تم پر افسوس ہے! دیکھنا! کہیں یہ تم کو تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دے، تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔''

ہجرت سے تقریباً تین سال قبل اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکان کی سیر کروائی گئی، جسے معراج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی سفر کے دوران نماز اور روزے فرض کیے گئے۔

مدینہ منورہ میں اسلام کی ابتدا.....عقبہ اولیٰ و ثانیہ:

رحمت اللعالمین، فخر کون و مکاں، سرورِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی ایمان پرور صدا چہار دانگِ عالم میں پہنچانے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار فرمائی۔ حج کے عالمی اجتماع سے بھی آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور دور دراز شہروں اور ملکوں سے آئے ہوئے مختلف قبائل کی قیام گاہوں میں جا کر انہیں توحید کی دعوت دینے کا معمول بنا رکھا تھا۔

اسی دوران مدبر عالم اور کارساز تکوینیات نے اوس و خزرج کو معاشی اور اقتصادی پس ماندگی سے دوچار کر دیا جس کے باعث وہ قریش سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نبوت کے گیارہویں سال کا تذکرہ ہے کہ قبیلہ بنو عبدالاشہل کے کچھ لوگ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ آئے اور قریش سے مذاکرات شروع کیے۔ انہی اثناء میں ایک رات رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی کے اندھیرے میں شمع رسالت فروزاں کرنے کی غرض سے عقبہ کے مقام سے گزرے جہاں کچھ دل کش و دل آویز آوازیں سنائی دیں، وہ لوگ یثرب سے آئے ہوئے خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ چند تعارفی جملوں کے بعد ہادیٔ کل، ختم رسل، دانائے سبل صلی اللہ علیہ وسلم نے آیاتِ قرآنیہ کی پُرکیف و وجد آفریں تلاوت سے ان کے قلوب کو گرمایا اور دعوتِ اسلام پیش فرمائی۔

یہ لوگ اپنے ہم وطن یہود سے رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور فضل و کمالات کا ذکر سنتے رہتے تھے۔ ان

Marfat.com

کے دل ضد وعناد، تمرد ومخالفت سے خالی اوران کی زمین قلب توحید ورسالت کی تخم ریزی کے لیے ہموار اور تیار تھی۔

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین سن کر تھوڑی سی دیر کے لیے استعجاب میں پڑ گئے۔ کیا یہی وہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن سے یہود ہمیں ڈرایا کرتے ہیں کہ امروز وفردا آفتابِ رسالت طلوع ہونے کو ہے جس کے سایۂ عاطفت میں ہم اوس وخزرج کو تہس نہس کر دیں گے، پھر باہم مخاطب ہو کر کہنے لگے:

''اس دولتِ غیر مترقبہ کو حاصل کرنے کے لئے سوچ وبچار اور تاخیر سے قطع نظر نورِ اسلام اور متاعِ ایمان حاصل کرنے میں جلدی کرنی چاہئے تا کہ یہود ہم سب سے پہلے ایمان کی دولت سے مالا مال نہ ہونے پائیں۔ یہ کہتے ہوئے سب یک زبان ہو کر توحیدِ الٰہی کی نغمہ سرائی کرنے لگے۔''

یہ لوگ قریش کے ساتھ مادی اور معاشی معاہدہ کر کے دنیوی جاہ وجلال اور مال ومنال سے بہرہ یاب تو نہ ہو سکے لیکن تاجدارِ مدینہ، جنت کے والی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر ایمان کی بیعت کر کے دو جہاں کی شاہی کی لازوال نعمت سے سرفراز ہو گئے۔

اس تاریخ ساز وانقلاب انگیز موقع پر سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہما بھی اپنے آقا کے ہم رکاب تھے۔ فلکِ رسالت پہ طلوع ہونے والے درخشندہ وتابندہ ستارے ان ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں:

۱۔ ابوامامہ بن اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار۔
۲۔ عوف بن الحارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن النجار۔
۳۔ رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن زریق۔
۴۔ قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ۔
۵۔ عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام بن کعب بن سلمہ السلمی۔
۶۔ جابر بن عبداللہ بن رکاب بن النمان بن سنان۔

یہ قدسی نفوس قافلہ جب وطن مالوف پہنچا تو ہر کس وناکس کو یہ ایمان افروز مژدہ سنایا کہ وہ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں جن کے انتظار میں سارا عالم چشم براہ تھا۔ ہم نے ان کے چہرۂ انور کے نورِ تاباں سے اپنی آنکھیں منور کیں۔ ہمارے دلوں کو ان کے رخِ زیبا کے دیدار سے سرور نصیب ہوا اور ہمارے کان ان کے معجزہ نما کلام سے لطف اندوز ہوئے۔ جب ان حضرات نے اہلِ وطن کو اس روح پرور اور فرحت انگیز بشارت سے روشناس کیا تو پھر گھر گھر میں آپ کا ذکر خیر ہونے لگا۔ ان کی شب وروز تبلیغ سے آمدہ سال دوگنی تعداد میں شمعِ رسالت کے پروانے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔

عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل مدینہ کی پہلی ملاقات اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی۔ اہل مدینہ نے اسلام قبول کیا تو گویا یہ حقیقت بھی مان لی کہ دین وایمان کے آگے رنگ ونسل، زبان ووطن اور قومیت وعصبیت بے وقعت ہیں اور اتحاد کا سب سے مستحکم ذریعہ ''دین'' ہی بن سکتا ہے، پھر انہیں یہ اطمینان وفخر بھی حاصل ہو گیا کہ وہ یہودیوں سے زیادہ موقر اور ان سے بہتر دین وکتاب کے حامل ہو گئے ہیں۔ اس موقع پر اہل مدینہ کے الفاظ ہماری بات پر

Marfat.com

دلالت کرنے کے لیے کافی ہیں:

((واللّٰہ انہ النبی الذی توعدکم بہ یھود فلا تسبقنکم الیہ))

''واللہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کا ذکر تم سے یہودی کرتے تھے۔ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے معاملہ میں وہ تم پر سبقت لے جائیں۔''

جہاں تک عقبہ کی ملاقات کا تعلق ہے تو اس کے اثرات بھی مدینہ کے سیاسی ماحول پر بہت گہرے پڑے۔ وہ چھ افراد جو اسلام لا چکے تھے اور اس کی اشاعت کا وعدہ بھی کر چکے تھے، وہ جب مدینہ واپس آئے تو پورے جذبہ وخلوص کے ساتھ اپنے اسلام کا برملا اظہار کرنے لگے۔ مدینہ میں جس نے اس پیغام کو سنا متاثر ہوا اور پھر کچھ ہی عرصہ میں اوس وخزرج کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہ ہوا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سال بھر ان کا موضوع گفتگو بنی رہی۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ مدینہ کے مخصوص حالات نے لوگوں کے دلوں میں جو تمنائیں پیدا کر دی تھیں، لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے پورا ہونے کا وقت جلد آنے والا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے اوس اور خزرج رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب آ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سن 11 نبوی میں اوس وخزرج کے افراد مقام عقبہ میں حضور ﷺ سے ملے، اور شرک، چوری، زنا، قتل اولاد، ناحق افراد پر دازی سے بچنے اور حضور ﷺ کے حکم سے کسی حال میں سرتابی نہ کرنے کا عہد استوار کیا تو ان کی تعداد پہلے سے زائد یعنی بارہ تھی۔

اس لیے اہل مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ ان کے یہاں کوئی معلم بھیجا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے حضرت مصعب بن عمیر کو مدینہ روانہ فرما دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ آ کر اپنی شبانہ روز کوششوں سے تبلیغ واشاعت اسلام کا حق اس طرح ادا کیا کہ رفتہ رفتہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ صرف بنی اوس میں سے چند گھرانے باقی رہ گئے۔ تعلیم قرآن وحدیث اور اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ حضرت مصعب مدینہ کے اہل ایمان کی نمازوں کی امامت بھی فرماتے تھے۔ یہ امامت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ان کی اقتداء میں اوس، خزرج اور ایسے قبائل کے افراد شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے جو ابھی چند سال قبل تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور جو اپنی عداوت کو اس حد تک نہیں بھلا سکتے تھے کہ آپس میں ہی ایک دوسرے کی امامت قبول کر لیں، لیکن حضرت مصعب کی امامت ان کے لیے نقطۂ اتحاد ثابت ہو رہی تھی۔

تاریخی مطالعہ کی رو سے بدترین دشمنوں کا ایک جگہ ایک صف میں اس طرح مجتمع ہو جانا اتنا بڑا انقلاب تھا جس کا جاہلی معاشرہ میں تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا، اسی لیے قرآن نے بطورِ احسانِ الٰہی کے اس خوشگوار انقلاب پر یوں تبصرہ کیا ہے:

((واذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخواناً و کنتم علٰی شفا حفرۃٍ من النار فانقذکم منھا))

''اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور اپنی نعمت سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا اور تم آگ سے بھرے گڑھے کے قریب تھے

Marfat.com

تو اس نے تم کو بچالیا۔''

ایک جگہ یہ بھی ارشاد ہوا:

((لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم))

''اگر آپ جو کچھ زمین میں ہے سارا خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں محبت والفت کا پیدا کر دینا آپ کے لیے ممکن نہ تھا۔''

بہر کیف حضرت مصعب بن عمیر جن کا قیام مدینہ میں تقریباً ایک سال تک رہا نہ صرف تعلیم وتبلیغ اسلام کے فریضہ میں منہمک رہے بلکہ اس تمام مدت میں وہ مدینہ کے سیاسی، اجتماعی، تہذیبی وتمدنی اور معاشی ومعاشرتی حالات کا بھی بغور جائزہ لیتے رہے۔ غالباً ان کی ماموری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رعایت بھی رکھی کہ وہ سابقین اسلام میں ہونے کی وجہ سے دین کی تعلیم وتربیت بھی بخوبی کر سکتے ہیں اور ذہین وہوشمند ہونے کی وجہ سے مدینہ کے حالات ومسائل کا براہِ راست مطالعہ وتجزیہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ معلومات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے اقدامات کے تعین میں انتہائی مفید ثابت ہو سکتی ہیں، چنانچہ جب دوسرے سال حج کا موقع آیا تو حضرت مصعب مدینہ سے مکہ واپس آئے۔ ملاقات کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات سے مطلع کیا اور پھر غالباً حضرت مصعب نے ہی اہل مدینہ کی اس جماعت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا انتظام کیا جو اپنے دیگر ہم وطنوں کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے آئی تھی۔ مؤرخین کی تصریح کے مطابق ملاقات کے لئے ایام تشریق کا درمیانی عرصہ مقرر کیا گیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

یہی وہ تاریخی موقع ہے جبکہ مقام عقبہ پر رسول اللہ ﷺ اور اہل مدینہ کے درمیان وہ تاریخی عہد استوار ہوا جس نے نہ صرف عرب بلکہ بعد کی پوری عالمی تاریخ پر فیصلہ کن اثرات مرتب کئے اور ریاست نبوی ﷺ کے قیام کو فیصلہ کن مرحلہ میں داخل کر دیا۔

بیعت عقبہ کا انعقاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مدینہ کے درمیان ذی الحجہ سنہ ۱۲ نبوی کی بارویں شب کو بمقام عقبہ (منیٰ) عمل میں آیا۔ اہل مدینہ کا وفد ستر سے زائد نفوس پر مشتمل تھا۔ وہ حسب قرارداد ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ وقت چونکہ بہت کم تھا اور قریش کی جاسوسی کا خطرہ بھی پوری طرح موجود تھا اس لیے مصلحتاً مذاکرات کو طول نہیں دیا گیا اور مختصر بحث ومباحثہ کے بعد انصار نے اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ وہ تمام خطرات کے باوجود رسول اللہ اور آپ کے اصحاب کو اپنے شہر میں جگہ دیں گے، ان کی حمایت ونصرت اور حفاظت کریں گے، ہر حال میں اسلام پر قائم رہیں گے اور ہر موقع پر سمع وطاعت سے کام لیں گے۔

اس عہد یا بیعت کا ایک اہم اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ یہ عہد فریقین کے درمیان انتہائی غور وخوض کے بعد وجود میں آیا تھا۔ اگر ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گردوپیش کی دنیا کا جائزہ لینے اور اہل مدینہ کے دوسالہ طرز عمل کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس مرحلہ تک پہنچے تھے تو دوسری طرف اہل مدینہ نے بھی بلاسوچے سمجھے محض تکلفاً اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا تھا بلکہ نتائج کا پوری طرح ادراک کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ چنانچہ عین اس وقت جبکہ یہ معاہدہ ہو رہا تھا تو عباس بن نضلہ انصاری نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا تھا:

Marfat.com

''جانتے ہو کہ اس شخص سے کس بات کا پیمان باندھ رہے ہو۔؟''

انہوں نے کہا:

''ہاں!''

پھر اس نے کہا:

''تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے لوگوں میں سے سرخ وسیاہ سے جنگ یعنی دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے کہ آج ہی اسے چھوڑ دو، کیونکہ اللہ کی قسم! یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو دعوت تم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اشرف کی ہلاکت کے باوجود نباہ لو گے تو بے شک اس کا ہاتھ تھام لو کیونکہ اللہ کی قسم! یہ دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔''

اسی بات کو مدنی قافلہ کے ایک انتہائی کم سن اسعد بن زراہ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا:

''اے اہل یثرب! ٹھہرو! ہم ان کی طرف اونٹوں پر بار بار نہیں آئے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج یہاں سے انہیں نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجہ میں تمہارے لوگ قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی لہٰذا اگر اس کو برداشت کرنے کی طاقت تم اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ تھام لو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر انہیں چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کر دو کیونکہ اس وقت عذر کر دینا اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہے۔''

اس پر اہل وفد نے پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ جواب دیا تھا:

((فانا ناخذه علی مصیبة الاموال و قتل الاشراف))

''ہم ان کے لیے اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔

پھر اس اعلان کے بعد مذکورہ بیعت منعقد ہوئی۔

اس دو طرفہ معاہدہ کی رُو سے جہاں ایک طرف اہل مدینہ نے اپنے شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگہ دینے، ہر حال میں آپ کی اطاعت، حمایت اور حفاظت کی ذمہ داری لی تھی تو دوسری طرف اُنہوں نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ تو انہیں چھوڑیں گے نہ مکہ واپس آئیں گے۔ چنانچہ جب اہل مدینہ کی طرف سے یہ کہا گیا:

((یا رسول اللّٰه بیننا و بین الرجال حبالاً وانا قاطعوها یعنی الیهود فهل عسیت ان نحن فعلنا ذلك ثم اظهرك الله ان ترجع الیٰ قومك و تدعنا))

''یا رسول! ہمارے اور لوگوں کے درمیان پیمان وفا قائم ہیں اور ہم اس کو قطع کر دیں گے۔ مگر کہیں یہ

Marfat.com

تو نہ ہوگا کہ ادھر ہم یہود سے معاہدہ ختم کر دیں اور ادھر آپ کو غلبہ وقوت حاصل ہو تو آپ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی قوم سے آ کر مل جائیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور انتہائی یقین افروز انداز سے فرمایا:

((بلدالدم ! الدم ! والهدم الهدم! انا منكم وانتم منى ! احارب من حاربتم واسلم من سالمتم))

''نہیں بلکہ میرا خون تمہارا خون، اور تمہاری حرمت میری حرمت ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ تم جس سے لڑو گے میں بھی لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس یقین دہانی پر گویا معاہدہ کی تکمیل ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدین و مبایعین سے فرمایا:

''حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب کیے تھے تم بھی اپنی جماعت میں سے بارہ آدمی منتخب کرو۔''

پھر جب نقباء کا انتخاب ہو چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے انہیں اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔

ایک ایک نقیب نے کھڑے ہو کر حمد وثناء اور اتباع نبوی کا اقرار کیا اور اس بات کا حلف اٹھایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہیں گے، ان کی مدد و نصرت کریں گے اور اپنے عہد و وفا کا پاس ولحاظ کریں گے۔

نقباء کا تقرر کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا:

((ان موسیٰ اخذ من بنى اسرائيل اثنى عشر نقيباً وانى اخذمنكم اثنى عشر فلا يجدن احد منكم فى نفسهٖ شيئا فانما يختار لى جبريل فلما سماهم قال انتم كفلاء علىٰ قومكم ككفالة الحواريين))

''حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے بارہ سردار منتخب کیے تھے اور میں بھی تم میں سے بارہ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ پس تم میں کسی کے دل میں کوئی خیال پیدا نہ ہو کیونکہ میرے لیے اسے جبرائیل نے کیا ہے، پھر جب ان کے نام گنائے تو آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنی قوم کے ذمہ دار ہو حواریوں کی طرح۔''

توضیحات بالا کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اہل یثرب کی تجویز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بارہ آدمیوں کو نقیب مقرر کیا تھا یہ حضرات وہ لوگ تھے جو اپنے اپنے قبائل وبطون میں غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے۔ مدنی معاشرہ میں اثر ورسوخ کے مالک تھے اور اپنے قبیلہ کے سردار یا کسی اہم ذمہ داری پر فائز تھے۔ مثلاً قبائل اس میں معزز ترین قبیلہ عبدالاشہل کا تھا اور سیادت عامہ اوس میں وراثۃً چلی آتی تھی۔ ان کا نقیب حضرت اسید بن حضیر کو بنایا گیا جن کے باپ حضیر

Marfat.com

الکتائب چند سال قبل جنگ بعاث میں اوس کے قائد سپہ سالار تھے اور داد شجاعت دیتے ہوئے اسی جنگ میں مارے گئے تھے اور اپنے باپ کے بعد اپنی قوم میں سب سے معزز تھے اور صاحبان عقل ورائے میں شمار ہوتے تھے۔ دوسری طرف قبائل خزرج میں سب سے زیادہ معزز قبیلہ بنونجار کا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اہل مدینہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والے، سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے والے یہی اسعد بن زرارہ تھے۔ جنہیں بنونجار کا نقیب بنایا گیا۔

نقباء کے فرائض میں جہاں مجموعی طور پر ان کے اپنے قبیلوں کی کفالت اور ذمہ داری شامل تھی اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی نگرانی کہ سمع وطاعت سے کسی حال میں انحراف نہ ہونے پائے، جو کچھ معاہدہ میں طے ہو چکا ہے اس کی حسب موقع تعمیل اور اپنی اپنی آبادی اور علاقے کے لوگوں کی ذہنی واخلاقی نگہداشت کرنا بھی نقباء کا ہی کام تھا۔ اور یہ بھی فرض ان ہی کا تھا کہ تفتیش وتجسس کے ذریعہ ایک طرف تو رفتار کار کا اندازہ لگائیں اور دوسری طرف تحقیق حال کر کے نئی ریاست کی تاسیس کے لیے زمین ہموار کرنا بھی نقباء کے منصب کا تقاضا تھا۔ مختصر یہ کہ معاہدہ عقبہ کے ساتھ ساتھ نقباء کے تقرر کا فائدہ یہ ہوا کہ مدینہ میں باقاعدہ طور پر اجتماعی نظم کی بنیاد قائم ہوگئی اور نقیبوں کے ذریعہ منظم سیاسی معاشرہ کی تعمیر کا کام پوری طرح شروع ہوگیا۔

اہل اسلام کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم:

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑائی کی اجازت دے دی اور انصار نے اسلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے تابعداروں کی امداد پر بیعت کر لی اور مسلمانوں کو ان کے ہاں رہنے کا موقع مل گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے مہاجروں اور آپ کے ساتھ مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں اور اپنے بھائیوں انصار سے جا ملیں اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے لیے بھائی بنا دیئے ہیں اور ایسا گھر مہیا کر دیا ہے جس میں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو۔"

چنانچہ مختلف جماعتوں کی صورت میں مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلنے اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت کا انتظار کرنے لگے، رسول اللہ کے قریشی صحابہ میں سے سب سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا نام عبداللہ ہے، یہ بیعت عقبہ سے ایک سال پہلے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے۔ جب یہ حبشہ سے واپس آئے اور قریش نے انہیں انتہائی اذیت پہنچائی اور انہوں نے انصار کے اسلام لانے کی خبر سنی تو یہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ مگر ان کی بیوی ام سلمہ کو ان کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔ پھر حضرت ابوسلمہ کے بعد عامر بن ربیعہ، بنوعدی کے حلیف اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی خیثمہ کے ساتھ مدینہ پہنچے، اس کے بعد عبداللہ بن جحش بنوامیہ بن عبدشمس کے حلیف، نے ہجرت کی اور یہ اپنی بیوی اور اپنے بھائی عبیداللہ بن جحش کو اپنے ساتھ لے گئے، عبیداللہ کی کنیت ابواحمد ہے یہ نابینا تھے اور مکہ کے بالائی اور نشیبی حصوں میں بغیر کسی قائد کے بلاتکلف آجا سکتے تھے۔ یہ شاعر تھے اور ان کے نکاح میں فارعہ بنت ابوسفیان بن حرب تھی۔ ان کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں۔ جحش کی اولاد کی ہجرت کے بعد ان کا گھر مقفل ہوگیا۔

Marfat.com

ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ' عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اور ابوجہل بن ہشام کا مکہ کے بلائی حصہ میں گزر ہوا تو عتبہ بن ربیعہ نے اُن کے بے آباد گھر کے جس میں کوئی متنفس سکونت پذیر نہیں تھا، دروازے کھٹکھٹاتے دیکھ کر لمبی سانس لی اور کہا:

وکل وادٍ وان طالت سلامتها

یوماً ستدرکها النکباء واللحوب

''اور ہر گھر خواہ وہ کتنا عرصہ سلامت رہے، ایک دن اس پر چوپائی ہوائیں چلیں گی اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گی۔''

کل امری بلقاء الموت مرتهن

کانه غرض للسوت منصوب

''ہر آدمی موت کے ہاتھ میں گرفتار ہے' گویا کہ وہ ہدف ہے، جو موت کے لیے نصب کیا گیا ہے۔''

بنوغنم بن دودان کا سارا خاندان مسلمان ہو گیا تھا اور سارے کے سارے مرد اور عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ جا آباد ہوئے تھے۔اس خاندان کے افراد یہ ہیں:

1: عبداللہ بن جحش۔
2: ان کے بھائی ابواحمد۔
3: عکاشہ بن محصن۔
4: شجاع۔
5: عقبہ بن وہب۔
6: اربد بن جہیرہ۔
7: منقذ بن نباتہ۔
8: سعید بن قیس۔
9: محرز بن نضلہ۔
10: یزید بن قریش۔
11: قیس بن جابر۔
12: عمرو بن محصن۔
13: مالک بن عمرو۔
14: صفوان بن عمرو وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

اور عورتیں یہ ہیں:

1: ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش۔
2: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت جحش، یہ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف کے نکاح میں تھیں۔
3: حمنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش، یہ مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کی زوجہ ہیں۔
4: جذامہ رضی اللہ عنہا بنت جندل۔
5: ام قیس رضی اللہ عنہا بنت محصن۔
6: ام حبیب رضی اللہ عنہا بنت ثمامہ۔
7: آمنہ رضی اللہ عنہا بنت ثمامہ۔

مہاجرین کی مدینہ میں رہائش:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والے اور ان کی قوم کے لوگ بھی اُن سے آملے۔نیز ان کے بھائی زید بن خطاب، عمرو اور عبداللہ سراقر بن معتمر کے بیٹے، خنیس بن حذافہ سہمی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے داماد ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے خاوند۔(پھر یہی حفصہ رضی اللہ عنہا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں، اور ام المومنین کہلائیں) سعید

Marfat.com

بن زید، واقد بن عبداللہ تمیمی ان کے حلیف، بکیر کے چاروں بیٹے ایاس بن بکیر، عاقل اور خالد، خولی بن خولی اور مالک بن ابی خولی، یہ سب لوگ قباء میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے ہاں فروکش ہوئے۔ اس کے بعد مہاجرین کی آمد پے در پے شروع ہوئی۔ طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان اور صہیب بن سنان، خبیب بن اساف کے ہاں جو قبیلہ ''بنو الحارث بن خزرج'' سے تعلق رکھتے تھے، مقام سخ میں اُترے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ طلحہ' اسعد بن زرارہ بخاری کے گھر آباد ہوئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں:

''حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، زید بن حارثہ، ابومرثد کناز بن حصین غنوی، ان کے بیٹے مرثد غنوی (حلیف حمزہ بن عبدالمطلب) انسہ' مولیٰ رسول اللہ ﷺ اور ابوکبشہ، مولیٰ رسول اللہ ﷺ کلثوم بن ہدم (جو بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے) کے گھر قباء میں اُترے۔ بعض کہتے ہیں کہ سعد بن خیثمہ کے گھر اُترے، ایک قول یہ بھی ہے کہ حمزہ' اسعد بن زرارہ نجاری کے ہاں فروکش ہوئے۔ عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب، ان کے دونوں بھائی طفیل اور حصین حارث کے بیٹے مسطح بن اثاثہ، سویبط بن سعد عبدری، طلیب بن عمیر اور خباب' مولیٰ عتبد بن خزوان، بنی عجلان کے گھر قباء میں اترے۔ عبدالرحمان بن عوف اور کچھ دوسرے مہاجرین، سعد بن ربیع خزرجی کے گھر ٹھہرے، زبیر بن عوام اور ابوسبرہ بن ابی رھم، منذر بن محمد بن عقبہ کے ہاں ٹھہرے۔ مصعب بن عمیر، سعد بن معاذ اشہلی کے گھر فروکش ہوئے۔ ابوحذیفہ بن عتبہ، ان کے آزاد کردہ غلام سالم (یہ سالم دراصل ثبیتہ بنت یعار کے غلام تھے، اس نے ان کو آزاد کر دیا تو انہوں نے ابوحذیفہ بن عتبہ کے پاس رہنا شروع کر دیا، نیز ابوحذیفہ نے ان کو اپنا متبنیٰ بنالیا تو یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ ثبیتہ بنت یعار ابوحذیفہ کی بیوی تھی۔ اس نے سالم کو آزاد کر دیا، تو لوگ ان کو سالم مولیٰ ابی حذیفہ کہنے لگے) عتبہ بن غزوان عباد بن بشر اشہلی کے گھر اُترے اور حضرت عثمان بن عفان، اسد بن ثابت (حسان بن ثابت کے بھائی) کے گھر بنونجار میں ٹھہرے، یہی وجہ ہے کہ حسان کو حضرت عثمان سے بڑی محبت تھی، ان کے قتل پر روئے اور ان کے فراق میں دلدوز مرثیے کہے۔''

رسول اللہ کی ہجرت:

جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حمایتی اور دوست، دوسرے قبیلوں سے اور دوسرے شہر میں پیدا ہو گئے ہیں، اور آپ کے صحابی نہ صرف خود ہجرت کر کے وہاں جا رہے ہیں، بلکہ اپنے بال بچوں اور مال واسباب کو بھی اوس اور خزرج کی طرف منتقل کر رہے ہیں، تو انہوں نے معلوم کیا کہ مسلمانوں کو محفوظ جگہ مل گئی ہے، اور ان کو پناہ دینے والے اوس اور خزرج جنگ آزمودہ، مسلح اور صاحب ہمت ہیں۔ اب انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن سے جا ملیں گے، اور اُن کا مقصد جنگ کے بغیر اور کچھ نہیں، اس لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آخری فیصلہ کرنے کے لیے کمیٹی گھر میں جمع ہوئے اور تاکید کر دی کہ کوئی عقلمند اور سمجھدار آدمی، جو مشورہ دینے کی اہلیت رکھتا ہے، پیچھے نہ رہے۔

Marfat.com

ابن اسحاق، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''جب وہ وقت مقررہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے دارالندوہ میں جمع ہوئے تو شیطان بھی ایک بارُعب اور تجربہ کار بزرگ کی شکل میں قیمتی لباس زیب تن کیے، دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ جب انہوں نے اس کو اس طرح دروازہ میں کھڑا دیکھا تو پوچھا: کون بزرگ ہیں؟'' اس نے کہا ''میں نجد کا رہنے والا ہوں۔ میں نے سُنا ہے کہ آپ لوگوں نے آج کوئی اہم فیصلہ کرنے کے لیے اجلاس طلب کیا ہے، میں اس اجلاس کی کارروائی سننا چاہتا ہوں، ممکن ہے میں آپ کو کوئی صحیح مشورہ دے سکوں۔'' سب بولے: ''ٹھیک ہے، تشریف لے آیئے۔'' چنانچہ وہ اندر آیا اور ان کے ساتھ میٹنگ میں شریک ہو گیا۔ اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو قریش کے سردار ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''محمد نے جو کچھ کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے، خدا کی قسم! اس کا ارادہ اغیار کے تعاون سے ہم پر حملہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اب پانی سر سے گزر گیا ہے، اس کے متعلق حتمی اور آخری فیصلہ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا۔ اس لیے اپنی اپنی تجویز پیش کرو کہ آخر اس کا حل کیا ہے؟'' ایک آواز آئی کہ ''اس کو ہتھکڑی پہنا کر اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر کال کوٹھڑی میں قید کر دو۔ جس طرح دوسرے، زہیر اور نابغہ جیسے شاعر مر گئے ہیں، اس کی موت کا انتظار کرو۔'' شیخ نجدی نے کہا: ''یہ کوئی معقول تجویز نہیں، اس کے ساتھیوں کو پتہ چلے گا' تو عین ممکن ہے وہ تم پر حملہ کر کے اس کو چھین لے جائیں۔ پھر کسی مناسب وقت پر جوابی حملہ کر کے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ میری رائے میں تمہاری یہ تجویز معقول تجویز نہیں، کوئی اور تجویز پیش کرو۔'' دوسرا سردار بولا: ''اس کو جلاوطن کر دو۔ جب ہم اس کو ملک بدر کر دیں گے' تو ہماری بلا سے جہاں چاہے جائے، ہم روز روز کی مصیبت سے نجات پا لیں گے اور باہمی اختلاف دور کر کے پہلی سی پُرامن زندگی بسر کرنے لگیں گے۔ شیخ نجدی بولا: ''خدا کی قسم! پہلی تجویز کی طرح یہ تجویز بھی کوئی معقول تجویز نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت اور شیریں کلامی تم جانتے ہی ہو، وہ باتوں باتوں میں دوسروں کے دل موہ لیتا ہے، جہاں جائے گا میٹھی میٹھی باتوں سے وہاں کے لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لے گا، پھر اُن کو ساتھ لے کر تم سے اقتدار چھین لے گا اور پھر تمہارے ساتھ وہ سلوک کرے گا جو اس کا دل چاہے گا۔ کوئی اور تدبیر سوچو؟'' اس پر ابوجہل بولا: ''میرے دماغ میں ایک تجویز آئی ہے، جو ابھی تک تمہارے دماغوں میں نہیں آئی۔'' سب نے چونکنے ہو کر پوچھا: ''ابوالحکم! وہ کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ سے ایک ایک بدن کا مضبوط، ارادہ کا پکا اور تلوار کا دھنی نوجوان لیں۔ پھر ہر ایک کو قاطع تلوار دے کر حکم دیں کہ وہ یکبارگی حملہ کر کے اس کو قتل کر دیں، اس طرح اس کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور بنوعبد مناف اپنی ساری قوم سے لڑ نہیں سکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ وہ دیت کا مطالبہ کریں گے، جسے ہم آسانی سے ادا کر دیں گے۔'' یہ سن کر شیخ نجدی چلا اٹھا:

Marfat.com

بس !بس !! یہی معقول تجویز ہے اس کے علاوہ تمہاری مصیبت کا اور کوئی حل نہیں۔'' چنانچہ یہ تجویز بالاتفاق پاس ہوگئی۔ جلسہ برخاست ہوا اور سب نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ اس وقت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا: ''آج رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہ سوئیں۔'' اور کفار کے منصوبہ سے آگاہ کیا۔ عشاء کے وقت طے شدہ پروگرام کے مطابق تمام قبائل کے نوجوان مسلح ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر جمع ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپ سو جائیں تو آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ جب آپ نے دیکھا تو حضرت علی کو حکم دیا: آج رات تم میرے بستر پر لیٹو! اور میری سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور بے فکر رہو! تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت یہی چادر اوڑھ کر سوتے تھے۔

ابن اسحاق محمد بن کعب قرظی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ قریش کے سب نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر جمع ہوئے، ان میں ابوجہل بھی تھا۔ وہ کہنے لگا:

''محمد کہتا ہے کہ اگر تم اس کا دین قبول کرلو گے، تو عرب وعجم کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ پھر مرنے کے بعد اُٹھو گے، تو تمہیں اُردن کے باغوں جیسے باغات ملیں گے اور اگر یہ نہ کرو گے تو ذبح ہو جاؤ گے، پھر مرنے کے بعد اُٹھو گے، تو آگ میں گرو گے جہاں ہمیشہ جلتے رہو گے۔''

اس نے ابھی اتنی بات کہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے اور مٹی کی مٹھی لے کر کہا:

''ہاں! میں یہ کہتا ہوں، اور تو ان میں سے ایک ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں، اور آپ ﷺ ان کے سروں پر مٹی ڈالتے اور ''سورۃ یٰسین'' کی آیتیں پڑھتے ہوئے نکل گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت سے فارغ ہوئے تو سب حاضرین کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے جہاں جانا تھا چلے گئے اور آپ ﷺ کو جاتے ہوئے کوئی نہیں دیکھ سکا۔

پھر کسی نے ان سے آکر پوچھا:

''تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو۔؟''

وہ بولے:

''محمد کا۔''

اس نے کہا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں ناکام کرے۔ بخدا! محمد تو تمہارے پاس سے نکل گیا ہے اور تم میں سے ہر ایک آدمی کے سر پر مٹی ڈال گیا ہے، اور جہاں جانا تھا چلا گیا ہے، تم اپنے سر پر مٹی نہیں دیکھتے ہو؟''

پھر ہر آدمی نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو سچ مچ اس کے سر میں مٹی تھی۔ پھر اندر دیکھا تو علی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آپ کی چادر میں لپٹے ہوئے پایا۔ کہنے لگے:

Marfat.com

''خدا کی قسم! محمد تو یہ اپنی چادر اوڑھے اپنے بستر پر لیٹا ہے۔''

پھر وہ بدستور صبح تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے۔ جب صبح کے وقت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے تو کہنے لگے:

''خدا کی قسم! اس کہنے والے نے سچ کہا تھا۔''

ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر جمع ہونے والے یہ لوگ تھے:

''ابوجہل حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی، ابولہب، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، ربیعہ بن اسود، نضر بن حارث اور نبیہ اور منبہ، حجاج کے بیٹے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جس کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے کہ اس رات جس کو کنکر لگا تھا، وہ بحالت کفر جنگ بدر میں قتل ہوا۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس رات اس مقصد کے لیے جو لوگ جمع ہوئے تھے، ان کے متعلق یہ آیت اتری:

((واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك))

''اور اس وقت کو یاد کریں، جب کفار آپ کے متعلق تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں، یا آپ کو قتل کر دیں، یا آپ کو ملک سے نکال دیں۔''

اور یہ آیت بھی اتری:

((ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون))

''بلکہ کہتے ہیں: یہ شاعر ہے۔ ہم اس کی موت کا انتظار کرتے ہیں۔''

صحیح بخاری میں روایت ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: مجھے تمہاری ہجرت کا مقام دکھا دیا گیا ہے۔ میں نے ایک کھاری زمین دیکھی ہے۔ جہاں کھجور کے درخت ہیں اور وہ دو پتھریلے میدانوں کے درمیان پڑتی ہے (مدینہ منورہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار کر دیا تو جن مسلمانوں نے ہجرت کرنی چاہی وہ مدینہ ہی ہجرت کر کے چلے گئے، بلکہ بعض وہ صحابہ بھی جو حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے، مدینہ آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کی تیاریاں کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جلدی نہ کرو! امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے گی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میرے باپ آپ پر فدا ہوں! کیا آپ کو اس کی توقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے تاکہ آپ کے ساتھ ہجرت کریں، ان کے پاس دو اونٹ تھے۔ انہیں چار مہینے تک سمر کے پتے کھلاتے رہے۔''

Marfat.com

((عن علی قال جاء جبریل علیه السّلام الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال لهٗ من یهاجر معی؟ فقال ابوبکر وهو الصدیق، اخرجه ابن السمان فی الموافقة))

''حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو فرمایا کہ ہجرت میں میرے ساتھ کون ہوگا؟ تو اُنہوں نے کہا: ابوبکر ہوگا، جس کا لقب صدیق ہے۔'' (ابن سمان فی موافقہ)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حج کے بعد باقی ذی الحجہ اور محرم اور صفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے، پھر مشرکینِ قریش نے جب یہ گمان کرلیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے چلے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مدینہ میں ٹھکانہ اور حفاظت کی جگہ بنا دی ہے اور انصار کا اسلام لانا بھی اہل مکہ کو اور نیز مہاجرین کا ان کی طرف پہنچ جانا جب معلوم ہوگیا تو انہوں نے بالاتفاق یہ سازش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہیں بحالتِ اقامت گرفتار کرلیں۔ اس کے بعد آپ کو قتل کردیں یا قید یا شہر بدر کردیں یا باندھ کر رکھیں۔ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس سازش کی خبر دی:

((وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ))

''اور جب کفار آپ کے بارے میں مکر کررہے تھے کہ آپ کو قید کردیں یا قتل کردیں یا نکال دیں اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرمارہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔'' (سورۃ الانفال، رکوع نمبر۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس دن یہ اطلاع دی جس دن کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان میں آئے کہ کفار آج رات آپ پر شبخون ماریں گے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت علی بن ابی طالب آپ کے بستر پر چپکے سے جا کر سو گئے اور آپ دونوں ہجرت فرما کر غارِ ثور کی جانب چل دیئے۔ مشرکینِ قریش نے ساری رات اسی شش و پنج میں گزاری کہ بستر پر سوئے ہوئے کو داب لیں اور باندھ لیں۔ ان میں صبح تک یہی طے نہ ہوسکا' جب صبح ہوئی تو حضرت علی بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ حضرت علی نے یہی کہا کہ مجھے کوئی علم نہیں۔ اس وقت ان لوگوں کو پتہ چلا کہ حضور علیہ السلام جا چکے ہیں تو وہ گھوڑوں پر سوار ہوکر چاروں طرف آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور پانی کے تمام چشموں پر آدمی بھیجے' ان کو آپ کی گرفتاری کا حکم دیا اور بڑے انعام ان کے لئے مقرر کئے، یہ لوگ

Marfat.com

اس غار پر بھی پہنچے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر تشریف فرما تھے، اس غار کے اوپر بھی چڑھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی آوازیں سنیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق پر خوف و رنج طاری ہو گیا کہ اللہ نہ کرے کفار نے اندر جھانک کر ہمیں دیکھ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((لا تحزن ان اللّٰہ معنا))

''تم رنجیدہ نہ ہو۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غار میں داخل ہونے کے بعد اللہ کے حکم سے غار کے دہانے پر ایک کبوتری نے انڈے دے دیئے اور مکڑی نے جالا تن دیا تھا جسے دیکھ کر اس غار میں کسی کے داخل ہونے کا امکان بھی ختم ہو جاتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''ہجرت سے ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتی ہوئی حاضر ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: میری لخت جگر کیوں رو رہی ہو؟ کہنے لگی: ابا جان! میں کیسے نہ روؤں کہ یہ قریش کے سردار لات و منات کی قسم کھا چکے ہیں کہ موقع پا کر آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ ہر ایک نے اس میں حصہ ڈالنے کو کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لئے پانی لایئے۔ پانی لایا گیا، آپ نے وضو فرمایا اور مسجد کی طرف نکلے۔ آپ کو دیکھ کر کفار نے کہا: وہ دیکھو وہ ہے۔ یہ کہتے ہی ان کے سر نیچے جھک گئے اور اپنی آنکھوں کو اوپر نہ اٹھا سکے۔ آپ نے مٹی سے مٹھی بھری اور ان کے سروں پر ڈالی اور فرمایا: ''شاھتِ الوجوہ'' (چہروں پر پھٹکار ہو) اس مٹی کے اثرات جس جس پر پڑے وہ سب کے سب بدر میں مارے گئے۔''

امام حاکم اپنی مستدرک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے ہمراہ غارِ ثور کی طرف چلے تو راستہ میں حضرت ابوبکر کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں طرف، کبھی بائیں طرف، کبھی آگے اور کبھی پیچھے چلتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''ابوبکر! کیا بات ہے، پہلے تو آپ نے اس طرح کبھی نہیں کیا۔؟''

انہوں نے جواب دیا:

''یا رسول اللہ! اس خیال سے کہ آگے دشمن نہ ہو، میں آپ کے آگے ہو جاتا ہوں اور یہ سمجھ کر کہ پیچھے سے دشمن نہ آ جائے میں آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں اور ایسے ہی کبھی آپ کے دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں۔ آپ پر خطرے کے پیشِ نظر ایسا کرتا ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوبکر! اگر کوئی خطرہ ہو تو آپ چاہتے ہیں کہ میری بجائے آپ اس سے دوچار ہوں؟''

Marfat.com

بولے:

''ہاں! اس اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔''

تفسیر درّ منثور میں ہے کہ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں کے اگلے حصہ پر چلتے تھے، تاکہ پورے پاؤں کا نشان دیکھ کر دشمن پیچھا نہ کریں۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پھِل گئے اور چلنے سے عاجز آ گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کندھوں پر اٹھالیا اور اسی طرح بھاگتے بھاگتے غارِ ثور پر جا پہنچے۔ پھر عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ باہر ٹھہریئے، مجھے اندر جانے دیجئے۔ اگر اس میں کوئی سانپ وغیرہ موذی چیز ہوئی تو آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اچھا اندر جایئے!''

چنانچہ ابوبکر اندر جا کر غارِ ثور کو اپنے ہاتھ سے ٹٹولتے، اگر کوئی بل دیکھتے تو اپنا کپڑا پھاڑ کر اس میں ٹھونس دیتے۔ اس طرح کرتے کرتے ان کا سارا کپڑا ختم ہو گیا۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا تو اس میں انہوں نے ایڑی رکھ دی، تاکہ اس سے کوئی چیز نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس غار میں سانپ اور بچھو وغیرہ بکثرت تھے۔ ان انتظامات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں داخل ہوئے۔

ادھر جب غار میں موجود سانپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی سوراخ پر ہونے کی وجہ سے باہر نکلنے کا راستہ بند پایا تو آپ رضی اللہ عنہ کی ایڑی پر ڈسنے لگا اور اس کا زہر آپ کے وجود میں سرایت کرتا چلا گیا۔ جب تکلیف زیادہ ہو گئی تو آپ کی آنکھیں درد کی شدت سے چھلک اٹھیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ٹپکے تو آنکھ کھل گئی۔ دریافت فرمایا:

''ابوبکر! کیا ہوا؟''

عرض کیا:

''حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! سانپ نے ڈس لیا ہے اور درد نے بے قرار کر رکھا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اٹھ بیٹھے اور ابوبکر صدیق کی ایڑی پر جس جگہ سانپ نے ڈسا تھا، اپنا لعابِ دہن لگایا، جس کی مبارک تاثیر سے سانپ کے زہر کا اثر جاتا رہا۔

غار میں قیام کے دوران قریش کی ایک مسلح جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتی ہوئی غار کے دھانے پر آ پہنچی جس کے قریب ہی ایک گڈریا اپنا ریوڑ چرا رہا تھا۔ انہوں نے چرواہے سے اس بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا:

''ممکن ہے اس غار میں ہوں لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے کسی فرد کو نہیں دیکھا۔''

Marfat.com

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو گوش برآواز ہی تھے، چرواہے کا جواب سن کر پسینہ پسینہ ہو گئے۔ خوف سے دم گھٹنے لگا اور اللہ پر معاملہ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں قریشی نوجوان غار کے قریب آ پہنچے مگر وہ غار کے اندر جھانکے بغیر واپس لوٹ گئے۔ ان کے ساتھیوں نے پوچھا:

''غار کے قریب پہنچ کر بھی تم نے اس کے اندر نہیں جھانکا؟''

انہوں نے جواب دیا:

''ہم کیسے جھانکتے جب کہ غار کے منہ پر مکڑی نے محمد کی پیدائش سے پہلے کا جالا تنا ہوا ہے۔ غار کے دہانے پر دو جنگلی کبوتروں نے اپنا آشیانہ بنا رکھا ہے، دہانے کے اندرونی حصہ میں ہر طرف خشک گھاس پھیلی پڑی ہے، ان علامات سے ہم نے سمجھا کہ غار کے اندر کوئی فرد نہ ہوگا اور ہم اندر جھانکے بغیر واپس چلے آئے۔''

اس اضطراب و کشمکش کے دوران بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون میں ساعت بساعت اضافہ ہوتا گیا۔ آپ نے نماز اور دعا سے اپنی توجہ ہٹنے نہ دی مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے خوف سے اس قدر نڈھال تھے کہ انہوں نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کر دیا، اگر حملہ ہو تو ان پر زد آ جائے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہ ہو۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کان میں آہستہ سے فرمایا:

((لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا))

''غم نہ کر! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔!'' (توبہ: ۴۰)

یہ واقعہ حدیث کی بعض کتابوں میں اس طرح مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھوجیوں کی سن گن پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی آہستہ آواز میں عرض کیا:

''یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے نیچے کی طرف جھانکا تو وہ ہمیں دیکھ نہ لے گا۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر! گھبرائیے نہیں، ہم دونوں کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔''

قریش نے جب دیکھا کہ غار کے دھانے پر درخت کی شاخیں اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ انہیں کاٹنے کے بغیر غار کے اندر جانا محال ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ اندر کوئی فرد نہیں پہنچا۔ وہ جدھر سے آئے تھے الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ حضرت ابوبکر نے ان کے لوٹنے کی آہٹ سنی تو اللہ اور اس کے رسول پر ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند الحمد للہ، اللہ اکبر پکارا۔

کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں آپس میں بات چیت کی اور حضرت عمر کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی۔ جب یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے کہا:

''اللہ کی قسم! ایک رات ابوبکر کی خاندانِ عمر سے بہتر ہے اور حضرت ابوبکر کا ایک دن خاندانِ عمر سے

Marfat.com

بہتر ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دودھ والی اونٹنی تھی جس کا دودھ شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر غار میں پیتے اور پھر حضرت ابوبکر کے اہل وعیال جو مکہ میں تھے وہ پیتے تھے، حضرت ابوبکر نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو جو نہایت دیانت دار اور سچے پکے مسلمان تھے اس کام کے لئے بھیجا کہ وہ ایک رہبر اجرت پر لیں۔ انہوں نے ایک آدمی بنی عبد بن عدی میں سے اُجرت پر لیا جس کا نام ابن اریقط تھا۔ یہ قبیلۂ عدد یہ میں سے تھا، قریش میں سے یہ بنی سہم بن وائل کا حلیف تھا اور ابھی تک مشرک تھا اور راستہ بتانے کا کام کرتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق چند رات اسی غار میں رہے۔ عبداللہ بن ابوبکر شام کے وقت مکہ کی ساری خبریں لاتے، حضرت عامر بن فہیرہ ہر رات بکریاں لاتے دودھ دوہ کر پلاتے اور اگر ذبح کرنے کی ضرورت ہوتی تو بکری ذبح کی جاتی اور صبح ہی صبح یہاں سے چل دیتے اور لوگوں کے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتے اور کسی کو اس بات کی خبر نہ ہوتی۔ جب مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شور وغل بند ہو گیا (جس کا ان دنوں کافی چرچا تھا) اور آپ کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب لوگوں میں کوئی چرچا نہیں رہا تو عامر بن فہیرہ دو اونٹنیاں لے کر حاضر ہوئے۔ یہ حضرات غار میں دو دن اور دو رات ٹھہرے تھے، یہ دونوں حضرات وہاں سے چل دیئے اور ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ ان دونوں حضرات کی خدمت اور اعانت کرتے ہوئے چلے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے عامر بن فہیرہ کو بٹھا لیا۔ ان دونوں حضرات کے ساتھ سوائے عامر اور اُس رہبر کے کوئی نہ تھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد عازب سے حضرت ابوبکر صدیق نے ایک زین تیرہ درہم میں خریدی اور حضرت عازب سے کہا:

''اپنے بیٹے براء سے کہہ دیجئے کہ اسے میرے گھر پہنچا آئے۔''

حضرت عازب نے کہا:

''تب تک نہ کہوں گا جب تک کہ آپ وہ نہ سنا دیں کہ آپ نے کیا کیا تھا جب آپ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تھے؟''

حضرت ابوبکر نے فرمایا:

''ہم اندھیرے ہی اندھیرے میں تیز قدمی کے ساتھ (غار سے) چل دیئے۔ سارا دن اور ساری رات اور بھری دوپہر تک چلتے رہے، میں نے اپنی نظر اٹھا کر دیکھا کہ کہیں سایہ ہو تو اس کے نیچے آرام کر لیں۔ مجھے ایک بہت بڑا پتھر دکھائی دیا' میں اُس پتھر کے قریب پہنچا تو اس کے نیچے تھوڑا سا سایہ نظر آیا، اس جگہ کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برابر کر دیا اور اپنا پوستین آپ کے لئے اس پر بچھا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ذرا آرام کر لیجئے۔ آپ لیٹ گئے۔ میں باہر نکل کر دیکھ رہا تھا کہ کوئی ہماری طلب میں تو نہیں آ رہا ہے؟ میری نظر ایک چرواہے پر پڑی۔ میں نے اس سے پوچھا: تم کس کے چرواہے ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام بتایا جس کو میں جانتا تھا۔

Marfat.com

میں نے اس سے پوچھا: تیری بکریوں میں دودھ بھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے اس سے کہا: کیا تم میرے لئے دودھ دوہ دو گے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا: دوہ دو۔ اس نے ایک بکری کے پیر باندھے، میں نے اُس سے کہا: ذرا اس کے تھن صاف کر لے۔ اس نے اس کے تھن صاف کیے۔ پھر میں نے (ہاتھ صاف کرنے کو) کہا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھ بھی صاف کئے۔ میرے پاس ایک برتن تھا جس پر میں نے کپڑا باندھ رکھا تھا اس نے میرے لئے تھوڑا سا دودھ دوہا۔ میں نے اس میں پانی ملایا تو اس کے نیچے تک کا حصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس کو لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بیدار ہو چکے تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لیجئے پیجئے۔ آپ نے اتنی مقدار میں پی لیا جس سے میں خوش ہوا۔ پھر میں نے عرض کیا: چلنے کا وقت آ گیا ہے۔ ہم چل دیئے اور قوم ہماری تلاش میں تھی۔ ان میں سے سوائے سُراقہ بن مالک کے کوئی ہم تک نہ پہنچا۔ یہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آدمی ہماری طلب میں آ پہنچا۔ آپ نے فرمایا: کوئی غم کی بات نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ جب وہ ہمارے اتنے قریب پہنچا کہ ایک یا دو یا تین نیزہ کا فاصلہ رہ گیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تلاش کرنے والا تو آ پہنچا اور (یہ کہہ کر) میں رو دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اپنی جان کے ڈر سے نہیں روتا ہوں میں تو آپ کی وجہ سے روتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوار کے لئے بد دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! اس کو ہم سے جس طرح تُو چاہے روک لے! سوار کے گھوڑے کے پَیر پیٹ تک سخت زمین میں دھنس گئے اور وہ سوار گھوڑے پر سے کودا اور اس سوار نے کہا: اے محمد! میں جانتا ہوں یہ تمہارا کام ہے۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے۔ پس اللہ کی قسم! جو لوگ آپ کی طلب میں میرے پیچھے آ رہے ہیں ان کو میں واپس کر دوں گا اور یہ میرا ترکش ہے اس میں سے ایک تیر لے لیجئے، آپ کا گزر میرے اونٹوں اور بکریوں پر فلاں موضع میں ہو گا یہ تیر دکھا کر جتنی ضرورت ہو آپ ان لوگوں سے لے لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس کے لئے دعا کی۔ اس کے گھوڑے نے رہائی پائی (بعض روایات میں ہے کہ سراقہ نے تین مرتبہ وعدہ کیا اور تینوں مرتبہ وعدہ خلافی کی اور بالآخر وہ جان گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی جا رہی ہے) یہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلتا رہا، یہاں تک کہ ہم مدینہ پہنچ گئے۔ لوگوں نے استقبال کیا' راستوں میں اور چھتوں پر انصار اور ان کے خدام اور بچوں کا مجمع تھا، وہ کہہ رہے تھے: اللہ اکبر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اس کے بعد انصار میں آپس میں اس بات پر نزاع ہونے لگی کہ آپ کس کے یہاں تشریف لے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا: آج رات تو میں عبدالمطلب کے ماموں بنی نجار کے یہاں ٹھہروں گا، تاکہ انہیں میرے ٹھہرنے سے شرافت حاصل ہو، (چنانچہ آپ وہیں ٹھہرے) صبح کو آپ وہیں تشریف لے گئے جہاں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔

مروی ہے کہ غار سے نکل کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا راستہ لیا تو راستہ میں اُم معبد کے خیمہ پر گزر ہوا۔ اُم معبد ایک نہایت شریف اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ خیمہ کے دالان میں بیٹھی رہتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جو خیمہ پر پڑی تو خیمہ کی ایک جانب ایک بکری دیکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا، تو اُم معبد نے کہا:

''یہ بکری لاغر اور دبلی ہونے کی وجہ سے بکریوں کے گلہ کے ساتھ جنگل نہیں جاسکی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس میں کچھ دودھ ہے۔''

حضرت ام معبد نے کہا:

''اس میں کہاں سے دودھ آیا۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا مجھ کو اس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے۔؟''

ام معبد نے کہا:

''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! اگر اس میں دودھ ہو تو آپ ضرور دوہ لیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن پر دستِ مبارک رکھا۔ تھن دودھ سے بھر گئے اور آپ نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ ایک بڑا برتن جس سے آٹھ دس آدمی سیراب ہو جائیں دودھ سے بھر گیا۔ اوّل آپ نے ام معبد کو دودھ پلایا۔ یہاں تک کہ ام معبد سیراب ہو گئیں۔ بعدازاں آپ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا اور اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔ اس کے بعد آپ نے پھر دودھ دوہا، یہاں تک کہ وہ بڑا برتن بھر گیا۔ آپ نے وہ برتن ام معبد کو عطا کیا اور ام معبد کو بیعت کر کے روانہ ہوئے۔ جب شام ہوئی اور ام معبد کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر جنگل سے واپس آئے اور دیکھا کہ ایک بڑا برتن دودھ سے بھرا رکھا ہے تو بہت تعجب سے دریافت کیا:

''اے ام معبد! یہ دودھ کہاں سے آیا۔؟ اس بکری میں تو کہیں دودھ کا نام نہیں تھا۔''

ام معبد نے کہا:

''آج یہاں سے ایک مرد مبارک گزرا۔ اللہ کی قسم! یہ سب اسی کی برکت ہے۔''

پھر ام معبد نے تمام واقعہ بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا:

''ذرا ان کا کچھ حال تو بیان کرو۔''

ام معبد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک اور خداداد عظمت و جلال، ہیبت و وقار کا نقشہ

Marfat.com

کھینچ دیا جو بالتفصیل مستدرک (حاکم) میں مذکور ہے۔

ابومعبد نے کہا:

''میں سمجھ گیا۔ واللہ! یہ وہی قریش والے آدمی ہیں۔ میں بھی ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔''

ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا اور ادھر ہاتف غیبی نے مکہ میں یہ اشعار پڑھے۔ آواز تو سنائی دیتی تھی مگر اشعار کا پڑھنے والا نظر نہیں آتا تھا۔ وہ اشعار یہ ہیں:

جَزَی اللّٰہُ رَبُّ النَّاسِ خَیْرَ جَزَائِہٖ
رَفِیْقَیْنِ حَلَّا خَیْمَتَیْ اُمِّ مَعْبَدِ

''اللہ تعالیٰ ان دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں اترے۔''

ھُمَا نَزَلَاھَا بِالْھُدٰی فَاھْتَدَتْ بِہٖ
فَقَدْ فَازَ مَنْ اَمْسٰی رَفِیْقَ مُحَمَّدِ

''دونوں ہدایت کو لے کر اترے۔ پس ام معبد نے ہدایت قبول کی اور مراد کو پہنچا جو شخص محمد کا اس سفر میں رفیق رہا۔ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ۔''

لِیَھْنَ اَبَابَکْرٍ سَعَادَۃُ جَدِّہٖ
بِصُحْبَتِہٖ مَنْ یُّسْعِدِ اللّٰہُ یَسْعَدِ

''ابوبکر کو آپ کی صحبت اور رفاقت کی وجہ سے جو سعادت اور خوش نصیبی حاصل ہوئی وہ ابوبکر کو مبارک ہو اور جس کو اللہ خوش نصیب کرے وہ ضرور خوش نصیب ہوگا۔''

لِیَھْنَ بنی کعب مقام فتاتھم
ومقعدھا للمومنین بمرصد

''مبارک ہو بنی کعب کو ان کی عورت کا مقام اور اہل ایمان کے لیے اُس کا ٹھکانہ کا کام آنا۔''

سَلُوْا اُخْتَکُمْ عَنْ شَاتِھَا وَاِنَائِھَا
فَاِنَّکُمْ اِنْ تَسْاَلُوْا الشَّاۃَ تَشْھَدِ

''تم اپنی بہن سے اس کی بکری اور برتن کا حال تو دریافت کرو۔ اگر تم بکری سے بھی دریافت کرو گے تو بکری بھی گواہی دے گی۔''

دعاھا بشاۃ حائل فتحلبت
علیہ صریحا ضرۃ الشاۃ مزبد

''آپ نے اس سے ایک بکری مانگی۔ پس اس نے اس قدر دودھ دیا کہ کف سے بھرا ہوا تھا۔''

فَغَادَرَھَا رَھْنًا لدیھا لحالب

Marfat.com

یـردھـا فـی مـصـدر ثـم مَوْرِدِ

''پھر وہ بکری آپ اسی کے پاس چھوڑ آئے جو ہر آنے اور جانے والے کے لئے دودھ نچوڑتی تھی۔''

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب ہاتف کے یہ اشعار پہنچے تو حسان نے اس کے جواب میں یہ اشعار فرمائے:

لَقَدْ خَابَ قَوْمٌ غَابَ عَنْهُمْ بَيْتَهُمْ
وَقُدِّسَ مَنْ يَسْرِی اليـه ويغتدی

''البتہ خائب و خاسر ہوئے وہ لوگ جن میں سے ان کا پیغمبر چلا گیا یعنی قریش، اور پاک اور مقدس ہو گئے وہ لوگ کہ جو صبح و شام اس نبی کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یعنی انصار۔''

تَرَحَّلَ عَنْ قَوْمٍ فَضَلَّتْ عُقُوْلُهُمْ
وَحَلَّ عَلٰی قَوْمٍ بِنُوْرٍ مُجَدَّدِ

''اس نبی نے ایک قوم سے کوچ کیا ان کی عقلیں تو ضائع ہو گئیں اور ایک دوسری قوم پر اللہ کا ایک نیا نور لے کر اُترے۔''

هَدَاهُمْ بِهٖ بَعْدَ الضَّلَالَةِ رَبُّهُمْ
فَاَرْشَدَهُمْ مَنْ يَتْبَعِ الْحَقَّ يَرْشُدِ

''اللہ نے گمراہی کے بعد اس نور سے ان کی رہنمائی کی اور جو حق کا اتباع کرے گا وہ ہدایت پائے گا۔''

وهـل يستوی ضـلال قـوم تَسَفَّهُوْا
عَمًی وهـدًی يهتدون بِمُهْتَدِ

''اور کیا گمراہ اور ہدایت پانے والے برابر ہو سکتے ہیں؟''

وقـد نَزَلَتْ منـه عَلٰی اَهْل يثرب
رِكَابُ هُدًی حَلَّتْ عَليهم بَاسْعُدِ

''اور اہل یثرب (مدینہ) پر ہدایت کا قافلہ سعادتوں اور برکتوں کو لے کر اترا ہے۔''

نبیٌّ يـری مـالا يـرالناسُ حَوْلَهٗ
ويتـلـو كتـابَ اللّٰـهِ فـی كُلِّ مَشْهَدِ

''وہ نبی ہیں ان کو وہ چیزیں نظر آتی ہیں کہ جو ان کے پاس بیٹھنے والوں کو نظر نہیں آتیں اور وہ ہر مجلس میں لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔''

وان قَـالَ فـی يـومٍ مقـالة غـائـب

Marfat.com

فتصدیقها فی الیوم او فی ضُحَی الْغَدِ

''اور اگر وہ کوئی غیب کی خبر سناتے ہیں تو آج ہی یا کل صبح تک اس کا صدق اور اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے۔''

یہ روایت متعدد صحابہ کرام سے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ مشہور ترین راوی یہ ہیں:

1: حضرت ام معبد۔ 2: حضرت ابو معبد۔
3: حضرت حبیش بن خالد۔ یعنی ام معبد کے بھائی۔ 4: حضرت ابو سلیط بدری۔
5: حضرت ہشام بن حبیش بن خالد۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ملک شام سے تجارت کر کے واپس آ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور حضرت ابو بکر) سے ملاقات ہوئی۔ حضرت زبیر نے ان دونوں حضرات کو سفید کپڑے پہنائے۔ مدینہ کے مسلمانوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے نکلنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ ہر صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے حرّہ تک آتے اور آپ کا انتظار کرتے اور جب دوپہر ہو جاتی تو واپس چلے جاتے۔ ایک روز آپ کا طویل انتظار کر کے واپس ہوئے۔ جب اپنے مکانوں کے قریب پہنچے تو قلعہ پر سے ایک یہودی نے کسی ضرورت سے جھانکا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا کہ آپ اور آپ کے ایک ساتھی سفید کپڑے پہنے ہوئے چلے آ رہے ہیں اور غبار اُڑنے کی وجہ سے ان منتظرین کو آپ دکھائی نہ دیتے تھے، یہ دیکھ کر یہودی سے نہ رہا گیا اور اس نے بلند آواز سے پکار کر کہا:

''اے عرب کے لوگو! وہ دیکھو! وہ تمہارا مقصود جس کا تم انتظار کر رہے تھے، آ رہا ہے۔''

اہلِ مدینہ نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور آپ کی طرف استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ حرّہ کے کنارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ آپ ان سب کو لے کر حرّہ کی داہنی جانب سے ہوتے ہوئے بنی عمرو بن عوف کے پاس اترے۔

مروی ہے کہ مدینہ کے لوگ نعرہ تکبیر کی آواز سن کر اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، اور آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آپ بڑے سکون سے تشریف فرما تھے۔ آپ پر وحی اُتر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ، جبرائیل، اہل اسلام اور فرشتوں کی مدد آپ کو حاصل تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمرو بن عوف کی بستی قباء میں کلثوم بن ہدم کے گھر اُترے اور بعض کہتے ہیں کہ خارجہ بن زید کے مہمان ہوئے۔ آپ کی ہجرت کے وقت حضرت علی مکہ میں ٹھہر گئے تھے اور لوگوں کی امانتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں تھیں، ان کے مالکوں کے حوالے کر کے وہ بھی مدینہ منورہ میں آ گئے اور چند دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قباء میں قیام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں چودہ دن ٹھہرے۔ مسجد قباء کی بنیاد رکھی اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد یہ پہلی مسجد ہے، جس کی تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی۔ پھر جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

Marfat.com

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے پہلے بنونجار کو بلا بھیجا۔ وہ گلے میں تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضرت انس کہتے ہیں:

''قباء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کا منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے چل رہے تھے، ابوبکر پیچھے آرہے تھے اور بنونجار کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد تھے۔''

راستہ میں جب بنوسالم بن عوف کی بستی میں پہنچے، تو نماز جمعہ کا وقت آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ وہاں اس جگہ پڑھی، جہاں وادی کے وسط میں ایک مسجد بنی ہوئی ہے، جواب تک ''مسجد جمعہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ نماز جمعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوئے، اس کی مہار ڈھیلی چھوڑ دی اور مدینہ کی طرف چل پڑے۔ اونٹنی دائیں بائیں دیکھتی ہوئی چلتی رہی، جب انصار کے کسی محلّہ سے گزرتی تو اہل محلّہ اونٹنی کی مہار پکڑ لیتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں اُترنے کی درخواست کرتے:

''یہاں پناہ کی جگہ ہے، ہتھیار اور سامان حرب موجود ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے کیلئے جانباز حاضر ہیں۔''

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

''اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے، جائے گی۔''

چنانچہ اونٹنی چلتے چلتے اس جگہ پہنچی، جہاں مسجد نبوی تعمیر ہے، وہاں پہنچ کر بیٹھ گئی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اترے نہیں تھے کہ وہ کھڑی ہوگئی، پھر تھوڑی دور ادھر اُدھر چل کر پہلی جگہ آکر بیٹھ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اتر آئے۔ یہ آپ کے ماموں خاندان بنونجار کا محلّہ تھا، اور اونٹنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہاں پہنچی تھی۔ آپ اپنے ماموں خاندان میں اُتر کر ان کی عزت کرنا چاہتے تھے! ورنہ دوسرے قبائل بھی اپنے ہاں آپ سے اترنے کی پیش کش کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹنی سے اُترنے کے بعد ابوایوب جلدی سے آپ کا پالان اپنے گھر لے گئے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

((المرء مع رحله))

''آدمی وہاں اترتا ہے جہاں اس کا پالان ہوتا ہے۔''

اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ آئے اور اونٹنی کی مہار پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اس کے چارہ دانہ کا انتظام اُن کے گھر تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہمارے رشتہ داروں میں کس کا گھر قریب ہے۔؟''

حضرت ابوایوب بولے:

Marfat.com

''یارسول اللہ! میرا گھر قریب ہے، اور یہ میرا دروازہ ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''جاؤ اور آرام کرنے کے لیے جگہ بناؤ۔''

حضرت ابوایوب نے کہا:

''بسم اللہ! آیئے، دونوں صاحب تشریف لایئے۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو وہ پیر کا روز تھا اور ربیع الاول کا مہینہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انصار نے یکے بعد دیگرے آنا شروع کیا اور جس نے ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا تھا وہ حضرت ابوبکر ہی کو سلام کرتا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا مگر لوگوں کے سامنے وضاحت نہ فرمائی) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ پڑی تو حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی چادر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا، اس وقت ان لوگوں کو علم ہوا کہ حضور علیہ السلام یہ ہیں۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں چند لڑکوں کے ہمراہ کھیل رہا تھا۔ لوگ کہنے لگے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے۔''

میں اپنے کھیل کود میں لگا رہا اور میں نے کچھ نہ دیکھا۔ پھر لوگ کہنے لگے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔''

میں نے کچھ نہ دیکھا اور اپنے کھیل میں پھر لگ گیا' اتنے میں حضور اور حضرت ابوبکر تشریف لے آئے تو ہم لوگ مدینہ کے بعض غیر آباد مکانوں میں چھپ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی آدمی کو بھیجا کہ ہم دونوں کے آنے کی اطلاع انصار میں کر دے۔ چنانچہ قریب قریب پانچ سو انصار آپ کے استقبال کے لئے گئے۔ حضرات انصار نے ملاقات کے بعد عرض کیا:

''آپ دونوں حضرات مامون اور محفوظ ہیں اور ہمارے سردار ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق ان استقبال کرنے والوں کے درمیان چل رہے تھے۔ مدینہ کا یہ حال تھا کہ کنواری لڑکیاں بھی مکانوں کی چھتوں پر ایک دوسری سے آگے بڑھ بڑھ کر ان حضرات کو دیکھ رہی تھیں اور آپس میں ایک دوسری سے پوچھ رہی تھیں:

''ان دونوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں؟''

میں نے اس جیسا منظر کبھی نہیں دیکھا۔ یہ منظر یا تو میں نے اس روز دیکھا جس دن آپ مدینہ میں داخل ہوئے اور یا جس روز آپ نے اس دنیا کو الوداع فرمایا۔ اس کے بعد میں نے ایسے دو دن کبھی نہیں دیکھے۔

پہلی بیعت عقبہ 11 بعثت نبوی مطابق 620 عیسوی میں ہوئی، دوسری بیعت دوسرے سال 12 بعثت نبوی میں اور

Marfat.com

تیسری 13 مطابق 622 عیسوی ماہ جون یا آغاز جولائی میں ہوئی۔

یکم ربیع الاول کو رات کے آخر حصہ میں آپ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی۔ تین شب و روز غار ثور میں قیام فرمایا، 4 ربیع الاول کو آخر شب میں یہاں سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے اور 12 ربیع الاول مطابق 24 ستمبر 622 عیسوی کو آپ قبا پہنچے۔

حضرت عمر فاروق نے سن ہجری کا آغاز ربیع الاول سے نہیں کیا بلکہ تین مہینہ پیچھے محرم سے کیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ عرب قدیم زمانہ سے سال کا پہلا مہینہ محرم ہی کو قرار دیتے تھے۔ اس حساب سے سن ہجری یکم جولائی 622 عیسوی سے شروع کی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نعمت عظمیٰ کو جن بدنصیب قریشیوں نے مکہ معظمہ سے نکالا تھا اس نعمت کبریٰ کو مدینہ والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق ہجرت کے ساتھ دوپہر کے وقت قبا کی بستی کے قریب پہنچے اور ایک ٹیلے کے پاس ٹھہر گئے۔ یہاں کھجور کے ایک درخت کا سایہ تھا۔

قبا کے لوگوں کو خبر ہوئی تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے بستی سے باہر آ گئے اور ''نعرۂ تکبیر'' بلند کر کے آپ کا خیر مقدم کیا۔ یہ انصار ہتھیار بند تھے اور محبت کے بے اختیار جذبہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے۔

حضرت علی بھی اسی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

مدینہ میں آپ کا استقبال جس شاہانہ انداز میں ہوا عرب میں اس سے پہلے کبھی کسی کا استقبال نہ ہوا، سارے شہر میں شور مچ رہا تھا، نبی اللہ آ گئے، رسول اللہ تشریف لے آئے، ہر شخص کی زبان پر تھا، چھتوں پر عورتیں جمع تھیں اور یہ گیت گا رہی تھیں۔

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
ما دعی للّٰہ داع
ایھا المبعوث فینا
جئت بالامر المطاع

''ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا وداع کی پہاڑیوں سے۔ ہم پر شکر واجب ہے، جب تک اللہ کی طرف پکارنے والا باقی رہے۔ اے ہمارے ہاں تشریف لانے والے! آپ وہ منصب اور وہ پیغام لے کر آئے ہیں جس کا اتباع واجب ہے۔''

خاندان بنی نجار جہاں آپ ٹھہرے اس کی عورتیں اور لڑکیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا اور محبت میں کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں دف تھا جسے وہ بجا بجا کر یہ شعر گا رہی تھیں۔

نحن جوارٍ من بنی النجار
یا حبذا محمد من جار

''ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں ہمارے حضرت محمد۔''

☆☆☆

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی

نظم ونسق کی ابتداء:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب میں اسلام کا سب سے بڑا مرکز قائم کیا۔ وہ تھوڑے عرصے ہی میں مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور مذہبی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا جس کے سربراہ خود آپ تھے، اسی لیے یثرب کا نام ''مدینۃ النبی'' (نبی کا شہر) پڑ گیا۔ بیعت عقبہ کی رو سے اوس وخزرج نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیشوا، آقا، حاکم اور جج تسلیم کرلیا تھا۔ مہاجروں نے بھی پہلے ہی سے آپ کو اپنا ہادی، رہبر اور قائد مان لیا تھا۔ اس لیے ہجرت کے بعد ہی آپ نے شہر کا انتظام سنبھال لیا اور سیاسی وسماجی مسائل حل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ضروری اقدامات اٹھائے۔ اس وقت مدینے میں چار قسم کے لوگ آباد تھے:

1: یہودی۔ 2: اوس۔ 3: خزرج۔ 4: مہاجرین۔

انتظامی اقدامات:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام طبقوں کو ایک مرکزی قانون کے ماتحت لانے اور شہر میں امن وامان قائم رکھنے کیلئے درج ذیل اقدامات اٹھائے جن کی وجہ سے اسلامی نظام حیات کی تشکیل ہوئی اور وہ ایک اجتماعی زندگی بسر کرنے کا عادی بن گیا:

1: اسلامی مرکز کا قیام۔ 2: مہاجروں کی آبادی۔
3: مدینے میں نظم ونسق اور امن وامان کی بحالی۔ 4: بیرونی حملوں سے مدینے کی حفاظت۔

اسلامی مرکز کا قیام:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی وسیاسی وحدت قائم کرنے اور اجتماعی زندگی گزارنے کا جذبہ ابھارنے کیلئے ایک اسلامی مرکز قائم کیا جو عالمی تاریخ میں ''مسجد نبوی'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مدینے کی اسلامی ریاست کا مرکز اور آپ کی دینی سرگرمیوں کا محور تھا۔ اسلامی درسگاہ اور دارالتبلیغ بھی یہی مسجد تھی۔ یہودیوں اور عیسائیوں سے مذہبی مذاکرات اور مناظرے اسی مسجد میں ہوئے۔ عرب کے گوشے گوشے سے قبیلوں کے وفد آتے تو ان سے آپ نے ملاقات اسی مسجد میں کی۔ کافر حملہ آوروں سے مقابلہ کرنے کے لئے جنگی منصوبے اسی مسجد میں بیٹھ کر بنائے گئے اور اسی کے صحن میں جمع ہوکر مسلمانوں نے آپ کی قیادت میں زندگی کے اہم مسئلوں کا فیصلہ کیا۔

دنیا کے اس عظیم ترین پیغمبر نے اپنے اصحاب کرام کے ساتھ مل کر اس تاریخی مسجد کی تعمیر کی۔ وہ خود مزدوروں کی طرح دن بھر لگے رہتے، مٹی لاتے، پتھر ڈھوتے اور اپنے ساتھیوں کا ہاتھ بٹاتے۔ ان اصحاب کرام کے جذبات کی عکاسی مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے:

لئن قعدنا والنبی یعمل لذالك منا العمل المضلل

Marfat.com

''اگر ہم بیٹھے رہے اور نبی کریم کام کرتے رہے تو ہمارا یہ عمل یقیناً گمراہ کن ہوگا۔''

ان کا عقیدہ تھا کہ آخرت سنور گئی تو حقیقی سکون وعیش میسر ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔اسی لیے وہ کام کرتے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رحم ومغفرت کی دعا مانگتے جاتے تھے۔وہ یہ کلام ایک ساتھ مل کر بار بار دہراتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی آواز سے آواز ملا کر اسے پڑھتے جاتے تھے:

لاعیش الا عیش الاخرة اللھم ارحم الانصار والمھاجرة

اللھم لاعیش الا عیش الاخرة فاغفر الانصار والمھاجرة

''زندگی یقیناً آخرت کی زندگی۔اے اللہ! انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔''

یہ تاریخی مسجد اس زمین پر بنائی گئی جہاں آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔مروی ہے کہ یہ زمین دو یتیم بچوں سہل وسہیل کی ملکیت تھی۔حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ نے اسے خرید کر اسلام کی راہ میں وقف وہبہ کر دیا۔مسجد تیار ہوگئی تو سادگی ونفاست کا شاہکار تھی۔کچی دیواروں سے گھری ہوئی اس مقدس عمارت کی نہ چھت تھی اور نہ ہی پختہ فرش تھا۔البتہ بے گھر، نادار مسلمانوں اور مسافروں کے لئے ایک چبوترہ بنا کر اس پر چھپر ڈال دیا گیا تھا۔اس چبوترے کو ''صفہ'' اور وہاں کے رہنے والوں کو ''اصحاب صفہ'' کہتے ہیں۔مسجد نبوی سے ملحق امہات المومنین کے حجرے تعمیر ہو گئے تو آپ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان سے منتقل ہو کر وہاں چلے گئے۔

عالمی تاریخ میں یہ سب سے پہلی سرکاری قیام گاہ تھی جو دینی مرکز (مسجد) سے ملحق بنائی گئی۔آپ ان حجروں میں سے کسی میں آرام فرماتے یا پھر مسجد نبوی میں ذکر وعبادت میں مشغول رہتے اور دینی مسائل حل کرنے اور شہری دفاع اور نظم و نسق کے کٹھن کاموں میں لگے رہتے تھے۔تحویل قبلہ کے بعد شمال میں آپ نے دروازہ بھی لگوا دیا تھا۔اس وقت روشنی کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔اس لیے نماز عشاء کے وقت گھاس وغیرہ جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی۔اس طرح اپنی ابتدائی ہیئت میں ''مسجد نبوی'' سادگی، نفاست اور طہارت کی انوکھی مثال تھی جس نے دنیا میں تاریخی انقلاب برپا کر دیا اور بہت سی قوموں کو ایک نئے دین کا پیرو بنا کر عالمی سیاست کا نقشہ ہی بدل دیا۔

مہاجروں کی آبادکاری:

تقریباً ڈیڑھ سو مہاجر مکے سے ہجرت کر کے مدینے آ گئے تھے۔ان کی منقولہ املاک تک ظالم کافروں نے چھین لی تھی۔محض اپنی جان لے کر آ سکے تھے، ورنہ ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔اس لیے آپ نے سب سے پہلے انہیں آباد کرنے اور روزگار سے لگانے کا مسئلہ حل کیا۔آپ نے جس خوش اسلوبی سے اس مسئلے کو حل کیا، اس کی مثال عالمی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔جبر وتعدی اور قانون کی آڑ لے کر آپ نے مہاجروں کی پریشانیاں دور نہیں کیں بلکہ انصار کا دل جیت کر اور اخوت و برادری کا جذبہ ابھار کر باہمی رضامندی سے اس مسئلے کو طے کر دیا۔آپ نے ایک نئی قوم، نئی حکومت اور نئی ملت کی تشکیل کی جس کی بنیاد خونی رشتے کے بجائے اخوت وبرادری کے دینی رشتے پر رکھی گئی۔یہ نیا رشتہ نسلی وخاندانی رشتے سے بہت زیادہ گہرا اور دیرپا ثابت ہوا۔

Marfat.com

اسلامی مواخات:

اس دینی برادری کے رشتے کو تاریخ اسلام میں ''مواخات'' کہتے ہیں۔ امام سہیلی کے مطابق آپ نے مہاجرین و انصار میں مواخات کا رشتہ قائم کیا تا کہ ''غربت و مسافرت کی وحشت دور ہو جائے اور خاندان و قبیلے والوں کی جدائی کا خیال ہٹ جائے۔'' مروی ہے کہ تعمیر ''مسجد نبوی'' کے بعد آپ نے حضرت انس بن مالک کے مکان میں مسلمانوں کو جمع کیا اور انصار سے فرمایا کہ مہاجران کے دینی بھائی ہیں اس لیے ان کی امداد کرنا ان کا اخلاقی و دینی فریضہ ہے۔ یہ کہہ کر آپ ایک ایک انصاری اور مہاجر کو بلا کر فرماتے گئے کہ وہ دونوں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ابن اسحاق کے مطابق مواخات کا یہ رشتہ جن انصار و مہاجر میں قائم کیا گیا ان میں سے خاص خاص صحابہ کرام کے نام یہ ہیں:

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکر صدیق۔	حضرت خارجہ بن زہیر۔
حضرت عمر فاروق۔	حضرت عتبان بن زہی۔
حضرت عثمان غنی۔	حضرت اوس بن ثاب۔
حضرت ابوعبیدہ بن جراح۔	حضرت سعد بن معاذ۔
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔	حضرت سعد بن ربیع۔
حضرت زبیر بن عوام۔	حضرت سلمہ بن سلامہ۔
حضرت طلحہ بن عبیداللہ۔	حضرت کعب بن مالک۔
حضرت سعد بن زید۔	حضرت ابی بن کعب۔
حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ۔	حضرت عباد بن بشر۔
حضرت عمار بن یاسر۔	حضرت حذیفہ بن یمان۔
حضرت ابوذر غفاری۔	حضرت متدر بن عمرو۔
حضرت مصعب بن عمیر۔	حضرت ابوایوب انصاری۔
حضرت سلمان فارسی۔	حضرت ابوالدرداء۔
حضرت بلال۔	حضرت ابودیحہ۔

مندرجہ بالا مہاجرین و انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا۔

امام سہیلی اسلامی مواخات کی با مقصد افادیت و اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((اخی رسول الله ﷺ بین اصحابه حین نزلوا بالمدینة لیذهب عنهم وحشة الغربة ویونسهم من مقارقة الاهل والعشیرة ویشداز بعضهم ببعض))

Marfat.com

''مدینے میں تشریف لاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے مابین اخوت کا رشتہ قائم کیا تاکہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو جائے، خاندانوں اور قبیلوں کے مابین مفارقت کے بجائے انسیت کا جذبہ اجاگر ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ دل سے دل ملا کر زندگی گزارنے کا رشتہ مستحکم ہو جائے۔''

''اسلامی مواخات'' نے مدینے کے معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ محض رضائے الٰہی اور خوشنودی رسول کی خاطر انصار اپنے دینی بھائیوں کا خیال اپنے حقیقی بھائیوں سے زیادہ کرنے لگے۔ اسی دینی خدمت سے وہ ثواب اخروی کے حق دار تھے اور وہ ثواب اخروی حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت سعد بن ربیع کی دو بیویاں تھیں۔ انہوں نے اپنے دینی بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ وہ اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں تاکہ وہ ان سے نکاح کر سکیں لیکن انہوں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ انصار دینی بھائیوں کو اپنے اپنے گھر لے گئے اور منقولہ وغیر منقولہ اثاثہ جو کچھ بھی تھا اسے آپس میں برابر سے تقسیم کر لیا۔ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے لیکن ان کے دینی بھائی تاجر پیشہ تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنے باغوں کی پیداوار کا نصف حصہ خوشی خوشی انہیں دے دیا۔ ''معرکہ بدر'' تک توتر کے میں سے بھی متوفی کے دینی بھائی کو حق ملتا تھا۔ یہ سب کچھ انہوں نے احکام الٰہی کی تعمیل میں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

((انما المومنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون))

''مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لیے تم اپنے دونوں بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر اس کی رحمت نازل ہوتی رہے۔''

اس سے زیادہ تشریح کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال کی اس آیت میں وضاحت فرمادی:

((ان الذين امنوا وها جروا و جهدوا باموالهم وانفسهم فى سبيل الله والذين اووا و نصروا اولئك بعضهم اولياء بعض))

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور وہ جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دی اور انہیں امداد دی، یہ سب آپس میں عزیز و رفیق ہیں۔''

اسی سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین و انصار کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ان کے مابین پیدا ہونے والے ''اسلامی مواخات'' کی اہمیت بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا:

''یہی ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے اپنے بھائیوں کو پناہ دی اور امداد بہم پہنچائی۔ یہی دونوں گروہ (انصار و مہاجرین) سچے مومن ہیں۔ ان کو ہی مغفرت ملے گی اور عزت کی حلال روزی (رزق کریم) بھی۔''

Marfat.com

''معرکہ بدر'' کے بعد تر کے سے دینی بھائی کو حصہ ملنا بند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا:

((واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض فى كتب الله))

''اللہ کی کتاب میں رشتے داروں کا حق ایک دوسرے پر زیادہ ہے۔''

اس لیے اب ورثے میں صرف حقیقی رشتے داروں کا حق رہ گیا۔ پھر بھی انصار اپنے دینی بھائیوں کا خیال آخر دم تک کرتے رہے۔ ۴ ہجری میں بنونضیر کے باغوں پر مدینے کی اسلامی حکومت کا قبضہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا:

''وہ اپنے باغ واپس لے لیں۔''

انہوں نے نہایت ہی فراخ دلی سے جواب دیا:

''ان کے باغ بدستور دینی بھائیوں کے پاس رہنے دیئے جائیں اور نئے باغ بھی ان میں تقسیم کر دیئے جائیں۔''

اسی طرح بحرین کی زمین بھی انہوں نے نہیں لی اور اپنے دینی بھائیوں کو دلوا دی۔ مروی ہے کہ ایک مہاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت وہ بہت ہی بھوکے تھے۔ اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت کچھ بھی موجود نہ تھا۔ حضرت ابوطلحہ انہیں اپنے ساتھ لے گئے تو ان کے گھر میں بھی صرف بچوں کا کھانا رکھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے چراغ بجھا دیا اور کھانا مہمان کے آگے رکھ دیا۔ خود ہاتھ ہلاتے رہے تا کہ مہمان سمجھ نہ جائے اور خوب سیر ہو کر اطمینان سے کھانا کھائے۔ یہ تھا جزبہ ایثار و خلوص جو محض اسلام کی برکت سے مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا۔

مہاجروں نے بھی انصار کے خلوص و محبت سے بے جا فائدہ نہیں اٹھایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اپنے دینی بھائی حضرت سعد بن ربیع کی رہبری میں بنوقینقاع کی منڈی گئے اور پنیر کی تجارت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر برکت دی کہ ان کا تجارتی سامان سو سو اونٹوں پر لد کر مختلف علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر نے ''سخ'' میں کپڑے کی دکان کھول لی اور حضرت عثمان کھجوروں کی تجارت کرنے لگے۔ حضرت عمر بیرونی ملکوں (ایران) سے بھی تجارت کرتے تھے۔ اسی طرح دوسرے مہاجروں نے بھی اپنا کاروبار شروع کر دیا اور تھوڑی ہی مدت میں وہ خود کفیل ہو گئے۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے انصار کیساتھ مل کر آپ کی ہدایت و رہنمائی سے نئے نظام کی تشکیل میں پورے جوش و خروش کے ساتھ اہم کردار ادا کیا۔

انصار نے اپنے اپنے دینی بھائیوں کی رہائش کا بندوبست بھی کیا۔ انہیں اپنے مکان میں رکھا یا پھر رہائش کا متبادل انتظام کیا۔ انہوں نے افتادہ زمینیں بھی مہاجروں کو دے دیں۔ حضرت عثمان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبید اللہ اور حضرت مقداد کو مکانات بنانے کیلئے انہوں نے زمینیں دیں۔ اسی طرح حضرت حارثہ بن نعمان نے بھی اپنی زمین رہائش کیلئے اپنے مہاجر بھائیوں کو تقسیم کر دی۔ الغرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی مواخات کا دائمی رشتہ پیدا کر کے مہاجروں کی معاش و رہائش کا بندوبست ہمیشہ کیلئے کر دیا۔ اس طرح آپ نے ان کی آبادکاری کا مسئلہ مکمل طور سے حل کر کے مدینے کی اسلامی ریاست کے استحکام کے لئے نمایاں کارنامہ سرانجام دیا اور اس کی سلامتی و بقاء کیلئے ٹھوس قدم

Marfat.com

اٹھانے کا موقع بھی آپ کو مل گیا۔

مدینے میں امن وامان کی بحالی (میثاق مدینہ):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے ہر باشندے کو قانون کا تابع بنا کر امن وامان بحال کیا، شہریوں کے حقوق و فرائض متعین کیے اور انہیں ایک مرکز سے منسلک کر کے نئی امت کی تشکیل کی۔ ''بیعت عقبہ'' کی رو سے جو اختیارات آپ کو ملے تھے ان سے کام لے کر آپ نے اسلامی ریاست قائم کی جس کے سربراہ خود آپ ہی تھے، مگر سربراہ ریاست کی حیثیت سے آپ قانون سے بالاتر نہ تھے، بلکہ آپ نے تو اللہ تعالیٰ کی منشا اور اسی کی رضا کے لئے، اسی کے احکام کی تنفیذ کی خاطر، اسی کی ''نیابت'' کی ذمے داری سنبھال لی تھی۔ اس طرح آپ نے الوہی قانون کی نہ صرف خود پیروی کی، بلکہ ''ریاست مدینہ'' کے ہر شہری کو اس قانون کا پابند بنانے کیلئے اسے ایک دستور کا تابع بنا دیا۔

اس معاہدے کو میثاق مدینہ کہتے ہیں جس کی دساویز سیرۃ وحدیث کی کتابوں میں تفصیل سے درج ہے۔ ابن اسحاق کے مطابق آپ نے یہ معاہدہ مہاجر وانصار سے کیا تھا۔ امام ابوداؤد کے حوالے سے ثابت ہے کہ آپ نے یہ معاہدہ معرکہ بدر سے پہلے مہاجرین وانصار سے کیا، پھر بعد میں یہودیوں سے اسی قسم کا الگ معاہدہ ہوا تھا۔ بہر حال ان تینوں فریقوں نے آپ سے جو معاہدہ ''شہری ریاست مدینہ'' میں امن وامان قائم رکھنے اور اس کی سلامتی وبقاء کی خاطر دفاعی اقدامات اٹھانے کیلئے کیا اسے ''میثاق مدینہ'' کہتے ہیں۔

اس معاہدے کے تحت اسلام کی دینی وحدت کو ہر ایک نے تسلیم کر لیا، ہر ایک پر فوجی خدمت لازم ہو گئی اور بیرونی حملے کی صورت میں دفاعی تیاری کی ذمے داری بھی ہر ایک نے اپنے سر لے لی۔ امن وامان کی خاطر ریاست کو محلوں میں تقسیم کر کے نقیبوں اور پنچایت گھروں کی نگرانی میں دے دیا گیا جن کے نقیبوں اور عارفوں کو امن وامان قائم رکھنے کی ذمے داری سونپ دی گئی۔ ''میثاق مدینہ'' کے مطابق:

1: انصار، مہاجر اور یہود تینوں فریق نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آقا، حاکم، ثالث اور جج تسلیم کر لیا۔ اس لیے ان کے جھگڑوں اور قضیوں کا فیصلہ احکام الٰہی کے مطابق آپ خود کریں گے۔ یہودیوں نے بھی تسلیم کیا کہ وہ اختلافی امور میں آپ کے فیصلے کو آخری، جائز اور واجب التعمیل تسلیم کریں گے۔

2: انصار، مہاجر اور یہودی مل کر ایک امت (امۃ واحدہ) میں شمار کئے جائیں گے۔

3: ظلم ومعصیت اور فتنہ وفساد ختم کرنے کیلئے سب متحد ہو کر کام کریں گے۔ اگر کسی کا بیٹا بھی کسی جرم میں ملوث ہو گا تو وہ اس کی حمایت سے بھی قطعاً دست بردار ہو جائے گا۔

4: کوئی مومن اپنے دینی بھائی کے خلاف کسی کافر کی حمایت نہیں کرے گا اور نہ ہی اسے کسی قسم کی مدد پہنچائے گا۔

5: معاہدے میں شریک کوئی فریق بھی کسی مشرک وکافر قریش کو پناہ نہیں دے گا۔ اسی طرح وہ کسی قاتل کو بھی پناہ نہیں دے سکتا۔

6: اگر کوئی اپنے مسلمان بھائی کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ البتہ مقتول کا ولی راضی ہو تو معاف کر کے خوں بہاں (دیت) لے سکتا ہے۔

Marfat.com

7: حملے کی صورت میں تینوں فریق مل کر مدینے کی ریاست کا دفاع کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ حملے کی صورت میں شہر سے باہر جا کر دشمن سے مقابلہ کرنے کی شرط نہیں شامل تھی۔ اسی لئے ''معرکہ بدر'' کے موقع پر آپ نے انصار کی رضا مندی حاصل کر لی تھی۔

8: یہودیوں کو مسلمانوں کے برابر شہری حقوق دیئے گئے۔ اس لیے حملے کی صورت میں وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدینے کی حفاظت کریں گے اور جنگ کے مصارف بھی برابر سے برداشت کریں گے۔ اسی طرح وہ بھی بنو قریش اور ان کے حلیفوں کو پناہ نہیں دیں گے اور نہ ہی ان کی مدد کریں گے۔

9: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری حاصل کیے بغیر یہودی کسی فریق سے صلح یا جنگ نہیں کر سکتے لیکن وہ ان سب سے لڑیں گے جن سے مسلمان لڑیں گے اور ان سب کو اپنا دوست سمجھیں گے جن سے مسلمان صلح کر لیں۔

جو بھی اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ظلم وستم، جبر واستحصال، اثم وعدوان اور فتنہ وفساد میں ملوث کسی فرد یا فریق کا ساتھ دے گا، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نظر میں مردود، ملعون اور مغضوب قرار پائے گا۔

بیرونی حملوں سے مدینے کی حفاظت:

ہجرت نبوی کے بعد بھی بنو قریش نے مسلمانوں کو سکون سے رہنے نہیں دیا بلکہ انہیں تباہ و برباد کرنے کیلئے جارحانہ کارروائی شروع کر دی۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا کہ مدینے والے رسول اللہ کو اور دوسرے مسلمانوں کو نکال دیں یا انہیں بنو قریش کے حوالے کر دیں ورنہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ اس قسم کی دھمکیوں اور جارحانہ حرکتوں کی وجہ سے حالات جنگ پیدا ہو گئے تھے۔ اس لیے بیرونی حملوں کی روک تھام کے لئے شہری دفاع کی ساری تدبیریں اختیار کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ آپ نے طلایہ دستے مقرر کیے جو مکے جانے والے راستوں پر گشت لگاتے اور دشمنوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کرتے تھے۔ باقاعدہ رات بھر محافظ دستے پہرہ دیتے تھے تاکہ اچانک حملے کی صورت میں فوری طور پر مدینے کا دفاع ہو سکے۔ خود آپ بھی رات بھر جاگ جاگ کر دفاعی اقدامات پر نظر رکھتے تھے۔ صحابہ کرام بھی اسلحہ سے لیس ہو کر سوتے تھے تاکہ ہنگامی حالت میں دشمن کا مقابلہ پوری طرح کیا جا سکے۔

امن وسلامتی کے معاہدے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی قبیلوں سے دوستانہ تعلقات قائم کیے تاکہ وہ حملے کی صورت میں دشمن کی حمایت نہ کریں اور اگر مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں تو کم از کم غیر جانبدار تو رہیں۔ بنو حمزہ، بنو مدلج اور اہل بواط کے ساتھ آپ نے اسی مقصد کی خاطر معاہدے کیے۔ قبیلہ جہینہ نے غیر جانبدار رہنے کا عہد کیا لیکن بنو ضمہ نے معاہدہ کیا کہ وہ حملے کی صورت میں دشمن کے خلاف فوری امداد بھیجیں گے۔ اب آپ نے پڑوسی قبیلوں سے بے خطر ہو کر بنو قریش کے خلاف ضروری اقدامات کیے۔ ان کے تجارتی کاروانوں کی نقل وحرکت کی نگرانی کے لیے رضا کاروں کی ٹولیاں ہر طرف بھیج دیں جو پڑوسی قبیلوں سے رابطہ قائم کر کے ان کا کھوج لگاتیں اور دشمن کے منصوبوں اور ارادوں کا پتہ چلانے کی کوشش کرتی تھیں۔

ان دفاعی اقدامات کی وجہ سے مسلمانوں میں اجتماعی زندگی بسر کرنے کا شعور پیدا ہوا۔ ''میثاق مدینہ'' کی وجہ سے وہ قانون پر چلنے کے عادی بن گئے، رشتہ مواخات کی وجہ سے اسلامی مساوات و برادری کا جذبہ ابھرا اور مسجد نبوی کی تعمیر سے

Marfat.com

ان میں مرکزیت اور دینی وحدت پیدا ہوئی۔ اسی دور میں زکوٰۃ فرض ہوئی اور اذان کا طریقہ رائج ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر اور عبداللہ بن زید نے خواب میں کسی کو اذان دیتے ہوئے دیکھا۔ اذان کے کلمات ذہن میں نقش ہو گئے اور بیدار ہوتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے سارا خواب آپ کو بتا دیا۔ آپ بھی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو نماز کیلئے جمع کرنے کا کوئی مناسب طریقہ اختیار کیا جائے۔ آپ نے بوق و ناقوس کی تجویز پسند نہیں فرمائی، بلکہ حضرت عمر کی تجویز مان کر اذان کا طریقہ نافذ فرما دیا۔ وحی آئی تو اور بھی اس اقدام کی توثیق ہو گئی۔ اسی زمانے میں ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں دو دو رکعتوں کا اضافہ بھی ہو گیا۔ اب مسافروں کے علاوہ ہر ایک پر ان نمازوں میں چار چار رکعتیں پڑھنا فرض ہو گیا۔ اس طرح دینی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کو اجتماعی زندگی بسر کرنے کا عادی بنا دیا گیا۔ اب جوں ہی اذان ہوتی، ہر ایک اپنا کام چھوڑ کر مسجد نبوی میں جمع ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کی اس ذات واحد کے آگے جھک جاتا جس نے ان میں اخوت و برداری کی روح پیدا کر دی تھی۔

ہجرت کی اہمیت:

''ہجرت'' لفظ ''ہجر'' سے مشتق ہے جس کے معنی سامی زبان میں ''شہر'' کے ہیں۔ ''لسان العرب'' کے مطابق خانہ بدوشی ترک کر کے شہری زندگی بسر کرنے کو ہجرت کہتے ہیں۔ بعد میں کسی خراب جگہ اور ماحول سے نکل کر کسی بہتر مقام میں سکونت اختیار کرنے کو بھی ہجرت کہنے لگے۔ کافر قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے صحابہ کرام کے جانی دشمن تھے۔ مکے کی زمین مسلمانوں کیلئے تنگ ہو چکی تھی کہ یثرب سے ایمان و سلامتی کی کرن پھوٹی اور وہاں کے مسلمانوں نے آپ کو دعوت دے دی۔ وہ آپ کی حمایت میں جہاد کرنے کیلئے بے قرار تھے۔ اس لیے آپ ہجرت کر کے مکے سے یثرب چلے گئے۔ یثرب اب یثرب نہیں رہا، ''محمد کا شہر'' یا ''مدینہ النبی'' بن گیا۔ آپ نے باقی زندگی مدینے میں بسر کی، اسی کو دین الٰہی کی تبلیغ کا سب سے بڑا مرکز بنایا، اسی کو اسلامی ریاست کا صدر مقام قرار دیا اور آپ نے وصال فرمایا تو وہیں سپرد خاک بھی ہوئے۔ دنیا میں ایسے واقعات بہت کم ہوئے جن کی وجہ سے قوموں کی زندگی بدل گئی اور عالمی سیاست کا رخ مڑ گیا۔ ''ہجرت نبوی'' بھی ایسا ہی تاریخی واقعہ ہے۔

دنیا کی بہت سی قوموں اور افراد نے اپنی زندگی بنانے کیلئے کسی کلیدی مقام کو اپنا مستقر بنایا اور اپنا آبائی وطن چھوڑ کر وہاں اقامت اختیار کر لی۔ ایسے تمام مقامات کے ناموں کے معنی شہر کے ہیں۔ بحرین کے قدیم پایہ تخت ''ہجر'' روم کے پرانے نام ''اربس''، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن ''ار'' نیز مکہ مکرمہ کے اصلی نام ''بکہ'' کے معنی شہر کے ہیں۔ قرآن شریف میں بھی مکے کو ''بلد الامین'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''بعلبک'' کے معنی بھی بعل بت کے شہر کے ہیں۔ ان سب شہروں نے عارضی طور سے شہرت حاصل کی اور دنیا کی کثیر آبادی کی قسمتوں پر ہمہ گیر اثر نہیں ڈالا، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر ''مدینۃ النبی'' نے عالمی تاریخ پر گہرا اور دیرپا اثر ڈالا جس سے بہت سی قوموں اور ملکوں کی قسمت بدل گئی۔ مدینے کو یہ سعادت ''ہجرت نبوی'' کی بدولت حاصل ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی وجہ سے وہاں اب بھی دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان جاتے اور اس کی زیارت کر کے اپنے ایمان کو تازہ کرتے ہیں۔ دنیا میں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے سوا کوئی ایسا شہر نہیں جس کی زیارت کیلئے لاکھوں کی تعداد میں لوگ دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچے

Marfat.com

آتے ہوں۔ ''ہجرت نبوی'' کی وجہ سے مدینے کو لازوال شہرت حاصل ہوگئی اور وہ رسول اکرم کی دائمی آرام گاہ اور ''مدینۃ النبی'' بن گیا۔

بہت سی قومیں اپنے وطن سے نکل کر دوسرے ملکوں اور شہروں میں آباد ہوئیں اور انہوں نے نئی تہذیب کو جنم دیا، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی وجہ سے یثرب میں جو انقلاب آیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ نہ صرف یثرب کی حیثیت بدل گئی اور وہ آپ کا شہر ''مدینۃ النبی'' بن گیا بلکہ ساری دنیا کا توازن ہی بدل گیا۔ اس نئے شہر میں ایک عالمگیر اسلامی تہذیب نے جنم لیا جس کی تقلید ساری دنیا نے صدیوں تک کی اور جس کی پیروی دنیا کی ایک بڑی اکثریت اب بھی کرتی ہے۔ وہ مسلمانوں کی پناہ گاہ اور ان کی اخلاق و روحانی اقدار کا امین بن گیا۔ ساری دنیا کی نظریں اسی پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ روم و ایران کے اقتدار کو خاک میں ملانے والے مجاہد اسی شہر سے سربکف ہو کر نکلے اور شام، مصر، فلسطین اور فارس کو فتح کر کے ہر جگہ اسلامی علم لہرا دیا۔ اب یہ عظیم الشان ملک اس اسلامی حکومت کے صوبے بن گئے جس کا صدر مقام ''مدینۃ النبی'' تھا۔ اسی مدینے کی مسجد نبوی میں ان ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا اور انہیں آباد و گلزار بنانے کیلئے اہم اقدامات اٹھائے گئے۔

ہجرت کے بعد ارشاد نبوی کے مطابق یثرب کو یثرب کے نام سے پکارنے پر پابندی لگا دی گئی۔ اس کے لغوی معنی ہی میں ذم کی صفت پائی جاتی ہے۔ اس لیے ''یثرب'' سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ لعن طعن، انتقام و قصاص یا فتنہ و فساد کا شہر ہے۔ اسی لیے ہجرت سے پہلے یہ بیماریوں کا گھر اور جھگڑوں کا شہر کہلاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خانہ جنگی، پسماندگی اور نحوست کے بادل یثرب کی فضا پر چھائے ہوئے تھے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے اس شہر میں تشریف لائے، تو پھر آپ کی برکتوں سے یہ امن و امان، فلاح و شادمانی اور خوش حالی و شادابی کا شہر بن گیا۔

وفاء الوفاء میں حضرت امام سمہودی نے مدینہ منورہ کے ۹۴ نام بیان کیے ہیں مگر ان میں ''طابہ'' اور ''طیبہ'' اور ''مدینہ'' کو سب سے زیادہ خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ توریت میں بھی اسے طیبہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ منافقوں کا حال بیان کرتے ہوئے سورۂ توبہ میں خاص طور سے یثرب کو ''المدینہ'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس تذکرے سے بھی مدینے کی تاریخی اہمیت اجاگر ہو جاتی ہے کہ مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ کے حدود کو بھی حرم کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی حرمت و تقدس پر زور دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم کا مرتبہ عطا کیا، اسی طرح میں نے مدینہ منورہ کو حرم کا اعزاز بخشا ہے۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی:

((اللھم ان ابراھیم حرم مکۃ وانا احرم ما بین لابتیھا))

''بارالہا! بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے حدود کو حرم مقدس کا مرتبہ عطا کیا اور میں ان دو پہاڑوں کے مابین مدینہ منورہ کی سرزمین کو حرم کا درجہ قرار دیتا ہوں۔''

آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ ''عیر'' اور ''ثور'' پہاڑوں کے مابین پھیلی ہوئی مدینہ منورہ کی سرزمین حرم کی طرح مقدس و محترم ہے، اس لیے ان حدود میں کسی درخت کو کاٹنا یا کسی پرندے کا شکار کرنا حرام ہے۔ یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ جس نے اہل مدینہ کو ایذا پہنچائی اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہو۔

Marfat.com

ہجرت کے بعد مکے کی سیاسی وتجارتی مرکزیت ختم ہوکر رہ گئی۔اب تک بنوقریش کا اثر واقتدار سارے حجاز میں پھیلا ہوا تھا، لیکن ہجرت کے بعد مدینے کے افق سے اسلام کی طاقت ابھری جس نے بنوقریش کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ بنوقریش کے مقابلے میں ایک اور طاقت بھی ہے اور وہ ہے اسلام کی طاقت، اس لیے بہت سے قبیلوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور غیر جانبداری کی پالیسی اختیار کر کے اور مسلمانوں سے پروانہ امن حاصل کر کے ان کے حلیف بن گئے۔

ہجرت سے پہلے مدینے میں یہودی ہر میدان میں چھائے ہوئے تھے۔انہیں دوسروں پر مذہبی ومعاشی برتری حاصل تھی۔وہ اہل کتاب اور صاحب تہذیب تھے، لیکن ان کے پڑوسی بت پرست، غیر مہذب اور جاہل تھے۔ہجرت کے بعد اسلام کی برکت سے انقلاب آ گیا۔اب ان جاہلوں کے ذہن ہی بدل گئے۔علم ومذہب کے نور نے ان کے دماغوں کو روشن کر دیا۔اس لیے انہیں ''فرسودہ مذہب کے ماننے والے'' یہودیوں پر فوقیت حاصل ہوگئی۔مدینے کی بڑی بڑی منڈیوں پر مہاجر چھا گئے اور یہودیوں کو تجارتی میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا۔اسی زمانے میں (شعبان ۲ ہجری) ''تحویل قبلہ'' کی وجہ سے مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین خط امتیاز پیدا ہو گیا۔اس لیے وہ اور بھی مسلمانوں کے دشمن بن گئے۔انہوں نے منافقوں اور کافر عربوں سے مل کر مسلمانوں کو تباہ کرنے کرنے کیلئے محاذ بنایا وہ بھی انہیں بری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ عاجز آ کر مسلمانوں نے ان کے خلاف سخت کارروائی کی اور انہیں مدینے سے نکال دیا۔اس طرح ''ہجرت نبوی'' کی وجہ سے یہودیوں کی بالادستی ختم ہوگئی اور سارا مدینہ اسلام کا گہوارا اور مسلمانوں کا مرکز بن گیا۔

''ہجرت نبوی'' کے بعد بنوقریش کی تجارتی سرگرمیوں پر اثر پڑا۔شام جانے والا راستہ مدینے سے گزرتا تھا اور مدینے میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔اس لیے ان کے تجارتی قافلے اس راہ سے سلامتی کے ساتھ نہیں گزر سکتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایذا وتعذب میں مبتلا کیا تھا۔اب وہی مسلمان اس راستے کے مالک تھے۔اگرچہ انہوں نے صرف اپنے دفاع میں کاروانی راستوں کی نگرانی ہی کی، پھر بھی بنوقریش کی چیرہ دستیوں اور جارحانہ حرکتوں کی وجہ سے حالات جنگ پیدا ہو گئے۔ایسے حالات میں مسلمان ان کی ناکہ بندی کرنے میں حق بجانب تھے۔اس طرح ان کی حرکتوں کی وجہ سے ان کی تجارتی سرگرمیوں میں خلل پیدا ہوا اور ان کی تجارتی اجارے داری ختم ہوکر رہ گئی۔

''ہجرت نبوی'' کی یاد میں ایک نیا ''سن تقویم'' شروع ہو جسے ''ہجری سن'' کہتے ہیں۔حضرت عمر فاروق نے اسے چاند کے حساب سے محرم کے مہینے سے شروع کیا تھا۔علم ہیئت کے حساب سے یہ ہجری سن ۱۶ جولائی سے شروع ہوا تھا۔اس وقت تک اہل عرب تاریخ کا حساب کبھی ''عام الفیل'' سے لگاتے اور کبھی کسی اور بڑے معرکے سے، لیکن یہ سارے واقعات ''دور جاہلیت'' کی یادگار تھے اور اسلام آیا ہی تھا اس قسم کی رسموں اور نشانیوں کو مٹانے کیلئے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ ہجرت کو قرار دیا کیونکہ اسی ہجرت کے بعد سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فتح ونصرت عطا کی اور یہی ہجرت اللہ تعالیٰ کے دین کی عزت وسربلندی کا سبب بنی۔اسی ہجرت کی بدولت ''مکے کے مہاجر'' مدینے کے انصار سے مل گئے، اسی اتحاد نے اسلام کا نام ساری دنیا میں پہنچا دیا اور اللہ اکبر کے نعروں سے فضائے بسیط گونج اٹھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ''ہجری سن تقویم'' کو رائج کر کے اس کی اہمیت کو اور بھی زیادہ کر دیا اور جب

Marfat.com

انہوں نے اسے ایرانی و رومی ''سن تقویم'' کے سامنے رکھ کر دیکھا تو یہ ان سے کہیں زیادہ روشن نظر آیا، اس لیے کہ اس سے دنیا کی تاریخ کا ایک بہت بڑا واقعہ ''ہجرت نبوی'' ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ مقریزی کے مطابق اس سن تقویم کی ابتداء ماہ محرم سے کی گئی ہے نہ کہ ماہ ربیع الاول سے، جس کے دوران سول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ اس حساب سے ہجری سن کا آغاز تقریباً دو ماہ آٹھ دن پیچھے ہٹ کر محرم سے ۲۱ ہجری میں شروع کیا گیا۔

درحقیقت ہجرت نبوی کے بعد مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا دور شروع ہوا۔ مکے میں انہیں شہری و مذہبی آزادی میسر نہ تھی۔ مدینے میں انہیں سانس لینے اور ابھرنے کا موقعہ ملا۔ اس لیے انہوں نے یثرب کو اسلامی اخلاق میں رنگ کر ''مدینۃ النبی'' بنا دیا جہاں ہر بات اسلامی شریعت کے مطابق ہوتی، جہاں اسلامی قانون کی حکومت تھی اور جہاں ہر ایک فتنہ و فساد سے مامون و محفوظ تھا۔ اسی ''مدینۃ النبی'' سے اسلام ساری دنیا میں پہنچا اسی لئے اسے دنیا کا ''باب الاسلام'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

پروفیسر گب نے بھی اس تاریخی واقعے کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ ان کے خیال میں ''رسول اکرم'' کی زندگی کے نئے دو کا آغاز ہجرت سے ہوتا ہے لیکن آپ کی زندگی میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ یہ صحیح ہے کہ مکے میں آپ نے مظلوم پیغمبر کی حیثیت سے زندگی گزاری لیکن مدینے میں اسلامی ریاست کے سربراہ مملکت کی حیثیت سے مجاہدانہ کردار کا مظاہرہ آپ نے کیا۔ پھر بھی آپ کے نظریوں میں تبدیلی نہیں آئی، نہ ہی آپ نے اپنے ضمیر کو دبا کر کوئی ایسی ویسی بات کی۔ دراصل آپ نے جو کچھ مکے میں کہا اور جس نظریے کی تبلیغ کی اسی کو مدینے میں آنے کے بعد آپ نے عملی جامہ پہنایا۔ بظاہر اسلامی تحریک نے نئی شکل اختیار کر لی اور ایک سربراہ کی نگرانی میں سیاسی خطوط پر مخصوص طرز کی ملت و امت کی تشکیل عمل میں آگئی، مگر یہ سب کچھ ہوا اس نظریے کی وجہ سے جو آپ کی تعلیمات میں مضمر تھا۔ وہی نظریہ عملی شکل اختیار کرنے کی وجہ سے اب بالکل نمایاں ہو گیا۔ آپ نے سیاسی خطوط پر جس ملت کی تنظیم کی اس کا خاکہ آپ کے دماغ میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ ایسی ملت جو کسی چرچ کی طرح غیر مذہبی حکومت سے الگ تھلگ ہو کر ایک جداگانہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ آپ نے تاریخ رسالت کی جو توضیح فرمائی اس کے مطابق انبیاء کے مبعوث کرنے کا ایک اہم مقصد الٰہی یہ بھی تھا۔ اس لیے مدینے میں جو انوکھا کارنامہ انجام دیا گیا وہ یہ تھا کہ ''دینی قومیت'' کے نظریے کو عملی جامہ پہنا دیا گیا۔

مشہور مستشرق حطی کے خیال میں:

> ''ہجرت رسول اکرم کی زندگی کا ''نقطہ انقلاب'' ہے۔ اس سے آپ کی زندگی کا مکی دور ختم اور مدنی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ وطن میں ہر ایک (کافر) آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا لیکن وہاں سے ہجرت کر کے نئے وطن (مدینے) میں ایک معزز و مقدر سربراہ کی شان سے آپ داخل ہوئے۔ اب واعظ و مبلغ کا کردار پس منظر میں چلا جاتا ہے اور وہ شخصیت ابھر آتی ہے جس نے سیاسیات کو عملی جامہ پہنایا۔ اب وہی پیغمبر مدبر و سیاست داں کا کردار نمایاں شان سے ادا کرتا ہے۔''

حطی کے یہ خیالات واقعیت پر مبنی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلے سے جو دین عالم انسانیت کو عطا کیا وہ دنیوی و اخروی، مادی و روحانی، مذہبی اور سیاسی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنی پہنائیوں میں سموئے ہوئے ہے۔ حطی مغربی زندگی کی

Marfat.com

پیداوار ہیں۔اس لیے اسلامی طرز حیات کو بھی اسی زاویہ نگاہ سے پرکھتے ہیں۔ورنہ رسول اکرم کے نزدیک دین وسیاست میں تمیز کرنا گویا زندگی میں انتشار پیدا کرنا ہے۔اسلام تو روحانیت و مادیت کا لطیف امتزاج پیش کرتا ہے اور آپ تو اسلامی زندگی کا بے مثال نمونہ تھے۔اس لیے آپ کی ''شان رسالت'' سے روحانیت کے ساتھ ساتھ سیاست کی کرنیں بھی پھوٹتی ہیں۔تو پھر حطی جیسے مستشرق ان میں امتیاز وتفریق بھلا کیسے کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

حق وباطل میں کشمکش.....حفاظت مدینہ واہل اسلام کے لیے لڑی گئی جنگیں

(مدینہ کی معاشی حالت.....غزوات سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا تجزیہ

ہجرت کے اثرات اور کفار کی بے چینی

عبداللہ بن ابی کے نام خط:

بنو قریش نے مدینے میں بھی مسلمانوں کو چین سے رہنے نہیں دیا۔انہوں نے مدینے پر حملہ کرنے کی دھمکی دینا شروع کردی۔عبداللہ ابن ابی ان عربوں کا سرغنہ تھا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔انہوں نے اسی عبداللہ بن ابی کو لکھا کہ ''وہ رسول اکرم اور ان کے پیروؤں کو فوراً مدینہ سے نکال دے، پھر آپ کو ان کے حوالے کر دیا جائے ورنہ وہ حملہ کر کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے اور مردوں کا قتل عام کر کے عورتوں و بچوں کو کنیز وغلام بنالیں گے۔

مروی ہے کہ وہ خود بھی آپ کی آمد سے خوش نہیں تھا، اس لیے وہ اپنے حامیوں اور یہودیوں کو جمع کر کے آپ کے خلاف ان سے مشورے کر رہا تھا کہ آپ کو خبر ہوگئی اور وہاں پہنچ کر آپ نے حالات پر قابو پالیا۔

مستشرقین کی غلط بیانی:

دشمنوں کی تخریبی سرگرمیوں نے خطرے کا بگل بجادیا۔رسول اکرم نے ہنگامی حالات کا اعلان کر کے شہر کی حفاظت کیلئے دفاعی تدبیریں اختیار کیں اور مسلمانوں کو ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہنے کا حکم دے دیا، لیکن آپ نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جس سے دشمن مشتعل ہو جاتا۔اس لیے آپ کو جارحانہ کارروائی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ مستشرقین آپ کو ان جنگوں کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں جو ہجرت کے بعد مسلمانوں اور کافروں کے مابین ہوئیں۔انسائیکلو پیڈیا برٹیانیکا میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ''عرب تصورات کے مطابق آپ کی سب سے بڑی غداری یہ تھی (نعوذ باللہ) کہ آپ اپنے وطن کو چھوڑ کر غیروں سے جا ملے۔مدینے والوں نے آپ کا پرجوش استقبال کیا اور آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ان کی یہ حرکت ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے مکے والوں سے معاندانہ رویہ اختیا کیا۔اس لیے مکے والے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کرنے میں حق بجانب تھے۔خاص طور سے ایسی حالت میں جبکہ خود مسلمانوں نے پہل کی تھی۔

Marfat.com

مستشرقین نے اس قسم کا دعویٰ کر کے تاریخ کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔ بنوقریش کی سفاکیت و بربریت کی المناک داستانیں پڑھ کر ہر ایک کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے ان کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرنے کیلئے حبشہ میں پناہ لی تو وہاں بھی انہیں سکون سے رہنے نہیں دیا اور دربار شاہی میں حاضر ہو کر مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگلا۔ پھر بھی نجاشی نے ان کی بات نہیں مانی اور مسلمانوں کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ باقی مسلمانوں پر اس قدر ظلم کیا گیا کہ ان کے لئے مکے کی زمین تنگ ہو کر رہ گئی۔ مجبور ہو کر انہوں نے مدینے میں پناہ لی تو نہ صرف بنوقریش نے دھمکیاں دیں بلکہ مسلح فوج سے ان پر حملہ کر دیا۔ اس لیے بنوقریش جارحانہ حرکتوں کے مرتکب ہوئے نہ کہ وہ مسلمان جنہوں نے ابھی مدینے میں پناہ لے کر اطمینان کی سانس تک نہیں لی تھی۔

دفاعی اقدامات:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متوقع حملے کا مقابلہ کرنے کیلئے احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ بنوقریش کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھی، شہر کی حفاظت کے لئے گشت کرنے والے دستے مقرر فرمائے اور پڑوسی قبیلوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ نیز آپ نے حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ بن الحارث اور حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں دشمن کے حالات معلوم کرنے اور ان کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کیلئے رضا کاروں کے دستے روانہ کیے جو تجارتی قافلوں کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ یہ خطرہ ہمہ وقت لاحق تھا کہ کہیں بنوقریش تجارت کے بہانے فوج لے کر نہ آئیں اور مدینے پر اچانک حملہ نہ کر دیں۔ اس لیے مسلم رضا کاروں نے نواحی علاقوں میں گشت لگا کر تجارتی قافلوں کی نقل وحرکت کی نگرانی کی اور مکے سے آنے والے قافلوں کا پتہ لگاتے رہے تا کہ وقت پر حملے کی اطلاع مل جائے اور مسلمان اپنے بچاؤ کا بندوبست پوری طرح کر لیں۔ کسی بھی رضا کار دستے میں تیس چالیس سے زیادہ مسلمان شامل نہ تھے۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ محض قتل وغارت گری کیلئے مامور ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے تو کسی پر ہاتھ اٹھایا اور نہ ہی کسی تجارتی قافلے کو لوٹا۔ وہ تو محض دفاعی فرائض سر انجام دیتے، دشمن کے منصوبوں کا پتہ چلاتے، ان کی نقل وحرکت پر نظر رکھتے، اور واپس آ کر سارے حالات سے آپ کو خبردار کر دیتے تھے۔

پڑوسی قبیلوں سے معاہدے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلح وآشتی کے پیغمبر تھے، اسی لیے آپ نے پڑوسی قبیلوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں پہل کی۔ بیرونی حملوں کے دوران ان کی دشمنی اسلامی مفاد کے خلاف تھی۔ اس وجہ سے اور بھی انہیں اپنا حامی بنانے کی کوشش کی گئی تا کہ وقت پڑنے پر ان کی امداد سے فائدہ اٹھایا جائے یا پھر کم از کم وہ غیر جانبدار رہیں۔ اس مثبت وتعمیری پالیسی کے مطابق آپ نے ان کے پاس وفد بھیجے اور فرصت ملی تو خود بھی آپ نے دورہ کیا۔ آپ کو اپنے مقاصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ قبیلہ جہینہ نے غیر جانبدار رہنے کا عہد کیا۔ بنوحمزہ، بنومدلج، ان کے حلیفوں اور اہل بواط سے بھی معاہدے ہوئے۔ آپ نے ودان وابواء کے دورے کر کے بنوضمرہ سے کامیاب مذاکرات کئے۔ آخر کار بنوضمرہ نے ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے جس کے مطابق ان کی جانی ومالی حفاظت کا ذمہ ''اسلامی ریاست مدینہ'' نے اٹھایا اور اس کے بدلے انہوں نے عہد کیا کہ وہ جنگ کے موقع پر دشمن کے خلاف مسلمانوں کی مدد کریں گے۔

Marfat.com

قریش کی دشمنی:

بنوقریش انتقام کی آگ میں جل بھن رہے تھے۔ مدینے پر مسلمانوں کا اثر واقتدار بڑھتا ہوا دیکھ کر ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ اسی لیے انہوں نے عبداللہ بن ابی کو دھمکی دی اور اسے آپ کو مدینے سے نکال دینے کی ہدایت کی تھی۔ حجاز کے بہت سے قبیلے ان کے اثر میں تھے۔ انہیں بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ دوسرے قبیلوں کو بھی مسلمانوں سے ملنے جلنے سے روکا۔ یمن سے مدینہ جانے کیلئے مکے سے گزرنا پڑتا تھا۔ بنوقریش نے اس بات سے بھی فائدہ اٹھایا اور یمن والوں کو مدینہ منورہ جانے سے روک دیا۔ کہا جاتا ہے کہ 6 ہجری تک یمنی قبیلے مدینے نہیں جاسکتے تھے۔ بنوعبدالقیس نے آپ کی خدمت میں آکر اسی بات کی شکایت کی تھی کہ بنومضر انہیں مسلمانوں سے ملنے نہیں دیتے ہیں۔ صرف حج کے زمانے میں موقع مل جاتا تو وہ مدینے چلے جاتے تھے، ورنہ وہ بنوقریش کی بے جا مداخلت کی وجہ سے مجبور تھے۔

جنگ کی دھمکیاں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سلامت مدینے پہنچے تو بنوقریش کی ساری کوششیں خاک میں مل گئیں۔ اس لیے انہوں نے انتقامی کارروائیوں پر نہایت تیزی سے عمل کیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ انہوں نے ہجرت نبوی کے چند روز ہی کے بعد عبداللہ ابن ابی بن سلول کو لکھا:

((انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ لقتلنہ اونخر جنہ او نسیرن الیکم باجمعنا حتی تقتل مقاتلتکم ونستبیح نسائکم))

''تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دے دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم انہیں قتل کر دو پھر نکال دو، ورنہ بھاری فوج سے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر کے ہم تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے تصرف میں لے آئیں گے۔''

اس طرح بنوقریش نے خود ہی جنگ کا بگل بجا دیا۔ انہوں نے ایک طرح الٹی میٹم دے دیا کہ اگر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے سے نکال نہیں دیں گے یا نعوذ باللہ انہیں قتل نہیں کریں گے تو پھر مکے کا لشکر جرار مدینے کو روند ڈالے گا، مرد تہ تیغ کروائے جائیں گے، مال ومتاع لوٹ لیا جائے گا اور عورتوں کو کنیز بنالیا جائے گا۔ یہ خط ملتے ہی عبداللہ بن ابی نے اپنے حامیوں اور یہودیوں کو ایک خفیہ جلسے میں بلا کر انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے ابھارا اور ان سے کہا:

''ہماری خیریت اسی میں ہے کہ مسلمانوں کو مدینے سے باہر نکال دیا جائے۔''

خوش قسمتی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عین وقت پر اس بات کی خبر لگ گئی اور جلسے میں پہنچ کر عبداللہ بن ابی کی ساری کارروائی پر پانی پھیر دیا۔ آپ نے حاضرین کو سمجھا دیا:

''بنوقریش نے ایک زبردست چال کھیلی۔ اگر تم ان کی دھمکیوں میں آگئے تو تمہارا نقصان سب سے زیادہ ہوگا۔ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنی ہی تلوار سے اپنے بیٹوں، بھائیوں اور عزیزوں کو قتل کرو گے، لیکن اگر تم قریش کے مقابلے میں مسلمانوں کا ساتھ دو گے تو اس میں تمہاری بھلائی بھی

Marfat.com

پوشیدہ ہے۔اسی طرح تم غیروں سے مقابلہ کر کے انہیں اپنے شہر سے باہر دھکیل دو گے اور اپنی جان و مال، عزت و آبرو کو بچا سکو گے۔''

یہ سن کر حاضرین پر سناٹا چھا گیا اور وہ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے۔

حضرت سعد بن معاذ سے بدسلوکی:

حضرت سعد بن معاذ قبیلہ اوس کے معزز رئیس تھے۔مسلمان ہونے کے بعد عمرہ ادا کرنے کیلئے مکہ مکرمہ گئے اور اپنے پرانے رفیق امیہ بن خلف کے پاس قیام کیا۔ایک دن امیہ کو لے کر طواف کعبہ کی نیت سے باہر نکلے ہی تھے کہ ابو جہل مل گیا۔وہ بڑی بداخلاقی سے حضرت سعد کے ساتھ پیش آیا۔اس نے کہا:

''تم نے ہمارے سب سے بڑے دشمن محمد کو پناہ دی اور پھر تم میں یہ جرات کہ مکے آ کر خانہ کعبہ کا طواف کرو۔؟ میں تمہیں امیہ کی وجہ سے چھوڑتا ہوں ورنہ تم اپنی جان بچا کر نہیں جا سکتے تھے۔''

حضرت سعد ابو جہل کی دھمکیوں سے مرعوب و خوفزدہ نہیں ہوئے۔اسلام نے ان میں روحانی قوت پیدا کر دی تھی، اس لیے انہوں نے مجاہدانہ لہجے میں جواب دیا:

''اگر تم نے ہمیں حج سے روکا تو پھر تمہارے تجارتی قافلوں کی بھی خیر نہیں۔ہم کسی حالت میں بھی انہیں مدینے کے راستے سے گزرنے نہیں دیں گے۔''

یہ سن کر ابو جہل اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔اس حادثے سے مسلمان اور بھی چوکنا ہو گئے۔ان کی جانیں خطرے میں پڑ گئی تھیں۔انہیں قومی حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا تھا اور اب وہ حسب دستور خانہ کعبہ کا حج تک ادا نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انہیں اپنی حفاظت کیلئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔

کرز بن جابر فہری کی جارحانہ حرکت:

اب بنو قریش نے مسلمانوں کے خلاف کھل کر کام کرنا شروع کر دیا۔مدینے کے یہودیوں کو اپنے ساتھ ملا کر انہیں کہلا بھیجا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم مکے سے بچ کر نکل گئے تو تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، ہم عنقریب حملہ کر کے تمہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔انہوں نے صرف اس قسم کی دھمکیوں پر اکتفا ہی نہیں کیا بلکہ انہوں نے جان بوجھ کر چھیڑ چھاڑ بھی شروع کر دی۔ کرز بن جابر فہری بنو قریش کے رئیسوں میں سے ایک تھا۔اس نے مدینے کی چراگاہ (سرح) پر چھاپہ مار کر بہت سی بھیڑیں اور اونٹ لیے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو شہر کا منتظم و نگراں مقرر کیا اور خود کرز بن جابر کے تعاقب میں روانہ ہو گئے، لیکن وہ کافی دور جا چکا تھا، اس لیے بچ کر نکل گیا اور آپ واپس لوٹ آئے۔یہ واقعہ ''غزوہ بدر اولیٰ'' یا ''غزوہ سفوان'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔

اس حادثے کے بعد آپ نے ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا۔سنن نسائی کی ایک روایت کے مطابق آپ اور صحابہ کرام رات رات بھر جاگ کر پہرہ دیتے تھے۔آپ ہر شب کو دفاعی اقدامات مکمل کر کے آرام فرماتے تھے۔ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

''آج کوئی مستعد آدمی پہرہ دیتا تو اچھا ہوتا۔''

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنی خدمات پیش کیں اور مسلح ہو کر رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اصحاب کرام ہتھیار باندھ کر سوتے تھے تا کہ اگر اچانک رات کے وقت حملہ ہو جائے تو فوراً جواب دیا جا سکے۔

غزوات کا جائزہ

اسباب غزوات اور اقسام:

غزوات کے درج ذیل بڑے بڑے اسباب تھے۔

1: مدافعانی پیش قدمی۔
2: قریشی تجارت کی روک ٹوک۔
3: امن امان کے قیام کے لیے تعزیری فوجیں۔
4: اشاعت اسلام۔
5: دشمنوں نے دارالاسلام پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا گیا۔
6: یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں اور پیش قدمی کی گئی۔
7: تفتیش وسراغ رسانی۔

مفہوم:

غزوات وسرایا کی تمام قسمیں یہی نہیں تھیں۔ ان کی کچھ اور اقسام وانواع بھی تھیں۔ مثلاً تمام قدیم مؤلفین سیرت صلح حدیبیہ، عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کے مذہبی اسفار کو بھی غزوات میں شمار کرتے ہیں اور یہی مستشرقین اور دوسرے جدید نگاروں کی کم از کم فہرستوں اور جدولوں میں لکھا ملتا ہے، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ پہلے دو اسفار عمرہ کی دینی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے اور آخری اسلام کے چوتھے رکن اعلیٰ حج کی ادائیگی کے لیے اختیار کیے گئے تھے۔ جعرانہ سے عمرہ کے لیے سفر نبوی کا بھی یہی دینی اور مذہبی مقصد تھا جس کو غزوات میں شمار کر لیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر نقل وحرکت اور مدینہ منورہ سے سفر کو غزوہ اور مسلم جماعت کی نقل وحرکت اور مہم کو سریہ قرار دے دیا گیا، خواہ ان کا مقصد کچھ بھی رہا ہو۔

غزوات اور سرایا کی تعداد:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات وسرایا کی تعداد پر کافی اختلاف ہے۔ ابن اسحاق وابن ہشام نے غزوات کی تعداد ستائیس اور سرایا کی تعداد اڑتالیس بیان کی ہے۔ غزوات کی یہی تعداد موسیٰ بن عقبہ، واقدی، ابن سعد، ابن جوزی، دمیاطی اور عراقی وغیرہ متعدد اہل مغازی سے منقول ہے جبکہ سرایا کی تعداد میں ان کا اختلاف ہے۔ ابن عبدالبر نے پینتیس، ابن اسحاق نے اڑتیس، واقدی نے اڑتالیس اور سب سے زیادہ ابن جوزی نے سرایا کی تعداد چھپن بیان کی ہے۔ کل تعداد ابن اسحاق وابن ہشام کے ہاں پینسٹھ، واقدی اور ابن سعد کے نزدیک پچھتر اور ابن جوزی کے ہاں ستاسی بنتی ہے۔ محدثین کرام کے ہاں ان کی تعداد کافی مختلف ہے اور اس میں حصر نہیں ملتا یعنی کل تعداد کی تکمیل کا خیال نہیں پایا جاتا۔

Marfat.com

جدید دور کے مورخین نے خاص کر مستشرقین نے غزوات وسرایا کی مجموعی تعداد نوے تک پہنچادی ہے۔ان کا اور بعض دوسرے قدیم مؤلفین سیرت کا مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد کا پتہ لگایا جائے۔دونوں میں البتہ مقصد کا فرق ہے۔قدیم مسلم سیرت نگاروں کا مقصد یہ تھا کہ سیرت نبوی کو زیادہ سے زیادہ جامع بنایا جائے جبکہ مستشرقین اور بیشتر جدید مورخین کا مطمح نظر یہ ہے کہ عہد نبوی اور اسلام کی تاریخ کو زیادہ سے زیادہ جنگ وجدال کا مرقع ثابت کیا جائے۔

بہر حال اس کا قوی امکان ہے کہ نبوی غزوات وسرایا کی موجودہ تعداد مزید بڑھ جائے۔

نئے مآخذہ مصادر کی دستیابی تو شاید اس کی تعداد میں اضافہ نہ کر سکے مگر موجودہ مصادر کی معلو.ا.ت کا تجزیہ اور تقابلی مطالعہ ان میں اضافہ کر سکتا ہے۔صرف ایک مثال کافی ہوگی۔تیسری/نوی صدی کے ایک نسبتاً گمنام مؤرخ واہل قلم محمد بن حبیب بغدادی (م 245ھ 860/ء) نے مشہور ومقبول روایات کے برعکس ابتدائی مہموں کی تعداد آٹھ کی بجائے دس بتائی ہے۔عام طور سے ان کے بیان وروایت کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے کہ وہ مشہور ومسلمہ روایات سے الگ ہے مگر ان کے قبول کرنے میں صرف یہی بات مانع نہیں ہونی چاہیے۔اگر ان کا اضافہ مستند روایات سے متصادم نہیں ہے تو قابل قبول معلوم ہوتا ہے،تو پھر اس کا امکان تو بہر کیف موجود ہی ہے کہ بعض غزوات وسرایا کا علم اہل مغازی کو نہ ہو سکا۔

نوعیت وماہیت:

تمام قدیم وجدید اور مسلم ومستشرق مؤلفین سیرت نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ وہ مہمات کے سربراہوں ،امیروں،مجاہدوں کی تعداد،ان کی منازل،دشمن سے ملاقات وتصادم یا عدم ملاقات تصادم اور اموال غنیمت کے حصول وغیرہ سے متعلق تفصیلات فراہم کریں۔اکثر وبیشتر وہ ان مہمات نبوی کے مقصد ومحرکات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔جنگ وجدال کی تفصیلات کے علاوہ مقتولوں،قیدیوں اور دوسرے نقصانات کو بھی بیان کرتے ہیں۔مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام ضروری تفصیلات سے اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں۔بس فرق یہ ہے کہ کچھ کے ہاں تفصیلات زیادہ ہوتی ہیں اور کچھ کے ہاں کم۔

جدید اہل قلم میں اکثر نے تو بیانیہ انداز اختیار کیا ہے اور وہ قدیم مآخذ ومصادر کے بیانات اپنی زبان میں پیش کر دیتے ہیں اور تجزیہ وتحلیل سے ذرا کم یا بالکل کام نہیں لیتے،لیکن بعض اہل سیرت نے ان کا موضوعاتی اور مختلف دوسری انواع کا تجزیہ بھی کیا ہے۔مثلاً بعض قدیم وجدید دونوں مولفین سیرت کے ہاں یہ تجزیہ ملتا ہے کہ کتنے غزوات وسرایا میں تصادم ہوا اور کتنے لوگ دونوں طرف سے زخمی یا مقتول ہوئے اور کتنی ایسی مہمات تھیں جن میں نہ تصادم ہوا اور نہ جنگ وجدال۔

ایک مفکر کے مطابق عہد نبوی کے دس سالہ مدنی دور پر محیط غزوات وسرایا کا تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ نو جنگوں میں کل مسلم شہیدوں کی تعداد ایک سو اڑتیس تھی جبکہ دشمن قتولین کی تعداد دو سو سولہ رہی تھی۔

Marfat.com

غزوات.....اقتصادی نقطہ نظر

اقتصادی نقطہ نظر اور معاشی اہمیت کے لحاظ سے ہمارے قدیم مصادر و مآخذ کے غزاوات وسرایا کے بارے میں بیانات اور روایات بہت اہم ہیں کہ وہ بلا تردد اور بلا جھجک ہر غزوہ یا سریہ میں ملنے والے اموال غنیمت کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی کبھی ہر شریک مجاہد اور سہیم غازی کے حصہ / سہم کا بھی تعین کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر حالات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی / صفایا (وہ منتخب مال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم غنیمت سے پہلے اپنے لیے چن لیتے تھے) کا ذکر بھی کرتے ہیں اور تقسیم غنائم کے بعد اسلامی ریاست کے حصہ خمس کا بھی حوالہ دیتے ہیں جو مجموعی مال غنیمت کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔ جبکہ چار حصے شریک مجاہدین میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

ہمارے اصلی مصادر و مآخذ کسی بھی غزوہ یا سریہ کی مجموعی مالیت کا حوالہ نہیں دیتے، البتہ کبھی کبھی بلکہ اکثر و بیشتر غزوات وسرایا سے حاصل ہونے والے اموال غنیمت کا مجموعی تخمینہ ضرور دیتے ہیں۔ وہ قیدیوں اور جنگی اسیروں سے حاصل ہونے والے زر فدیہ کی شرح تو بتا دیتے ہیں لیکن ان کی کل مالیت کا حساب نہیں کرتے۔ اسی طرح بعض غزوات وسرایا کے اموال غنیمت کے مالی فوائد اور مسلمانوں میں معاشی فلاح پر کہیں کہیں تبصرہ مل جاتا ہے، لیکن ہر غزوہ وسریہ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کی مالیت اور اس سے مستفید ہونے والے کی خوشحالی کو نہیں بتاتے۔ یہ کام جدید تحقیقات کرنے کے لیے انھوں نے چھوڑ دیا ہے۔

واقعہ نخلہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب ۲ ہجری (۶۲۳ء) میں حضرت عبداللہ بن جحش کو بند لفافہ دے کر بارہ آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا اور حکم دیا کہ دو دن کے بعد اسے کھول کر پڑھیں اور جو کچھ بھی لکھا ہوا اس پر عمل کریں۔ حسب ہدایت دو روز کے بعد خط کھولا گیا تو لکھا تھا کہ نخلہ جا کر قریش کی تاک میں رہو اور ان کے حالات معلوم کر کے ہمیں مطلع کرو۔ یہ پڑھ کر وہ سیدھے نخلہ گئے اور دشمن کی نقل و حرکت کا سراغ لگانے لگے۔ انہوں نے بنو قریش کے ایک تجارتی کارواں کو شام سے واپس مکہ مکرمہ جاتے ہوئے دیکھا۔ اسی قافلے میں عمرو بن حضرمی بھی تھا۔ حرام و مقدس مہینوں کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اس لیے مسلمان اس قافلے پر تلوار نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن عبداللہ بن جحش کے ساتھیوں نے جوش میں آ کر حملہ کر دیا۔ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی نے تیر دشمن کی طرف چلائے تو عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ دو اور معزز آدمی ثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان گرفتار ہوئے۔ حکم کی جگہ گرفتار ہونے والوں میں نوفل بن عبداللہ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ یہ سب بنو قریش کے معزز افراد تھے۔ اس لیے بنو قریش میں ہلچل مچ گئی اور ہر طرف سے قصاص و انتقام کی آواز آنے لگی۔

حضرت عبداللہ بن جحش اونٹوں اور قیدیوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان

Marfat.com

کے اس اقدام سے خوش نہیں ہوئے اور مال غنیمت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا:

((یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر وصد عن سبیل الله و کفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اکبر عند الله والفتنة اکبر من القتل))

''لوگ آپ سے حرام مہینوں میں جنگ کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ان میں جنگ کرنا بہت بڑا گناہ تو ہے (لیکن) اللہ کی راہ سے روکنا، کفر کرنا اور مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور اہل مسجد کو وہاں سے نکال دینا تو اس سے بھی بڑا گناہ اللہ کے نزدیک ہے اور فتنہ انگیزی تو قتل وخوں ریزی سے بھی بڑھ کر سنگین گناہ ہے۔''

پھر اور بھی واضح الفاظ میں فرما دیا:

''کفار اسی طرح ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ (اے مسلمانو!) تمہیں کافر نہ بنا لیں۔''

اس حکم ربانی سے آپ کو اطمینان حاصل ہوا اور پھر آپ نے مال غنیمت اور قیدیوں کے مسائل بھی حل فرما دیئے۔ بنو قریش نے فدیہ دے کر ان کی ہائی کا مطالبہ کیا تو آپ ایک شرط پر راضی ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش نخلہ روانہ ہوئے تو راستے میں ان کے دو ساتھیوں حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کے اونٹ بھاگ گئے تھے۔ وہ ان کی تلاش میں پیچھے رہ گئے تھے کہ بنو قریش نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اس لیے آپ نے بنو قریش سے کہہ دیا:

''وہ ان دونوں کو صحیح سلامت بھیج دیں تو ان کے قیدی آزاد کر دیئے جائیں گے۔''

اس طرح ان دونوں کی واپسی پر قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ پھر بھی بنو قریش خوش نہیں ہوئے اور انہوں نے انتقام لینے کے لئے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔

علامہ طبری کا خیال ہے کہ عمرو بن حضرمی کا قتل ہی ''معرکہ بدر'' کا اصلی محرک ثابت ہوا۔ مشرکوں اور مسلمانوں میں لڑائیوں کا سلسلہ اسی واقعے کی وجہ سے شروع ہوا اور انتقام وقصاص کی آگ نے بنو قریش کو مدینے پر حملہ کرنے کیلئے ابھار دیا۔

ہجرت نبوی اور غزوۂ بدر کے درمیانی عرصہ (ربیع الاول سنہ 1 ہجری تا رمضان سنہ 2 ہجری/ ستمبر سنہ 622ء تا تاریخ سنہ 624ء) کے دوران پیش آنے والے غزوات وسرایا کو جدید مورخین اور مستشرقین نے ابتدائی مہموں کا عنوان دیا ہے۔ مشہور ومتداول روایات کے مطابق ان کی تعداد آٹھ تھی، جن میں چار غزوات تھے اور چار سرایا، لیکن محمد بن حبیب بغدادی کے مطابق ان کی تعداد دس تھی یا شاید اس سے بھی زیادہ۔

ان کی تعداد اور ان کے مقاصد ومحرکات سے قطع نظر، اس حقیقت پر تمام قدیم واصلی مصادر اور جدید تحقیقات کا اتفاق ہے کہ پہلے سات یا نو غزوات وسرایا میں مسلمانوں کو کچھ نہیں ملا۔ اقتصادی لحاظ سے وہ نہ صرف بے برگ وبار اور بے ثمر وبے فائدہ رہے بلکہ سراسر نقصان اور گھاٹے کا سودا تھے، حالانکہ مقاصد ومحرکات کے لحاظ سے وہ پوری طرح کامیاب

Marfat.com

وبا مراد رہے۔ یہ بظاہر متضاد صورت حال یوں ہے کہ ان میں زیادہ تر کا مقصد لوٹ مار اور اموال غنیمت کا حصول نہ تھا کہ وہ فوجی مہمات یا جنگی کارروائیاں ہی نہ تھیں۔

سریہ نخلہ..... پہلا مال غنیمت:

البتہ آٹھویں اور بغدادی کے حساب سے دسویں مہم میں مسلمانوں کو پہلا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ یہ نخلا کا سریہ ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہجرت مدینہ کے سولہ ماہ بعد لگ بھگ رجب سنہ 2 ہجری/ جنوری سنہ 624ء میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن جحش اسدی خزیمی حلیف بنی امیہ کی کمان میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا تھا۔ ان کی منزل نخلہ نامی مقام تھا جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان اہم تجارتی شاہرہ پر واقع تھا۔ اس مہم کا مقصد یہ تھا کہ قریشی ارادوں اور مکی عزوئم کا پتہ لگائیں۔ گویا وہ ایک تفتیشی مہم تھی جس کا مقصد جنگ کرنا یا مال غنیمت حاصل کرنا نہ تھا۔

لیکن حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ اس مسلم طلیعہ (اطلاعی جماعت) کو طائف سے آنے والے ایک مختصر قریشی کارواں پر حملہ کرنا پڑا، جس کے نتیجہ میں مکی قافلہ کا ایک فرد عمرو ابن الحضر می مارا گیا اور دو وہ گرفتار ہوئے اور کچھ مال غنیمت بھی ملا۔ باقی کارواں بچ کر نکل گیا۔ اس قافلہ کے مذکورہ چار افراد میں بنومخزوم کے عثمان بن عبداللہ اور ان کے بھائی نوفل کے علاوہ ان کے دو حلیفوں عمرو بن الحضر می اور حکم بن کیسان کے نام گنائے گئے ہیں۔ شاید چار اشخاص اس کے مالک بھی تھے اور محافظ بھی۔ یہ دراصل قریشی یا مکی کارواں کی بجائے خاندان بنومخزوم کے دو افراد اور ان کے حلیفوں کا معمولی تجارتی قافلہ تھا۔

اب رہا اس مخزومی قافلے سے حاصل ہونے والا مال غنیمت کا معاملہ تو قدیم مصادر و مآخذ کی روایت و بیانات میں اختلافات کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا ابہام بھی پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق، ابن ہشام، یعقوبی اور طبری کے مطابق اس میں صرف کھجوریں (زبیب) کھالیں اور کچھ دوسرا سامان تجارت (تجارۃ) تھا۔ جبکہ واقدی اور ابن سعد کی روایات میں کھجوروں (زبیب) اور کھالوں (قدم) کے علاوہ کچھ شراب (خمر) کا وعاذکر ہے اور نا معلوم سامان تجارت (تجارۃ من تجارت قریش) کا حوالہ یا ذکر نہیں ہے، یعنی جس کو دو سے مآخذ اور مستند مؤلفین سامان تجارت (تجارۃ) سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ ابہام پیدا کرتے ہیں، وہ واقدی اور ابن سعد کی روایات سے واضح ہو جاتا ہے اور طائف سے آنے والے مخزومی کارواں سے ملنے والے کل مال غنیمت کا پتہ چل جاتا ہے۔ دوسرے مستند مؤرخین و اہل قلم کا بیان بھی ناقص اور مبہم ہے۔ ابن خلدون نے صرف ''تجارۃ'' کا حوالہ دیا ہے اور ابن اثیر نے زبیب وغیرہ کہا ہے۔ بلاذری اور ابن کثیر نے کارواں (عیر) کا حوالہ تو دیا ہے مگر اس میں شامل اشیائے تجارت کا ذکر کیا ہے اور نہ اس سے ملنے والے مال غنیمت کا۔

ان تمام روایات میں غالباً واقدی اور ابن سعد کی روایات سب سے مستند اور قابل اعتماد ہیں۔ ان کے مطابق مخزومی کارواں صرف تین اشیائے تجارت سوکھی کھجوریں، چمڑے کی کھالیں اور شراب کے مشکیزے لے جا رہے تھے۔ مقامی تجارت خاص کر مکہ مکرمہ اور طائف کے مابین ہونے والی تجارت کی یہی روایتی چیزیں تھیں۔ دوسرے یہ کہ ان دونوں استاد و شاگرد کی روایات میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔ جبکہ بعض ابتدائی اور متاخر مولفین سیرت اور مورخین نے کچھ مال تجارت کو نکرہ (تجارۃ) غیر متعین و نا معلوم رکھ کر غلط فہمی کا دروازہ بھی کھولا اور مخزومی کارواں یا اس سے ملنے والے مال غنیمت کے

Marfat.com

بارے میں خواہ مخواہ اختلاف وابہام پیدا کیا۔شراب ناب (خمر) کی بجائے ''تجارۃ'' لفظ استعمال کرنے کے سلسلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے نام سے احتراز کا سبب بعد کے اسلامی احکام کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے تقویٰ کا احساس کارفرما تھا۔

مخزومی قافلہ تجارت اور اس سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کی مقدار کا علم کسی بھی ذریعہ سے نہیں ہوتا۔ یہاں کچھ صریح روایات اور بعض قرآئن کی مدد سے اس کی مقدار اور مالیت کا تخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔ بیشتر مستند مآخذ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بنومخزوم کے چار افراد کا کارواں تھا اور وہ طائف سے مکہ مکرمہ آرہا تھا۔یعنی وہ قریشی یا مکی کارواں نہ تھا اور پورے خاندان بنومخزوم کا قافلہ بھی نہ تھا، وہ محض چند افراد کا معمولی کارواں تھا۔طائف سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقامی تجارت کا ایک قافلہ تھا جو طائف کی مشہور اشیائے تجارت، کھالیں، زبیب اور شراب لارہا تھا۔قافلہ میں صرف چار افراد اور چند جانور تھے۔اگر وہ کوئی بڑا کارواں ہوتا تو جانوروں، باربرداروں اور محافظوں کی تعداد کافی زیادہ ہوتی۔ سارا سامان تجارت گھریلو استعمال کی چیزوں پر مشتمل تھا۔ یہ اشیائے تجارت مقدار میں زیادہ تھیں نہ قیمت میں۔ مکہ مکرمہ میں عام گھریلو مکھپت کے لیے شراب اور کھجوریں درآمد کی گئی تھیں۔ان دونوں کے سوا کھالیں تجارتی مقاصد کے لیے ہوسکتی تھیں لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔لہٰذا وہ بھی گھریلو ضرورت ہی کے لیے تھیں اور غالباً تعداد میں کافی کم تھیں۔ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے مستند مورخین اور تمام قدیم وجدید سیرت نگار مخزومی کارواں اور اس کے تجارتی سامان، خاص کر اس سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا تذکرہ بہت سرسری کرتے ہیں، ورنہ دوسرے غزوات وسرایا میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت کا ذکر وہ بہت تفصیل سے کرتے ہیں اور اعداد وشمار کے ذریعہ اس کو مدلل کرتے ہیں، حالانکہ یہ مسلمانوں کے ہاتھ لگنے والا پہلا مسلم مال غنیمت تھا۔اس لیے اس کا تذکرہ بہت جوش وخروش اور تفصیل کے ساتھ کرنا چاہیے تھا۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پہلا مال غنیمت قابل بیان تھا ہی نہیں۔

مگر مستشرقین نے اور ان کی پیروی میں بعض جدید مؤرخین نے ثابت کرنے کی بڑی کوشش کی ہے کہ وہ ایک بڑا تجارتی کارواں تھا اور اس سے مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔اس مقصد کی خاطر انہوں نے حسب معمول بعض غلط بیانیوں سے بھی کام لیا ہے اور بعض حقائق کو توڑا مروڑا بھی ہے۔سب سے پہلے تو انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ قریشی کارواں تھا یعنی پورے قبیلہ قریش کا مال تجارت اس میں لگا ہوا تھا جبکہ وہ صرف چند مخزومی افراد کا قافلہ تھا۔دوسری غلط فہمی یہ پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ جنوب سے آرہا تھا۔وہ طائف کی بجائے جنوب کا عام نام اس لیے لیتے ہیں تاکہ یہ شبہ پیدا ہو کہ وہ یمن کی بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پر سفر کررہا تھا اور یمن کے کسی بین الاقوامی بازار سے آرہا تھا۔ان میں سے کئی نے اشیائے تجارت کا ذکر ضرور کیا ہے مگر اس کے ساتھ وہ اس کو مالا مال یا قیمتی سامان تجارت سے لدا ہوا کارواں قرار دیتے ہیں۔ان کی تمام کوششوں کا مقصود یہ ہے کہ سریہ نخلہ سے ملنے والے مال غنیمت کو خطیر وکثیر اور بہت زیادہ مالیت کا ثابت کریں تاکہ ان کے اس غلط نظریہ کی تائید ہوسکے کہ اس کامیابی نے مسلمانوں کے مال غنیمت کی چاٹ لگادی اور بقیہ کاروائیاں اسی مقصد کی خاطر کی گئیں۔

بہرحال ہمارے مستند مآخذ کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سریہ نخلہ میں زیر بحث مخزومی کارواں معمولی تھا اور

Marfat.com

مستشرقین میں سے کم از کم جان بگٹ غلب نے بڑی دیانت وشرافت کے ساتھ اعتراف کیا ہے:

''وہ ایک چھوٹا سا کارواں تھا اور طائف کی پیداواروں یعنی سوکھی کھجوروں، کھالوں، شراب کے مشکیزوں سے لدا تھا اور صرف چار محافظوں کی حفاظت ونگرانی میں سفر کر رہا تھا۔''

ان تمام روایات، شواہد، قرائن اور بحثوں کے بعد یہ آسان ہو جاتا ہے کہ سریہ نخلہ کی مالیت کا تخمینہ لگایا جائے اور اس سے حاصل شدہ مال غنیمت کی قیمت پہچانی جائے۔ محتاط اندازہ بتاتا ہے کہ اس پہلے مسلم مال غنیمت کی مالیت بیس ہزار درہم سے زیادہ کسی حال میں نہ رہی ہوگی۔ مال نقد وجنس کے علاوہ ایک قیدی بھی ہاتھ لگا تھا جس نے زر فدیہ ادا کر کے جان چھڑائی تھی اور اس سے مہم کے شریک مجاہد کو چالیس اوقیہ چاندی بھی ملی تھی جو ایک اوقیہ برابر چالیس درہم کی شرح کے تبادلہ کے مطابق سولہ سو درہم کے برابر تھی۔ بیس ہزار درہم کل مالیت کا تخمینہ کافی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تخمینہ خالص اندازہ پر مبنی ہے۔ مال غنیمت اس سے کم مالیت کا بھی ہوسکتا ہے مگر زیادہ ہونے کا امکان بہت کم ہے کیونکہ دوسرے اسباب وقرائن کے علاوہ مسلم راویوں کے بیانات اور روایات میں اموال غنیمت کا تذکرہ پوری احتیاط وتفصیل بلکہ جوش وولولہ کے ساتھ ملتا ہے۔ معمولی نوعیت کے مال غنیمت کے بارے میں ان کا عام رجحان فطری معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرسری بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

سریہ نخلہ کے حاصل شدہ مال غنیمت سے محض چھ سے تیرہ مسلمان کسی حد تک مالدار بن گئے تھے، ڈیڑھ دو ہزار درہم کی رقم کو مال کہا جاسکتا ہے، کیونکہ یہی حصہ ہر ایک شریک مجاہد کا بنتا تھا۔ اسلامی قانون کے مطابق چار حصے (اربعۃ اخماس) مسلمان مجاہدوں میں تقسیم ہوئے تھے اور پانچواں حصہ (خمس) بطور حصہ ریاست یا سہم امت مسلمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا اور جس کو آپ غریب ونادار مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے پر خرچ فرماتے تھے۔ بلا تحقیق وجستجو یہ ظاہر ہے کہ اس معمولی رقم سے کتنے غریب ونادار مسلمانوں کی کس حد تک پرورش وکفالت ہوسکی ہوگی۔

اس سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد جب عام مسلمانوں خاص کر مہاجروں کی مالی حالت خستہ وخراب تھی اور جب اسلامی حکومت مدینہ بالکل دیوالیہ تھی اور جب ان کو سب سے زیادہ مالی مدد کی ضرورت تھی تو اس زمانہ ناداری اور عرصہ مفلسی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جسم وروح کا رشتہ اور بدن وجان کا تعلق قائم وبرقرار رکھنے کا کیا ذریعہ ووسیلہ اختیار کیا گیا تھا؟ غزوات وسرایا کو دولت ومال کے حصول واکتساب کا ذریعہ ووسیلہ قرار دینے والے جدید مؤرخین اور مستشرقین کو بھی ناچار یہ اعتراف واقرار کرنا پڑا ہے کہ ہجرت کے بعد پہلے سولہ مہینوں تک یعنی سریہ نخلہ تک مسلمانوں کو تمام مہم جوئی اور غزوہ فوج کشی کے باوجود کوئی غنیمت نہیں ملی۔ بلکہ مسلم روایات کے مطابق مال غنیمت سے اولین استفادہ مسلمانوں کو غزوۂ بدر کے بعد ہوا تھا کیونکہ اس وقت اموال غنیمت کی تقسیم کے قوانین مقرر ونافذ نہیں ہوئے تھے۔ سریہ نخلہ کا مال غنیمت بعض روایات کے مطابق اس وقت تقسیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کو بھی روک لیا گیا تھا اور اس کی تقسیم بھی بدر کے مال غنیمت کے ساتھ عمل میں آئی تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہجرت مدینہ کے تقریباً اٹھارہ ماہ بعد تک مسلمانوں کو مال غنیمت سے کوئی مالی فائدہ نہیں پہنچا تھا۔

اگر پوری عرصہ ابتلاء اور زمانہ افلاس میں مسلمانوں اور مہاجرین کا ذریعہ معاش انصار کرام کی فیاضی

Marfat.com

ومہمانداری اور سخاوت وجود وکرم تھا جسے مواخاۃ نے قانونی شکل بھی دے دی تھی۔اس کے علاوہ دوسرے پر امن ذرائع تھے جو مہاجروں تے خاص کر اختیار کیے تھے۔اگر چہ مہاجرین کے لیے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا تا ہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے،وہ دست وبازو سے کام لینے کے خوگر تھے۔دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی،لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے دکانیں کھول لیں۔ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارخانہ مقام ''سخ''میں تھا، جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنوقینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید وفروخت کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی۔

غزوۂ بدر

(جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ مطابق ۱۳ مارچ ۶۲۴ء)

ابوسفیان کا تجارتی قافلہ:

اسی زمانے میں قریش کا تجارتی قافلہ شام سے بہت سا قیمتی مال لے کر واپس مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ابوسفیان میر کارواں تھا۔اس نے انہیں خبر بھیجی کہ مسلمان قافلے پر حملہ کر کے اسے لوٹنے کی نیت رکھتے ہیں۔اس لیے فوراً اس کی حفاظت کے لئے فوج روانہ کی جائے گی۔اگر چہ مسلمان اس حالت میں ہی نہ تھے کہ وہ قریش کے خلاف کوئی فوجی اقدام کر سکتے، پھر بھی دشمن نے ابوسفیان کی بے بنیاد خبر پر بھروسہ کر کے فوج بھیج دی۔اس عرصے میں ان کا قافلہ بخیریت مدینے سے گزر چکا تھا۔اس لیے ابوسفیان نے فوج کے قائدین کو مشورہ دیا کہ وہ اب واپس چلے جائیں مگر ابوجہل کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہوں نے اس مشورہ پر عمل نہیں کیا اور وہ برابر مدینے کی طرف بڑھتے رہے۔

ابن اسحاق کی ایک روایت کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ قریشی قافلہ شام سے واپس آ رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو بلایا اور قافلے کو قبضہ میں لینے کا منصوبہ بنالیا۔ابوسفیان کو آپ کے ارادوں کی خبر ملی تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ مکرمہ بھیج کر اس خطرے کی اطلاع قریش کو دے دی۔

دوسری روایتوں کے مطابق آپ نے ابوسفیان کے تجارتی قافلے کی نقل وحرکت کا پتہ چلانے کیلئے مسلمانوں کو بھیجا تھا لیکن وہ ان کی گرفت سے نکل کر جا چکا تھا۔مورخوں کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ آپ مجاہدوں کو لے کر قریشی قافلے پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے تھے کہ راستے میں پتہ چلا کہ قریش تو ایک بہت بڑی فوج لے کر مدینے کے قریب آ چکے ہیں۔

Marfat.com

جہاد کی اجازت:

جہاد کا حکم تین سورتوں سورۂ حج، سورۂ بقرہ اور سورۂ توبہ میں آیا ہے۔ سورۂ حج کی آیت جہاد یہ ہے:

((اذن للذین یقتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصر هم لقدیر o الذین اخر جوا من دیار هم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع و بیع و صلوات و مسجد یز کر فیها اسم الله کثیرا و لینصرن الله من ینصره ان الله لقوی عزیز))

''جن مسلمانوں پر ظلم کیا گیا انہیں جہاد کی اجازت دی جاتی ہے۔ یقیناً اللہ ان لوگوں کی مدد پر قادر ہے جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا۔ ان کا جرم ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب تو اللہ ہی ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہیں کرتا تو پھر صومعے، گرجے، عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے، منہدم ہو جاتے اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوی و غالب ہے۔''

ابن کثیر، خازن، ترمذی، نسائی اور مسند امام احمد کے مطابق یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں جہاد کی اجازت دی گئی۔ امام زہری کا خیال بھی یہی ہے، لیکن یہ آیت مکی یا مدنی ہے، اس موضوع پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن زبیر اور مجاہد کی رائے میں سورۂ حج مدنی ہے۔ اسی لیے زرقانی اور مواہب لدنیہ میں تحریر ہے کہ جہاد کی اجازت ۱۲ صفر ۲ ہجری کو ملی تھی لیکن تفسیر کبیر کے مطابق یہ مکی صورت ہے۔ اس لحاظ سے جہاد کا حکم ہجرت سے پہلے ہی مل چکا تھا۔ عام رائے یہ ہے کہ سورۂ حج کی کچھ آیتیں مکے میں اور باقی آیتیں ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی تھیں۔ قرطبی نے اسی قول کو سراہا ہے۔

ابن اسحاق کے مطابق ہجرت سے پہلے جہاد کی اجازت مل چکی تھی۔ ''بیعت عقبہ'' سے پہلے تو مسلمان صبر و شکر کے ساتھ کافروں کا ظلم سہتے رہے۔ پھر دوسری ''بیعت عقبہ'' میں ''بیعت الحرب'' ہوئی اور اسی کے بعد جہاد کی اجازت ملی تو مسلمان ہجرت کر کے مدینے جانے لگے۔ ابن اسحاق کے خیال میں بھی جہاد کی اجازت سب سے پہلے سورۂ حج کی مندرجہ بالا آیتوں میں دی گئی۔

دوسری آیت جہاد سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے۔ ابن جریر کے مطابق یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلو نکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین))

''صرف انہیں لوگوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے جو تم سے جنگ کریں اور حد سے نہ بڑھو۔

Marfat.com

بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

اس حکم کی وضاحت اسی کے بعد کی گئی کہ حد سے آگے نہ بڑھنا کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا اور انہیں جہاں پاؤ قتل کرو اور وہاں سے (مکہ سے) نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

((الفتنة اشد من القتل))

''اور فتنہ وفساد و قتل وخونریزی سے بڑا سنگین جرم ہے۔''

اس لیے حکم دیا گیا:

''اور جب تک وہ تم سے مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں جنگ نہ کریں تم بھی ان سے وہاں نہ لڑنا۔ البتہ اگر وہ تم سے وہاں لڑیں تو تم بھی انہیں قتل کر ڈالو۔ کافروں کی سزا یہی ہے۔ اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔''

جہاد کی غرض وغایت بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((وقاتلو هم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله))

''ان سے اس وقت تک جہاد کرو جب تک فتنہ وفساد ختم نہ ہو جائے اور اللہ کے دین کو غلبہ حاصل نہ ہو جائے۔''

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ہدایت کی گئی ہے:

''اگر وہ باز آجائیں تو پھر ظالموں کے علاوہ کسی اور پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔''

تیسری آیت جہاد سورۂ توبہ کی یہ آیت ہے:

((الا تقاتلون قوما نقصوا ايمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدء و كم اول مرة))

''بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ جہاد کرو جنہوں نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا اور رسول کو جلاوطن کرنے کا تہیہ کرلیا اور انہوں نے تم سے عہد شکنی میں بھی پہل کی۔''

پھر فرمایا:

''کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ ڈرنا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے چاہیے بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو۔ ان سے خوب لڑو۔ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب میں مبتلا کرے گا اور رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور مومنین کے سینوں کو شفاء بخشے گا۔''

ان تینوں آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کافروں سے مقابلہ کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا جب وہ حد سے تجاوز کر چکے

Marfat.com

تھے۔انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو ان کے گھروں سے نکال دیا تھا اور پھر بھی انہیں چین نہیں آیا۔انہوں نے مدینے پر حملہ کر دیا تو پھر مجبوراً مسلمانوں کو بھی ان سے اپنے بچاؤ میں لڑنا پڑا۔

لڑائی کے لیے تیاری:

ابوسفیان میر کاررواں نے کفار مکہ کی فوج کو مطلع کر دیا تھا کہ قافلہ بخیر وخوبی مسلمانوں کی زد سے بہت آگے نکل چکا ہے۔اس لیے وہ واپس چلے جائیں۔بنوزہرہ اور بنوعدی نے بھی سب سے یہی کہا:

''اب تو لڑنا ٹھیک نہیں، واپس مکے لے جانے میں سب کی خیریت مضمر ہے۔''

لیکن ابوجہل نے ان مشوروں پر عمل نہیں کیا تو یہ قبیلے اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔معززین میں سے حکیم بن حزام بھی جنگ کے خلاف تھا۔اس نے عتبہ کو منا لیا تھا کہ محض خوں بہا لے کر واپس مکے چلے جائیں۔عتبہ نے یہ تجویز مان لی مگر ابو جہل اپنی ضد پر اڑا رہا۔کہا جاتا ہے کہ اسی کے اشارے پر عمرو بن حضرمی کا بھائی عام ننگا ہو کر چیخنے لگا:

''واعمراہ! واعمراہ'' ہائے عمرو! ہائے عمرو!''

اور اس دہائی کا خاطر خواہ اثر پڑا، سب لڑنے مرنے پر تل گئے اور حکیم بن حزام کی ساری کوششیں رائیگاں ہو گئیں۔

خیمہ زن ہونا:

کافروں نے مدینے سے ساٹھ میل دور بدر کے میدان میں اپنے خیمے نصب کر لیے تھے۔ان میں ابولہب اور ابو سفیان کے علاوہ قریش کے سارے لخت جگر موجود تھے۔وہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کیلئے ایک ہزار جواں مردوں کی فوج لے کر آئے تھے۔وہ سب ساز و سامان جنگ اور آلات حرب سے مسلح و آراستہ تھے۔ان کے پاس سواریوں کی بہتات تھی اور سامان رسد بھی افراط سے موجود تھا اور ہر چیز کا مکمل انتظام کر کے یہ طاقتور جماعت مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے بدر کے تاریخی میدان میں خیمہ زن تھی۔بنوقریش کا اقتدار خطرے میں تھا، ان کی تجارت خطرے میں تھی، ان کے مذہب کو خطرہ لاحق تھا اور اس خطرے سے نجات حاصل کرنے کیلئے وہ نہتے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کی حالت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے اور یہ معاملہ تو سب سے نازک اور سنگین تھا، یہ تو موت و زندگی کا مسئلہ تھا۔اس لیے سب نے ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا اور متفق ہو کر طے کر لیا کہ خطرے کی مدافعت کیلئے شہر سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔اس لیے سب ایک مرکز پر جم ہو کر لڑنے کیلئے نکلے تو ان کی تعداد تین سو تیرہ سے زیادہ نہ تھی۔نہ تو ان میں سے ہر ایک کے پاس اسلحہ تھا اور نہ ہی سب کے لئے سواری کا انتظام تھا۔ان کے پاس صرف دو تین گھوڑے اور آٹھ اونٹ تھے۔بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کسی کے پاس تلوار تھی تو نیزہ نہیں اور کسی کے پاس تیر و کمان تھی تو خنجر پاس نہیں۔پھر یہ مٹھی بھر مسلمانوں کی جماعت رضائے الٰہی کی خاطر کلمۃ اللہ کو اونچا رکھنے کیلئے سربکف ہو کر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئی۔وہ ''امت مسلمہ'' کے مفاد میں اپنی جانوں کو قربان کرنے کیلئے میدان بدر میں اکٹھا ہوئے تھے۔ان کے سامنے ذاتی جاہ و ثروت کو بچانے کا خطرہ نہیں تھا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے تھے۔یہ ایسا مبارک کام تھا جس کی خاطر وہ اپنی جانیں دے سکتے تھے مگر تیر و تلوار کی زد سے بھاگ نہیں سکتے تھے۔

Marfat.com

جنگ کی ابتداء:

مسلمان کافروں کے بعد میدان جنگ میں پہنچے۔ حضرت خباب بن منذر کے مشورے سے انہوں نے آگے بڑھ کر چشمے پر قبضہ کرلیا اور موزوں مقامات پر مورچے بنا لیے۔ رحمت الٰہی سے بارش ہوگئی تو انہوں نے حوض بنا کر پانی کا ذخیرہ غسل و وضو کیلئے جمع کرلیا۔ سورۂ انفال میں اسی رحمت الٰہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ رات ہوئی تو سب آرام کر رہے تھے لیکن صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جو رات بھر سربسجود رہی اور اپنی امت کی خاطر دعا مانگتی رہی۔

صبح ہوتے ہی مجاہدوں نے تلوار کے سائے میں نماز پڑھی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کیلئے آمادہ ایستادہ ہو گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب سے مجاہدوں کی صفیں قائم کر کے دشمن کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ اب ''دو جماعتیں مدمقابل صف آرا تھیں، ایک رضائے الٰہی کی خاطر اور دوسری اللہ کے نام لیواؤں کو منانے کی خاطر'' یکا یک کافروں نے دھاوا بول دیا، مجاہدوں نے ان کا حملہ اپنے سینوں پر روکا اور ہر طرف سے تیر، تلوار اور خنجر کی بارش ہونے لگی۔ یہ بھی عبرت کا مقام تھا کہ مسلمان اپنے بھائی، بیٹے اور باپ سے محض اللہ کے دین کو بچانے کیلئے لڑ رہے تھے۔ اسی پاکیزہ مقصد کی خاطر حضرت ابوبکر اپنے بیٹے سے اور حضرت حذیفہ اپنے باپ سے مصروف جہاد تھے۔

دعائے پیغمبر:

ادھر مٹھی بھر مسلمان طاقت کے پتلوں سے نبرد آزما تھے، ادھر ان کا مقدس قائد نہایت الحان وزاری کے ساتھ یہ دعا مانگ رہا تھا:

((اللھم ان تھلك ھذه العصابة الیوم لا تعبد))

''بارالہا! اگر آج یہ مٹھی بھر مسلمان ہلاک ہو گئے تو پھر قیامت تک تیرا نام لیوا کوئی نہیں رہے گا۔
مولا! آج تو اپنا وعدہ پورا کر، اپنے پرستاروں کی مدد فرما اور انہیں فتح و نصرت سے نواز۔''

ابن اسحاق کے مطابق یہ دعا آپ نے اپنے سائبان ''عریش'' میں جا کر مانگی تھی۔ یہ ''عریش'' آپ کے لئے حضرت سعد بن معاذ نے ایستادہ کیا تھا۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت ابوبکر کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ یہ دعا مانگتے ہی آپ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ بیدار ہوئے تو انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے غیبی امداد حضرت جبریل علیہ السلام کی قیادت میں بھیج دی ہے۔

کفار کی رسوائی:

آخر اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مستجاب ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا ساتھ دیا اور اس نے کافروں کو ان کے ہاتھوں رسوا کر دیا۔ کافروں کا قائد عتبہ اور اس کے ساتھی ابوجہل، امیہ بن خلف اور ابوالبختری مارے گئے۔ ان چودہ رئیسوں میں سے صرف تین زندہ بچے جو ''دارالندوہ'' میں آپ کے قتل کا منصوبہ تیار کرنے میں شریک تھے۔ کافروں کے ستر آدمی کام آئے لیکن صرف چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ اس طرح حق کو فتح ہوئی اور کافروں کو ذلیل ہونا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مرحلے پر مسلمانوں کی مدد کی۔ بارش ہوئی تو اس سے بھی انہیں فائدہ پہنچا اور کافروں کی طرف کیچڑ ہوگیا۔ پھر مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد تھا اور وہ ضبط و نظم کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر ڈٹ گئے تھے۔ اس لیے وہ

Marfat.com

میدان پر چھا گئے اور دشمن کی صفوں میں انتشار پھیل گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا نام بلند رکھنے کیلئے لڑ رہے تھے لیکن کافر اللہ تعالیٰ کا نام مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ظفریاب کیا اور کافروں کو ذلت آمیز شکست اٹھانا پڑی۔

قیدیوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک:

تقریباً ستر آدمی ''معرکہ بدر'' میں گرفتار ہوئے تھے۔ ان میں سے عتبہ اور نضر بن حارث قتل ہوئے باقی قیدیوں کی حیثیت سے مدینہ منورہ لائے گئے۔ ان میں آپ کے چچا حضرت عباس اور آپ کے داماد حضرت ابولعاص اور حضرت علی کے بھائی حضرت عقیل، حضرت مصعب کے بھائی ابوعزیز اور ام المومنین حضرت سودہ کے عزیز حضرت سہیل بن عمرو بھی شامل تھے۔ آپ کی ہدایت سے دو دو چار چار قیدی صحابہ کرام اپنے ساتھ لے گئے اور انہیں گھر والوں کی طرح رکھا۔ مروی ہے کہ وہ خود کھجوروں پر گزارا کرتے لیکن اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے۔ ارشاد نبوی تھا کہ ان کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا جائے اور انہوں نے اس ارشاد پر پابندی سے عمل کیا۔

سہیل بن عمرو مشہور خطیب تھا اور آپ کے خلاف بھرے مجمع میں زہر اگلتا تھا۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کیا:

''اس کے نیچے کے دونوں دانت اکھڑوا دیئے جائیں۔''

لیکن آپ نے فرمایا:

''میں مثلہ کرنے کیلئے مبعوث نہیں کیا گیا ہوں۔''

آپ نے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر فاروق نے تجویز پیش کی کہ سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے رائے دی کہ فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور چار چار ہزار درہم ہر قیدی سے لے کر اسے چھوڑ دیا۔ جو نادار اور مفلس تھے انہیں یوں ہی رہا کر دیا گیا۔ البتہ جو لکھنا جانتے تھے انہیں حکم دیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک دس دس بچوں کو لکھنا سکھائے پھر انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت زید نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ حضرت عباس اور دوسرے صاحب استطاعت قیدیوں سے زیادہ رقم وصول کی گئی۔ آپ کے داماد حضرت ابوالعاص کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ نے مکے میں بی بی زینب کو کہلا بھیجا۔ انہوں نے فدیہ میں وہ ہار بھیج دیا جو حضرت سیدہ خدیجہ نے انہیں جہیز میں عطا کیا تھا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی اور آپ نے صحابہ کرام کی مرضی سے وہ ہار انہیں واپس کر دیا۔

مال غنیمت کی تقسیم:

قیدیوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کا مسئلہ بھی حل کیا۔ مروی ہے کہ آپ نے سب کو برابر برابر حصہ دیا۔ حضرت اسامہ اور حضرت عثمان دونوں مدینے میں آپ کی مرضی سے رہے تھے۔ اس لیے آپ نے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے سوار کو پیدل سے دگنا عطا فرمایا تھا۔ آپ نے کسی کو محروم نہیں رکھا۔ اگر کسی نے کوئی چیز مانگی تو اسے اٹھا کر دے دی اور انکار نہیں فرمایا۔ مثلاً: حضرت ارقم بن ابی الارقم نے آپ سے کوئی چیز مانگی تو آپ نے انہیں وہی چیز عطا فرما دی۔

Marfat.com

معرکہ بدر کی اہمیت:

معرکہ بدر نے بنو قریش کا دم نکال دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ابھرنے کی لاکھ کوشش کی مگر ناکام رہے۔ ان کی جارحانہ طاقت سلب ہو کر رہ گئی۔ وہ محض اپنی بقاء کی خاطر لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ ورنہ ان کے بازو شل ہو چکے تھے اور ان کے دلوں میں اسلام کا رعب بیٹھ چکا تھا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹیانیکا نے بھی تسلیم کیا ہے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت مستحکم ہو گئی، قبیلے خوفزدہ ہو گئے اور یہودیوں کی بالا دستی ختم ہونے لگی۔''

اس طرح ''معرکہ بدر'' کی وجہ سے عرب کی سیاسی حالت بدل گئی، توازن طاقت بنو قریش کے ہاتھ سے نکل گیا اور ''اسلامی ریاست مدینہ'' کا وقار سارے قبیلوں کی نظروں میں بلند ہو گیا۔

حقیقت میں یہ اسلام کی ترقی کا قدم اولین تھا۔ اس معرکے کا ذکر قرآن کی سورۂ انفال میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ''یوم الفرقان'' قرار دیا جس دن اس نے حق و باطل میں فرق کر دیا، حق کو غلبہ حاصل ہوا اور باطل مٹنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو ان کی امداد کے لئے بھیجا۔ کافروں کے دلوں میں دہشت طاری ہو گئی اور وہ مسلمانوں کی تعداد کو اپنے سے دگنا شمار کرنے لگے، لیکن مسلمانوں کی اس نے مدد کی، ان کی ہمت بڑھائی اور ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اس لیے انہیں طاقتور دشمن پر زبردست فتح حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی احسان کو ''معرکہ احد'' کے موقع پر یاد دلایا:

((ولقد نصر کم اللہ ببدرو انتم اذلة فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون))

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی حالانکہ تم بہت ہی کمزور تھے تو پھر اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے شکر گزار بن جاؤ۔''

بدر کی فیصلہ کن فتح تاریخ عالم کا ایک اہم واقعہ ہے جس نے مظلوم مسلمانوں کو نہ صرف عرب بلکہ دنیا کی قسمت کا مالک بنا دیا۔

ابن ہشام کے مطابق:

''فتح بدر کی بدولت سارا حجاز آپ کے قدموں پر گر پڑا۔''

پروفیسر نکلسن کے خیال میں:

''معرکہ مراتھان'' (۴۹۹ قبل مسیح) کی طرح معرکہ بدر بھی تاریخ عالم کی سب سے بڑی اور یادگار جنگوں میں شمار کی جاتی ہے۔''

ڈرمنگھم کی رائے میں:

''بدر عالمی تاریخ کی ان فتوحات میں سے ایک ہے جس نے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا۔ ٹھیک اسی زمانے میں عیسائی یونانیوں نے بت پرست فارسیوں پر فتح حاصل کی جس کی پیشن گوئی قرآن شریف میں پہلے ہی سے کی گئی تھی۔''

اسلام کو فتح بدر سے وہی فائدہ پہنچا جو ''ملوین برج'' کی فتح (۳۱۲ء) سے عیسائیت کو ہوا۔

Marfat.com

مسلمانوں کے لئے بدر کی فتح سب سے مبارک فتح تھی اور یہ تعجب کی بات بھی نہیں کہ انہوں نے اسرائیلوں اور عیسائیوں کی طرح دعویٰ کیا کہ انہیں محض تائید الٰہی کی بدولت کامیابی نصیب ہوئی۔ اگر انہیں شکست ہوتی تو ان کا حشر کیا ہوتا؟ اس کا تصور ہر ایک کر سکتا ہے، یعنی ان کا قتل عام ہوتا۔''

قسطنطین اعظم نے ''ملوین برج'' میں صلیبی علم بلند کر کے عیسائیت کے نام پر اپنے حریفوں پر فتح حاصل کی (۳۱۲ء) ۔ پھر عیسائیوں کو رومیوں کے ظلم و ستم سے نجات ملی اور ان کے مذہب کو فروغ حاصل ہوا۔ عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا اور تلوار کے زور سے اسے کافروں و بت پرستوں پر مسلط کر دیا گیا۔ اگر قسطنطین کو غلبہ حاصل نہ ہوتا تو عیسائیت کا حشر بہت ہی برا ہوتا اور اسے بالکل مٹا دیا جاتا۔ بالکل اسی طرح اگر بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب نہ ہوتی تو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس الفاظ میں:

''اللہ کا نام لینے والی مٹھی بھر جماعت نیست و نابود ہو جاتی اور پھر اس کا نام لینے والا صفحہ ہستی پر کوئی بھی نہیں رہتا۔''

اسی لیے اسے ''سقوط بیسٹائل'' (۱۴ جولائی ۱۷۸۹ء) کے تاریخی واقعے کی طرح اہم اور انقلابی واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ سچ پوچھیے تو فتح بدر اس سے بھی زیادہ دور رس نتائج کی حامل نظر آتی ہے۔ ''سقوط بیسٹائل'' کے بعد انقلاب فرانس نے سارے یورپ کو اپنے آغوش میں لے لیا، لیکن فتح بدر نے ساری دنیا میں انقلاب بپا کر دیا۔ الغرض ''فتح بدر'' تاریخ عالم کی فیصلہ کن فتوحات میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ فتح مراتھاں ہو یا فتح ملوین برج، فتح نینوی ہو یا سقوط بیسٹائل ان سب سے زیادہ اہم اور شاندار فتح ''فتح بدر'' ہے جس کے عالمگیر انقلابی اثرات نے ساری انسانیت کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

معرکہ بدر کا نتیجہ.....ابوسفیان کی سیادت:

''معرکہ بدر'' کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ اس جنگ میں مشاہیر قریش مارے گئے۔ عتبہ، شیبہ، ابو جہل، ابوالبختری، امیہ بن خلف، حارث بن عام، زمعہ بن اسود، نذر بن حارث، طعیمہ بن عدی، عقبہ بن ابی معیط، نوفل بن خویلد، منبہ بن الحجاج اور اس کا بھائی نبیہ میدان جنگ میں کھیت رہے۔ یہ سب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیفر کردار کو پہنچا کر اسلام کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ اب بنو قریش میں کوئی ایسا پایہ کا آدمی نہیں تھا جو ان کی قیادت سنبھالتا اور مسلمانوں سے ان کے سرداوں کا انتقام لے سکتا۔ صرف ابوسفیان باقی تھا جو شروع ہی سے مکے کی سیاست میں برابر سے حصہ لے چکا تھا اور تجارتی و فوجی معاملات پر تھوڑا بہت دسترس بھی رکھتا تھا۔ اب اس کے لئے میدان بالکل خالی تھا۔ اس لیے سب نے مل کر اسے اپنا رئیس بنا لیا اور قصاص لینے کیلئے تیاریاں شروع کر دیں۔

معرکہ بدر کا نتیجہ.....ابولہب کا انجام:

اس المیہ کی خبر سنتے ہی ابولہب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ پھر بخار نے حملہ کیا اور وہ ایک ہفتہ کے اندر اندر اس صدمہ جانکاہ کی تاب نہ لاتے ہوئے واصل جہنم ہو گیا۔ اس طرح ''سورۂ لہب'' کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری اتری۔ ابولہب کے خاندان کو ادبار و نکبت نے گھیر لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کا خاندان تباہ و برباد ہو گیا اور دنیا میں اس کا نام لینے والا کوئی بھی باقی نہ رہا۔

Marfat.com

معرکہ بدر کا نتیجہ.....قصاص کا نعرہ:

ابوسفیان نے رئیس بنتے ہی انتقام کا نعرہ لگایا۔اس نے عہد کیا کہ وہ جب تک ''معرکہ بدر'' کی شکست کا بدلہ اور شرفائے قریش کے خون کا انتقام نہیں لے گا،اس وقت تک نہ تو سر میں تیل لگائے گا اور نہ ہی غسل جنابت کرے گا۔یہودی سرغنہ کعب بن اشرف کے اشاروں پر بنو قریش حرم کعبہ میں جمع ہوئے اور اس کا پردہ تھام کر مسلمانوں سے بدلہ لینے کا عہد کیا۔ہندہ نے اپنے باپ عتبہ،اپنے چچا شیبہ اور بھائی ولید کا انتقام لینے کی قسم کھائی۔اس کی کوششوں سے عورتوں میں بھی انتقام کی لہر دوڑ گئی۔انہوں نے دو ممتاز شاعر عمرو جمحی اور مسافع کی خدمات حاصل کیں۔ان دونوں نے قبائل کا دورہ کیا اور مقتولین کا مرثیہ سنا سنا کر قصاص وانتقام کی آگ ہر جگہ مشتعل کر دی۔

معرکہ بدر کا نتیجہ.....قتل رسول کی سازش:

''معرکہ بدر'' میں صفوان کا باپ امیہ بن خلف مارا گیا تھا۔عمیر بن وہب کا بیٹا مسلمانوں کی قید میں تھا اس لیے وہ بھی انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔صفوان نے اسے قتل رسول پر آمادہ کر لیا،اس کے اہل وعیال کی پرورش کا ذمہ اٹھایا اور اس کا قرض چکانے کا وعدہ بھی کر لیا۔اسے اس سے زیادہ اور کسی بات کی فکر نہ تھی۔زہر میں تلوار بجھا کر سیدھا بارگاہ رسالت میں پہنچا،لیکن وہاں کا منظر ہی دوسرا تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نیت کو بھانپ چکے تھے۔آپ نے پوچھ گچھ کی تو راز فاش ہو گیا اور اس نے سب کچھ قبول دیا۔پھر آپ کی ''شان نبوت'' سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

غزوہ بدر کا مال غنیمت:

غزوہ بدر پہلا معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کو پہلا اصلی مال غنیمت ملا جس طرح سرایا میں نخلہ کا سریہ پہلا موقع تھا جو اولین مال غنیمت لایا تھا۔مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ غزوہ ہجرت نبوی کے اٹھارہ ماہ بعد 17 رمضان سنہ 2 ہجری 24/مارچ سنہ 624ء کو قریش مکہ کی تین گنی فوج کے ساتھ میدان بدر میں پیش آیا تھا۔مسلمانوں کی کمزور نہتی،بے بس اور معمولی فوج نے نہ صرف اپنے سے تین گنا بڑی،بہت زیادہ طاقتور اور پوری طرح لیس فوج کو چند گھنٹوں کی جنگ کے دوران ہرا دیا تھا،بلکہ عرب کی سب سے طاقتور اور سیاسی قوت کے لحاظ سے عظیم ترین فوج کو تتر بتر کر دیا تھا۔اس فتح عظیم کے نتیجہ میں فاتح غازیوں اور مجاہدوں کو بہت مال غنیمت ملا تھا۔

یہ مال غنیمت ہتھیاروں،مویشیوں،گھوڑوں اور دوسرے سامان رسد کے علاوہ قریشی تجارتی مال کی کثیر مقدار پر بھی مشتمل تھا جو تاجرانِ مکہ اپنے ساتھ تجارتی اغراض سے لائے تھے اور بدر کے بازار میں اس کی فروخت سے کثیر نفع کمانے کی توقع رکھتے تھے۔اسلحہ (سلاح) میں تلواروں (سیوف) زرہ بکتروں (درع)،چرمی یا سوتی خودوں (مغافر) آہنی خودوں (بیض)،نیزوں (رماح)،چھوٹے نیزوں (عنز) کا ذکر ملتا ہے۔مگر ان کی مقدار و تعداد کی ذکر نہیں ملتا۔غالباً تعداد میں وہ کافی کم تھے۔عام جنگ مغلوبہ کے دوران بھی اسلحہ غالباً بہت کم ملا تھا۔البتہ سلب (اسلاب) میں ہتھیار زیادہ حاصل ہوئے تھے جو مفتوح ومقتول دشمنوں کے ذاتی اسلحے ہوتے تھے اور فتح کے بعد فاتحوں کے ہاتھ لگتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے میدان کارزار سے فرار ہونے والے قریشی سپاہیوں کے اسلحے بھی ان میں شامل تھے۔ان دونوں حقیقتوں کے علاوہ دوسری روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

مقبوضہ ہتھیاروں کی تعداد کافی کم تھی، کیونکہ سب سے زیادہ مشہور اور مستند روایت کے مطابق مقتولین مکہ کی تعداد ستر تھی اور اتنی ہی تعداد جنگی اسیران قریش کی تھی۔ دوسری جانب ان روایات کو بھی بہر حال مدنظر رکھنا چاہیے جن میں قریشی مقتولوں اور قیدیوں دونوں کی مجموعی تعداد سو سے زیادہ نہیں۔ متعدد جدید مورخین کا رجحان موخر الذکر روایات کے قبول کرنے کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں مقبوضہ ہتھیاروں کی تعداد اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ مسلم فوج کے چودہ مجاہد شہید ہوئے تھے۔ غالباً ان کے ہتھیار، اسلحے اور دوسری چیزیں ان کے قریشی قاتلوں کو بطور اسلاب ملی تھیں۔ ان تمام روایات و امکانات کو مدنظر رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہتھیاروں پر مشتمل مال غنیمت زیادہ سے زیادہ ایک ہزار اسلحوں اور ہر قسم کے لگ بھگ ڈیڑھ سو خنجروں پر مشتمل تھا۔

مویشیوں پر مشتمل مال غنیمت میں انٹوں (بعیر) کی کل تعداد ایک سو پچاس اور گھوڑوں (فرس) کی تعداد صرف دس تھی۔ دوسرے سامان میں زیادہ تر استعمال کے کپڑے (ثیاب) اور چٹائیاں (انطاع) تھیں۔ اگرچہ ان کی مقدار و تعداد کا علم نہیں ہو سکا تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ بہت زیادہ نہیں تھیں لیکن سامان تجارت جو کھالوں (ادم) پر مشتمل تھا، بہر حال خاصی بڑی مقدار و تعداد میں تھا اور غالباً سب کا سب شکست خوردہ قریشی فوج کے لشکر گاہ سے مسلم فاتحوں کے ہاتھ لگا تھا۔

اموال غنیمت کی تقسیم سے پہلے تاریخی روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل تھا کہ دشمن سے حاصل شدہ اشیاء میں کسی بھی چیز کو اپنے لیے پسند فرما لیں۔ اصلاح میں اس کو ''صفی'' کہا جاتا ہے۔ بعض روایات میں لفظ ''نفل'' بھی استعمال ہوا ہے۔ غزاوات میں چونکہ آپ موجود ہوئے تھے اس لیے اپنی صفی خود پسند فرماتے تھے اور سرایا میں قائدین اور سپہ سالار کبھی اپنی صوابدیدہ سے اور کبھی آپ کی پسند کے موافق ''حق نبوی'' کے تحفظ کا التزام کرتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رحمت عام اور جود بیکراں کے سبب اکثر و بیشتر صفی اپنے پاس نہیں رکھتے تھے، بلکہ عام طور سے کسی نہ کسی صحابی جلیل کو ان کی ضرورت یا خدمات کی بنا پر عطا فرما دیتے تھے۔ بدر کے مال غنیمت میں آپ نے مشہور عالم تلوار ذوالفقار نامی بطور ''صفی'' اپنے لیے پسند فرمائی جو مستند ترین روایات کے مطابق میدان بدر میں کھیت رہنے والے ایک بڑے مکی سردار منبہ بن حجاج سہمی کی رہی تھی۔ بعد میں آپ نے وہ پسندیدہ تلوار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا کر دی تھی اور وہ ان کے خاندان میں موروثی طور سے منتقل ہوتی رہی تھی۔

غزوہ بدر کے اموال غنیمت کی جمع و تقسیم کے بارے میں ہمارے مآخذ میں بہت سی روایات پائی جاتی ہیں جن سے بعض اہم نکات سامنے آتے ہیں:

اول یہ کہ مجاہدین اور غازیان بدر کی تقسیم سہ گانہ تھی۔ کچھ نے صرف جہاد سے واسطہ رکھا اور قیدیوں کو بھی گرفتار کرتے رہے۔ ایک جاں نثار طبقہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظت کی غرض سے گھیرے میں لے لیا۔ مبادا مشرکین مکہ پلٹ کر حملہ کر دیں اور ایک گروہ غنائم جمع کرنے میں لگا رہا۔ تقسیم غنائم کے وقت ان میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ وہ اپنی خدمات اور کارکردگی کے سبب اموالِ غنیمت کا زیادہ حقدار ہے۔ مجاہدین کے اس اختلاف کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے تقسیم غنائم کا حق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق و عدل کے تقاضوں کے مطابق تمام مجاہدین

Marfat.com

اور شرکاء جنگ کو برابر برابر حصہ عطا فرمایا۔ تقسیم سے پہلے آپ نے اسلامی ریاست کا حصہ جو اموال غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) تھا نکال لیا اور بطور سربراہ امت اس کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ بطور سپاہی و شریک جہاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک مجاہد کے بطور صرف ایک عام حصہ ملا۔ مجاہدین کا عمومی تاثر تھا کہ مال غنیمت بہت کم تھا کہ ان کی توقع زیادہ تھی۔

اموال غنیمت میں اسلاب/سلب (اسلحہ) کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کی تقسیم عام نہیں ہوئی کیونکہ اسلامی احکام اور جاہلی روایات کے مطابق بھی سلب اس مرد فاتح کا حصہ ہوتا تھا جو دشمن یا مقتول سے اسے حاصل کرتا تھا۔ لہٰذا غزوۂ بدر میں جو اسلاب ملے وہ ان فاتحوں کے حصہ خاص میں آئے جنہوں نے ہارے ہوئے دشمن سے حاصل کیا تھا اور وہ ان کے حصہ عام سے الگ حصہ خاص تھا۔

اسی طرح دوسرا حصہ خاص زرفدیہ تھا جو قریشی جنگی قیدیوں سے حاصل کیا گیا تھا، کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق قید کرنے والے غازی کا یہ دستوری اور اخلاقی حق تھا۔ اس میں بھی عام مجاہدین کو حصہ نہیں ملا تھا جبکہ قیدی پکڑنے والے غازیوں کو ان کے عام حصہ کے علاوہ زرفدیہ بھی ملا تھا۔

صفئ رسول اللہ، خمس ریاست اسلامی، اسلاب مقتولین اور قوم فدیہ اسیران نکالنے کے بعد جو عام مال غنیمت بچا وہ چار حصے تھے (اربعۃ اخماس) اور ان چار حصوں کو تمام بدری مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔ کل حصوں کی تعداد تین سو پچیس تھی، تین سو سترہ غازیوں اور مجاہدوں کے جو میدان بدر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ جہاد میں شریک رہے تھے۔ چار حصے ان دو گھوڑوں کے لگائے گئے جو وہ مسلم شہسواروں کے ساتھ شریک جنگ تھے اور باقی آٹھ حصے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے فوجی، سیاسی یا تہذیبی کاموں کی خاطر شریک سے روک دیا تھا یا جن کو مدینہ منورہ میں بعض فوری اور اہم خدمات سرانجام دینے کے لیے تعینات کیا گیا تھا اور ان اسباب سے وہ غزوہ بدر میں بذات خود شریک نہ ہو سکے تھے۔ چونکہ ان کی میدان جنگ سے غیر حاضری ان کی اپنی مرضی سے نہیں ہوئی تھی بلکہ منشائے نبوت تھی لہٰذا ان کو نہ صرف بدر کے اموال غنیمت میں سے عام حصہ مجاہد کا مستحق قرار دیا گیا بلکہ ان کو ''بدری'' ہونے کے مقام و مرتبہ سے بھی سرفراز کیا گیا۔

ہمارے مستند مورخین نے عام حصہ غنیمت کے بارے میں بہت دلچسپ اور اہم معلومات فراہم کی ہیں جن سے تقسیم غنائم کی تفصیل کے علاوہ ہر حصہ کی قیمت و مالیت متعین کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ غزوہ بدر کے غازیوں اور مجاہدوں میں سے کسی کے حصہ میں ایک اونٹ (بعیر) اور کچھ دوسرا سامان ضرورت (رشۃ) آیا تھا تو بعض کے حصہ میں دو اونٹ (بعیران) آئے تھے اور دوسرے مجاہدوں کو کچھ کھالیں ان کے حصہ کے بطور ملی تھیں۔ غنیمت کے اعتبار سے غانمین (مال غنیمت پانے والوں) کے تین طبقے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور مجاہد جو عام حصہ غنیمت ملا تھا وہ مشہور دشمن اسلام اور قریشی لشکر کے سالار اعلیٰ ابوجہل مخزومی کا اونٹ (جمل) تھا۔ بہر حال ان تینوں طبقات غانمین کو جو حصہ غنیمت (سہم) ملا تھا وہ قیمت و مالیت کے اعتبار سے مساوی اور برابر تھا۔ ان میں معمولی فرق ممکن تھا مگر تمام حصص (سہان) اوسط قیمت کے لحاظ سے برابر تھے کہ عدل و انصاف کا تقاضا تھا اور اسی پر روایات کے اصرار و اتفاق بھی نظر آتا ہے۔

Marfat.com

اگر چہ غزوہ بدر میں حاصل شدہ غنیمت کی صحیح مالیت اور پکی قیمت متعین کرنا خاصی مشکل کام ہے تاہم ناممکن نہیں۔ ہمارے مآخذ ومصادر میں بعض ایسے حقائق، اشارات وقرائن پائے جاتے ہیں جن کی مدد سے کم از کم اس کا ایک موٹا سا تخمینہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے جو اصل قیمت اور حقیقی مالیت سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں یہ نکتہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ غزوۂ بدر میں ملنے والا مال غنیمت مسلم جانبازوں کی توقعات سے کہیں کم تھا جس پر ان کو بروایت واقدی کافی مایوسی اور جھنجھلاہٹ ہوئی تھی، بالواسطہ طور سے یہ عام تبصرہ بھی بتاتا ہے کہ فی کس حصہ غنیمت بہت کم تھا یا اس کی مالیت کافی حقیر تھی۔ بہر حال فی کس حصہ غنیمت کے بارے میں جو روایات وبیانات ہمارے مآخذ میں ملتے ہیں انہی کی بنیاد پر کل غنیمت کی مالیت جانچی جاسکتی ہے۔ جہاں تک غانمین کے دو طبقات کا تعلق ہے یعنی پہلے اور تیسرے طبقہ کا تو ان کے حصہ میں قیمت کا تخمینہ لگانا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ ان دونوں کے حصوں میں یا تو ''کچھ سامان ضرورت'' بھی شامل ہے یا کچھ کچھ کھالیں اور ان دونوں میں بھی کسی ایک کی نہ تو مقدار وتعداد معلوم ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی کی قیمت، خوش قسمتی سے دوسرے حصہ کی بنیاد پر ایک عام حصہ مجاہد کا تخمینہ لگایا جاسکتا ہے اور اسی کی بنیاد پر کل غنیمت کا۔ اسی سلسلہ میں ایک اہم نکتہ اور رہنما واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اونٹ بطور عام حصہ غنیمت ملا تھا وہ عام مسلم غانمین کے دو اونٹوں پر مشتمل ایک حصہ کے مساوی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اچھی قیمت اور عمدہ نسل کا ایک اونٹ عام قسم کے دو اونٹوں کے برابر قرار دیا گیا تھا۔

مشہور مغازی نگار واقدی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عام یا معیاری حصہ غنیمت فی کس معمولی یا عام قسم کے دو اونٹ تھے۔ ان کے علاوہ متعدد دوسرے مستند سیرت نگاروں اور معتمد محدثوں کی روایات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک معمولی اونٹ تیس سے چالیس درہم میں مل جاتا تھا۔ اب اگر اس شرح کی آخری حد بھی فرض کس لی جائے تو ایک عام یا معیاری حصہ غنیمت (سہم) کی مالیت اسی درہم بنتی ہے۔

اس حساب سے کل منقولہ سامان غنیمت جو مسلمان مجاہدوں کے معیاری حصوں پر مشتمل تھا صرف چھبیس ہزار درہم کی مالیت کا تھا (80*325)۔ اس میں اگر اسلامی ریاست کے خمس کی قیمت جوڑ دی جائے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں غریب مسلمانوں کی ضروریات کے لئے آیا تھا تو اس کا میزان چھ ہزار پانچ سو (6500) درہم بن جاتا ہے۔ صفی رسول اکرم کی قیمت کا اندازہ زیادہ سے زیادہ دو سو پچاس (250) درہم لگایا جاسکتا ہے۔ اس طرح غزوۂ بدر کے کل اموال غنیمت کا ایک موٹا سا تخمینہ بتیس ہزار سات سو پچاس (32750) درہم بن جاتا ہے۔ مجموعی اعتبار سے یہ رقم کافی زیادہ اور وقیع معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر فی کس حصہ کی قیمت کے اعتبار سے دیکھی جائے تو وہ بلاشبہ بہت ہی حقیر رقم ثابت ہوتی ہے اور اس سے واقدی کے مذکورہ بالا بیان یا روایت کی بڑی حد تک تصدیق ہوتی ہے۔

عام مال غنیمت سے نسبتاً کہیں زیادہ وقیع وہ زرفدیہ تھا جو اسیران بدر نے یا ان کے اعزو اقربا یا اہل قبیلہ نے ان کی رہائی کی خاطر مسلمانوں کو ادا کیا تھا۔ وہ ہمارے مآخذ کی مستند روایات کے مطابق زیادہ سے زیادہ چار ہزار درہم (4000) فی کس مقرر کیا گیا تھا مگر حالات وحقائق کو مدنظر رکھ کر (4000) چار ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار (1000) درہم فی کس وصول کیا گیا تھا۔ زرفدیہ کی مختلف شرحوں کے بارے میں یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ مختلف یا متعدد شرحیں

Marfat.com

قریشی اسیروں کے اقتصادی اور سماجی پس منظر کو مدنظر رکھ کر مقرر یا وصول کی گئی تھیں۔

سیرتی مآخذ اور تاریخی مصادر میں قریشی قیدیوں کی تعداد کے بارے مختلف روایات ملتی ہیں جن کی طرف ہلکا سا اشارہ اوپر گزر چکا ہے۔ بہر حال اس اختلاف روایات کے باوجود بیشتر مورخین کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد ستر (70) تھی اور اس کو مستند بھی سمجھا گیا ہے۔ ہمارے مآخذ قریشی قیدیوں کی تعداد تو بتاتے ہیں لیکن یہ وضاحت نہیں کرتے کہ ان میں سے کتنوں نے زرفدیہ ادا کر کے رہائی پائی تھی۔ بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سب اسیران بدر نے زر فدیہ نہیں ادا کیا تھا۔ ایک استثناء مؤرخ یعقوبی کا ہے جن کا صریح بیان یہ ہے کہ اڑسٹھ قیدیوں نے زرفدیہ ادا کیا تھا، لیکن وہ ان کے زرفدیہ کی شرح یا شرحیں نہیں بتاتے۔

یعقوبی کا بیان قابل قبول نہیں کیونکہ وہ بعض دوسری زیادہ مستند روایات، قابل اعتماد بیانات، ثقہ احادیث اور مسلمہ بیانات سے متصادم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کئی قیدی جن کی تعداد غالباً دس تھی اس شرط پر رہا کر دیئے گئے تھے کہ ان میں سے ہر ایک دس مدنی بچوں کا لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ ان نادار مگر اہل علم مکی قیدیوں کے علاوہ بھی متعدد یا کم از کم کئی قیدی ایسے تھے جن کو زرفدیہ ادا کیے بغیر رہا کر دیا گیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ناداری، مفلسی، سماجی ذمہ داری، قومی قدر و منزلت، انسانی خدمات یا محض جذبہ احسان کی بنا رحم کھا کر آزادی کی دولت نچھاور کی تھی۔ ان کے علاوہ دو یا تین قیدیوں کے بارے میں ہم کو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بعض جنگی یا انسانی جرائم کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔ ان تمام روایات و حقائق کو مدنظر رکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ زرفدیہ ادا کرنے والے قیدیوں کی تعداد کافی کم تھی۔

مصادر سیرت کی تمام روایات کے ایک گہرے تجزیے سے یہ حقیقت اُبھرتی ہے کہ تقریباً بیس قیدیوں نے زرفدیہ مختلف شرحوں کے مطابق ادا کیا تھا۔ ان میں سے اٹھارہ کے بارے میں ہمیں قطعی علم ہے کہ انہوں نے سب سے زیادہ شرح سے زرفدیٰ ادا کیا تھا یعنی چار ہزار (4000) درہم یا ایک سو اوقیہ چاندی۔ عہد نبوی کے عرب سماج میں نہ صرف وہ گراں ترین شرح فدیہ تھی بلکہ اسی پیمانہ سے افراد و طبقات کی سماجی منزلت بھی ناپی جاتی تھی۔ دو اور قیدیوں کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ انہوں نے دو ہزار اور ایک ہزار درہم فی کس رقم بطور فدیہ ادا کی تھی۔ مزید دس قیدیوں کے بارے میں مآخذ کی یہ صراحت ملتی ہے کہ انہوں نے زرفدیہ ادا کیا تھا مگر ان کی شرح کے بارے میں کوئی اشارہ یا قرینہ نہیں ملتا۔ البتہ ایک قیدی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی تھے، کے زرفدیہ سے متعلق یہ دلچسپ بیان ملتا ہے کہ ان کو ایک ہزار (1000) چھوٹے نیزے (رمح) ادا کرنے کو کہا گیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اسیر مذکور قریش مکہ کے ایک بڑے تاجر اسلحہ تھے۔ بہر حال یہ فرض کرنا قرین قیاس ہی نہیں قرین حقیقت بھی ہے کہ ہاشمی اسیرانِ بدر نے جتنے اسلحے بطور زرفدیہ ادا کیے تھے ان کی مالیت گراں ترین شرح فدیہ یعنی چار ہزار (4000) درہم سے زیادہ نہیں رہی تھی۔ بقیہ تمام قیدیوں کے زرفدیہ کو اگر بالفرض سب سے زیادہ شرح کے مطابق مان بھی لیا جائے جس کا امکان بہر حال کافی کم ہے اور اس کو تمام معلوم زرفدیہ میں جوڑ دیا جائے تو ہمیں کل فدیہ کی مالیت کا علم ہو جاتا ہے، یعنی جن تمام اسیران بدر سے زرفدیہ وصول کیا گیا تھا اس کا مجموعی میزان ایک لاکھ پندرہ ہزار درہم ملتا ہے اور بظاہر یہ رقم کافی خطیر ہوتی ہے، اگرچہ انفرادی طور سے صرف پچاس پچپن افراد کو چار ہزار سے لے کر ایک ہزار درہم کی رقم ملی تھی، تاہم وہ معیاری یا عام حصہ

Marfat.com

غنیمت کے مقابلہ میں کافی زیادہ اور وقیع تر تھی۔

اسلاب کی صورت میں ملنے والے اسلحے اور دوسرے سامان حرب کی تعداد و مقدار کے علاوہ ان کی قیمت و مالیت کا تخمینہ لگانا کافی مشکل ہے، لیکن اگر رسول اکرم صلی اللہ دلیہ وسلم کے عم زاد قیدی کے بارے میں ہمارا اندازہ تخمینہ صحیح ہے اور جس کی صحت کے واضح ثبوت موجود ہیں تو چار پانچ ہزار درہم کافی سلب کی رقم کا تخمینہ کافی موزوں و مناسب رہے گا۔

اس طرح تمام بدری اموال غنیمت اور کل مالیت جو عام مجاہدین کے معیاری حصص، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی، ریاست اسلامی کے خمس، مقتولین کے اسلاب اور قیدیوں کے زرفدیہ پر مشتمل ہے ایک لاکھ باون ہزار سات سو پچاس درہم کے لگ بھگ آتی ہے۔ تمام دوسرے امکانات سہو و نسیان اور تفریق قیمت و مالیت کو بھی مدنظر رکھا جائے تو مجموعی مالیت بہر حال ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم سے کسی طور متجاوز ہوتی نظر نہیں آتی۔ یہ رقم مجموعی لحاظ سے مرعوب کن اور خاصی وقیع نظر آتی ہے، لیکن جب اس کو تمام غازیانِ بدر میں فی کس حصہ کے مطابق تقسیم کرتے ہیں تو انفرادی حصہ اتنا اہم نہیں رہ جاتا بلکہ خاصا حقیر کم قیمت معلوم ہوتا ہے، یعنی اگر اس مجموعی رقم کو تمام بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں برابر تقسیم کر دیا جائے تو فی کس تقریباً 39، 495 درہم آتا ہے، یعنی مکمل اعداد میں فی کس کل پانچ سو درہم پڑتے ہیں۔ پھر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ عام مجاہد تو معمولی طور سے فیضیاب ہوا تھا جبکہ زرفدیہ کی اچھی خاصی رقم سے قیدیوں کو گرفتار کرنے والوں کو کسی حد تک مالدار بنا دیا تھا یا کسی حد تک اسلاب پانے والوں کو کچھ زیادہ رقم مل گئی تھی۔ عام غازیوں کے بہت کم مال غنیمت ملا تھا جو بقول واقدی ان کی رنجش و تکلیف کا سبب بن گیا تھا۔

غزوۂ سویق

(ذی الحجہ ۲ھ مطابق مئی ۶۲۴ء)

ابوسفیان کی نذر:

ابوسفیان نے غزوہ بدر کے بعد نذر مانی تھی کہ جب تک شکست کا بدلہ اور شرفائے قریش کے خون کا انتقام نہیں لے گا اس وقت تک نہ تو سر میں تیل لگائے گا اور نہ ہی غسل جنابت کرے گا۔ اپنی نذر پوری کرنے کیلئے دو سو یا چار سو جواں مردوں کو لے کر مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا۔ دو مکان اور کئی باغ جلا دیئے اور حضرت سعد بن عمرو انصاری کو شہید کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا، لیکن وہ انتہائی تیز رفتاری سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے پاس ستو کے تھیلے تھے۔ گھبراہٹ کے مارے انہیں راستے میں پھینکتا گیا۔ مسلمان ان تھیلوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ اس لیے اس واقعہ کا نام ''غزوہ سویق'' پڑ گیا۔ ابوسفیان دو یا چار سو آدمیوں کو لے کر مدینہ کے نواحی مضافات تک پہنچ تو گیا مگر اس میں کھلے میدان میں مسلمانوں سے لڑنے کی جرأت کہاں تھی۔ اس لیے واپسی میں ہی بس اپنی خیریت سمجھی اور بمشکل بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

غزوۂ سویق کا مالِ غنیمت:

غزوہ سویق اس برس کا آخری غزوہ تھا جس میں مسلمانوں کو کچھ مال غنیمت نصیب ہوا۔ روایات کے مطابق ایک

Marfat.com

قریشی لشکر نے مدینہ منورہ کی چراگاہوں اور کھیتوں پر حملہ کر کے ان کو نقصان پہچایا۔ جب مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا تو وہ بھاگ نکلے اور فرار ہوتے وقت انہوں نے اپنے جانوروں کا بھار ہلکا کرنے کے لیے ستو (سویق) کے وہ تھیلے پھینک دیئے جو وہ اپنے کھانے پینے کے لیے ساتھ لائے تھے۔ اس مہم کا کل مال غنیمت ہی ستو کے چند تھیلے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کی مالیت بہت زیادہ نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ ان کی قیمت دو ہزار درہم متعین کی جاسکتی ہے اور وہ دو سو یا چار سو مسلم سپاہیوں کے درمیان تقسیم ہوگئی تھی اور وہ فی کس حصہ سو یا پچاس درہم کا رہا ہوگا اور وہ بھی نقد نہیں، بلکہ جنس کی صورت میں ملا تھا۔ غالباً غزوہ میں شامل پوری مسلم سپاہ کی صرف ایک دن کی ضرورت کے کے لیے کافی رہا ہوگا۔

غزوۂ بدر کے بعد کے اہم واقعات

بنوقریش کے تجارتی قافلے کا حشر:

''معرکہ بدر'' کے بعد شامی راستہ قریشی قافلوں کے لئے بند ہوگیا، اس لیے اب بنوقریش نے دوسرے راستوں سے تجارتی قافلے بھیجنے کی ناکام کوشش کی۔ کہا جاتا ہے کہ صفوان بن امیہ نے شہر کا سامان تجارت لے کر ایک راہبر کی خدمات حاصل کیں اور غیر مانوس راستے سے شام کی طرف روانہ ہوگیا، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی نقل وحرکت کا پتہ چل گیا۔ اس لیے آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو سو مجاہدوں کے ساتھ اس کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ انہوں نے اس سرعت سے چھاپہ مارا کہ صفوان حواس باختہ ہوگیا اور سارا سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ درہم مالیت کا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس واقعے سے دوسرے قبیلے خوفزدہ ہو گئے، ان کی نظروں سے بنوقریش اتر گئے اور مسلمانوں کی برتری کا احساس ان کے دلوں پر بیٹھ گیا۔

قریش کے مدبر اور صاحب اقتدار رئیس ختم ہوگئے۔ صرف ابوسفیان زندہ تھا، مگر وہ بھی اکیلا کیا کرسکتا تھا۔ اس نے بنو قریش کا اقتدار بحال کرنے کیلئے ''معرکہ احد'' اور ''معرکہ احزاب'' میں اپنی عقل کی بازی لگائی۔ صلح نامہ حدیبیہ کے تحت ہاری ہوئی بازی جیتنے کی لاکھ کوشش کی مگر بری طرح مات کھائی۔ آخر کار قریشی اقتدار کا جنازہ نکل گیا اور مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کو دبانے والا کوئی بھی باقی نہ رہا۔

منافقت کا آغاز:

ہجرت نبوی کے بعد مدینے کی سیادت ''عبداللہ بن ابی'' کے ہاتھ سے نکل گئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نے اپنا مولا وآقا، اپنا رہنما و پیشوا تسلیم کرلیا۔ اس لیے وہ آپ سے جلنے لگا اور علی الاعلان کافر بنا رہا۔ معرکہ بدر کے بعد دب کر اس نے اسلام تو قبول کرلیا مگر دل سے آپ کے خلاف کام کرتا رہا، اور اسلام کی پناہ میں آکر اس نے اسلام ہی کی جڑیں کاٹنا شروع کردیں۔ اس نے یہودیوں اور کافروں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف در پردہ سازشیں کیں اور انہیں تباہ و برباد کرنے کیلئے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ اس طرح منافقوں کا نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ آپ نے تدبر سے اس کا توڑ کیا اور عبداللہ بن ابی کی ساری کوشش اکارت گئیں۔

Marfat.com

یہودیوں کی دشمنی:

یہودی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے سارے عرب پر تسلط حاصل کرنا چاہتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ وہ آپ کو اپنے ساتھ ملا کر یہودیت کی تبلیغ وفروغ میں کامیاب ہو جائیں گے،لیکن ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔تحویل قبلہ سے ان کی آنکھیں کھلیں۔اب انہیں احساس ہونے لگا کہ اسلام ایک منفرد دین ہے جسے وہ مٹا نہیں سکتے۔''معرکہ بدر'' کے بعد مدینے میں مسلمانوں کی طاقت اور بھی مستحکم ہوگئی۔یہودی بھلا اس بات کو کیسے برداشت کرتے۔وہ اس انقلاب کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور منافقوں اور کافروں سے مل کر مسلمانوں کو مدینے سے نکالنے کی فکر کرنے لگے۔ان کے شاعروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو لکھیں اور مقتولین بدر کی یاد میں مرثیے کہے۔کعب بن اشرف،ابو افک،اور اسماء بنت مروان نے مرثیے پڑھ پڑھ کر کافروں کے جذبات ابھارے اور انہیں مسلمانوں سے انتقام لینے پر آمادہ کیا۔کعب بن اشرف مکہ گیا اور ابوسفیان کو فوجی تیاری کا مشورہ دیا۔اس کی شاعری نے غم و غصے کی لہر دوڑا دی اور ہر طرف سے انتقام کی صدا آنے لگی۔مدینے آکر اس نے کوشش کی کہ لوگ آپ کے خلاف بغاوت کر دیں اور شہر انتشار و بد امنی کا شکار ہو جائے۔مسلمانوں نے عاجز آکر کعب بن اشرف اور اس کے دونوں ساتھیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔مروی ہے کہ اسما بنت مروان (بنوامیہ بن زید) اور ابوافک (بنوعمرو بن عوف) کو ان کے قبائل ہی کے غیور جواں مردوں نے قتل کر دیا۔

غزوہ بنوقینقاع:

کعب بن اشرف کے قتل سے یہودی اور بھی مشتعل ہو گئے۔انہوں نے مسلمانوں کے خلاف رکیک حرکتیں شروع کر دیں۔مروی ہے کہ بنوقینقاع کے یہودیوں نے مسلم خواتین کو چھیڑنا شروع کر دیا۔ایک انصاری خاتون ان کے بازار میں زیور خریدنے گئی تو اسے پریشان کرنے کی کوشش کی گئی۔وہ چلائی تو ایک مسلمان نے آکر یہودی سنار کو قتل کر دیا۔یہودی ہر طرف سے دور کر اکٹھا ہو گئے اور انہوں نے مسلمان کو مار ڈالا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حرکتوں سے تنگ آکر ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا،لیکن پندرہ دن کے محاصرے کے بعد ہی ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور انہوں نے مدینہ منورہ چھوڑنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔اس لیے آپ نے محاصرہ اٹھا لیا اور وہ مدینے سے شمالی عرب اور شام کے علاقوں کی طرف منتقل ہو گئے۔یہ واقعہ شوال ۲ ہجری مطابق اپریل ۶۲۴ء میں پیش آیا تھا۔

غزوہ بنوقینقاع سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

دوسرے سال سن 2 ہجری / 624 عیسوی کی بقیہ مہمات میں غزوۂ بدر کے بعد غزوۂ بنوقینقاع کا نام و مقام آتا ہے۔مدینہ منورہ کے لگ بھگ دو درجن یہودی قبیلوں میں بہت اہم،کافی طاقتور اور خاصا مالدار تھا اور انہیں اسباب سے اس نے غرور کی راہ اختیار کی تھی۔جنگ بدر کے بعد اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جھگڑا مول لیا اور صلح وتعاون کا وہ معاہدہ توڑ ڈالا جو ہجرت نبوی کے بعد مسلمانوں سے کیا تھا۔اس کے نتیجہ میں ان کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی جو غزوۂ بنوقینقاع کے نام سے مشہور ہے۔اور بالآخران کو مشہور مستند روایات کے مطابق جلاوطن کر دیا گیا۔

یہ سنہ 2 ہجری/سنہ 624ء کی تیسری مہم تھی جس میں مسلم فاتحین کو کچھ مال غنیمت ملا۔مشہور و مستند روایات کے مطابق وہ سب کا سب ہتھیاروں اور زرگری کے اوزاروں یا ہتھیار سازی پر مشتمل تھا۔ایک جدید مستشرق سیرت نگار کا خیال ہے

Marfat.com

کہ بنوقینقاع ماہر سنار زرگر ہونے کے علاوہ غالباً ہتھیار گر اور اسلحہ ساز بھی تھے اور زیورات کے ساتھ ساتھ جنگی ساز وسامان بھی بناتے تھے۔ وہ ہتھیار سازی میں بھی بہت کمال رکھتے تھے اور روایتی اسلحہ جیسے تلوار وکمان، ڈھال، نیزے وغیرہ کے علاوہ زرہ بکتر اور خَود جیسی حفاظتی اشیاء بھی بنانے میں ماہر تھے۔

یہ ممکن ہے کہ وہ سناری اور زرگری کے اوزاروں کو ہتھیار سازی میں بھی استعمال کرتے ہوں اور اس کے برعکس بھی ممکن ہے۔ مگر ہمارے روایتی مآخذ ان کی اسلحہ سازی کے بارے میں خاموش ہیں۔ ان سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو مال غنیمت میں اسلحہ وہتھیار کافی تعداد میں ملے تھے، نہ ہی اس کا پتہ چلتا ہے کہ یہودی بنی قینقاع کے ہتھیار ساز اوزاروں کے مسلم قبضہ میں آنے کے بعد شہر نبوی میں اسلحہ سازی کی حرفت وصنعت میں کوئی پیش رفت ہوئی تھی۔ دراصل ہمارے مآخذ بنوقینقاع سے ملنے والے مال غنیمت اور اس کی تقسیم کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اس سب سے مال غنیمت کی مقدار، اسلحوں کی تعداد اور مال کی قیمت وغیرہ کا اندازہ کرنا خاصا مشکل کام بن گیا ہے۔

البتہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی کے بارے میں کم از کم ایک اہم حوالہ یہ ملتا ہے کہ وہ تین کمانوں، تین نیزوں اور تین تلواروں کے علاوہ زرہ بکتروں پر مشتمل تھی۔ اس سے یہ حقیقت بہر حال ثابت ہوتی ہے کہ مال غنیمت میں مسلمانوں کو اسلحے اور ہتھیار بھی ملے تھے ورنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے اس صفی اکا انتخاب کیوں کر فرماتے؟ غزوہ بنی قینقاع کے موقع پر یہودی لشکر کی کل تعداد کا علم نہیں ہوتا، لیکن جنگ بعاث کے حوالہ سے جو ہجرت نبوی سے کچھ قبل ہوئی تھی یہ پتہ چلتا ہے کہ بنوقینقاع کے جنگجوؤں کی تعداد سات سو تھی۔ جن میں سے تین سو مکمل طور سے زرہ بکتر پوش (دارع) تھے اور تین سو بلا زرہ بکتر ننگے (حاسر) سپاہی تھے۔ جدید مؤرخین کا عام رجحان ہے کہ یہودی سپاہ کی یہی تعداد غزوہ بنوقینقاع میں بھی تھی اور یہ قیاس بھی قرین حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ تمام یہودی سپاہی عرب کے مشہور روایتی اسلحوں اور ہتھیاروں جیسے تلواروں، تیروں، کمانوں، نیزوں، حربوں وغیرہ سے پوری طرح لیس رہے ہوں گے اور یہ روایتی جنگی اسلحہ یہودی سپاہ کی کل تعداد کے برابر ضرور رہا تھا، البتہ زرہ بکتر کی تعداد صرف چار سو رہی تھی۔ ان تمام قیاسات وامکانات اور تحلیلی نتائج کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہودی سپاہ تمام اسلحے مسلم سپاہ کے قبضہ میں بطور مال غنیمت آئے تھے کہ یہی خود سپردگی کے معاہدہ کے شرط اولین تھی۔

لیکن مآخذ کی روایات سے یہ بھی صاف واضح ہوتا ہے کہ بنوقینقاع کے ہوشیار اور زیرک سرداروں اور سپاہیوں نے مسلم مجاہدین کی سادگی، لاعلمی اور ناتجربہ کاری سے خوب فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو ان کے مال غنیمت سے کافی حد تک محروم رکھا۔ اس کے متعدد اسباب تھے۔ بنوقینقاع نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے اپنے قلعوں اور گھڑیوں (آطام) میں محصور وقلعہ بند ہو کر مسلم فوج کشی کا مقابلہ کیا تھا۔ مسلمانوں کو نہ تو ان کے کل سپاہیوں کا پتہ لگ سکا اور نہ ان کے ہتھیاروں کی صحیح تعداد کا علم ہو سکا۔ جب انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سپردگی کا معاہدہ کیا اور اس کی شرائط کے مطابق اسلحوں کے سوا تمام مال منقولہ اپنے ساتھ لے گئے تو انہوں نے چالاکی سے بہت سے ہتھیار اور اسلحے اپنے کجاوؤں میں چھپا لیے اور جلاوطن ہوتے ہوئے ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ جیسا کہ ایک سال بعد ان کے ہم مذہب وہم

Marfat.com

مسلک قبیلہ بنونضیر نے اپنی جلاوطنی کے وقت کیا تھا۔

یہ واقعات وحقائق بلاشبہ وتردد ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کوغزوہ بنوقینقاع میں دشمن سپاہ کے تمام اسلحے اور ہتھیار نہیں ملے تھے بلکہ غالباً بیشتر اسلحے سے وہ محروم رہے تھے۔

اب آتا ہے بنوقینقاع سے ملنے والے اموال غنیمت یعنی ہتھیاروں کی مالیت کے تخمینہ کا بے ڈھب سوال۔غزوۂ بدر کے اموال غنیمت کی تعیین مالیت کے سلسلہ میں جوقرینے اور اشارے ملتے ہیں وہ اس غزوۂ کے حوالہ سے مفقود ہیں۔لہٰذا ایک ممکن صورت یہ ہے کہ ہم غزوۂ بنوقینقاع میں ملنے والی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی اور غزوۂ بدر میں حاصل ہونے والے مکی قیدی نوفل بن حارث ہاشمی کے زرفدیہ کے تخمینہ کی بنیاد بنائیں تو بنوقینقاع سے حاصل ہونے والے کل مال غنیمت کی قیمت کسی طور پچاس ہزار درہم سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ یہاں اس حقیقت کی طرف پھر توجہ دلا دی جائے کہ اس مال غنیمت میں صرف اسلحہ یا زیادہ سے زیادہ اسلحہ سازی کے اوزار شامل تھے اوران کے علاوہ نقد جنس میں سے کوئی بھی چیز مسلمانوں کونہیں ملی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ مرحمت عالیہ ان کوتمام مال واسباب لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔اس سے زیادہ یہ امر واقعہ اہم ہے کہ بنوقینقاع کے جلاوطن ہونے والے مہاجنوں کو جو مدینہ منورہ کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کوسود کی گراں شرح پر ادھار اور قرضے دیتے تھے،اپنے قرضداروں سے اپنی رقوم وصول کرنے اور انہیں ساتھ لے جانے کی بھی اجازت خسروانہ عطا فرمادی تھی۔لہٰذا مال غنیمت میں کسی قسم کا نقد جنس شامل نہ تھا۔

البتہ مسلمانوں کواس غزوہ میں پہلی بار غیر منقولہ جائیدادیں اور قیمتی اَراضی مال غنیمت میں ملی تھی جومنقولہ مال سے کہیں زیادہ قیمتی اور مستقل پیداوار کی مالک تھی۔یہ تمام اراضی اور جائیداد اسلامی ریاست کے قبضہ میں آگئی تھی۔مشہور روایت کے مطابق بنوقینقاع کی اراضی میں ان کے قلعے،گھڑھیاں (آطام)،رہائشی مکانات (دور/بیوت) اوران کے بازاراوردکانیں (سوق) شامل تھے۔مگرساتھ ہی ساتھ مآخذ میں یہود بنوقینقاع کی غیر منقولہ جائیداد پر اسلامی قبضہ کے حوالے کمتر ہیں اوران کی تقسیم کے باب میں بیانات تو تقریباً قطعی طور سے مفقود ہیں،لیکن بہرحال مآخذ کی روایات اس پر شدت سے اصرار کرتی ہیں کہ بنوقینقاع کے یہودی تجارت پیشہ ،زرگر،سنار ،مہاجن سودی تاجراورمدینہ منورہ کے سب سے بڑے تجارتی مرکز یا بازار کے مالک تھے،البتہ وہ زراعت پیشہ نہ تھے اور نہ ان کے پاس اراضی اور کھیتی باڑی کی جائیدادیں تھیں۔

ہمارے مستند مآخذ کا یہ بیان اکثریت کے حکم کے لحاظ سے ہے کہ بنوقینقاع کی غالب اکثریت تجارت پیشہ تھی اور زراعت پیشہ نہ تھی۔اس کا قوی قرینہ،پکا امکان بلکہ واقعی شہادت موجود ہے کہ بنوقینقاع کے کچھ افراد یا طبقات کے پاس زرعی اراضی بھی تھی۔اگرچہ وہ اتنی زیادہ یا قابل لحاظ نہ تھی کہ ان کا ذکر مآخذ کی روایات میں راہ پاسکتا،کیونکہ ان میں کلیہ بیان کیا گیا ہے۔کم ازکم ایک روایت ان میں سے بعض کوزراعت پیشہ یا زرعی اراضی کا مالک بھی ثابت کرتی ہے۔ان کے ایک عظیم ترین عالم دین اورسرکردہ بزرگ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام تھے۔ان کے بارے میں ایک حدیث یہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کی خبران کوملی تو وہ اپنے باغ میں کھجوروں کی دیکھ بھال کررہے تھے اور وہیں سے سیدھے خدمت نبوی میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔اس سے بنوقینقاع کے بعض افراد کے

Marfat.com

صاحب اراضی ہونے کا سراغ ملتا ہے۔

یہود بنی قینقاع کی زرعی تجارتی اراضی اور جائیداد کی بحث سے قطع نظر اور مسلم غازیوں میں یہودی املاک ومکانات کی تقسیم یا عدم تقسیم کی فقہی موشگافی صرف نگاہ کر کے یہ بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ جلاوطن کیے جانے والے یہودی کی تمام جائیداد اسلامی ریاست کے قبضہ میں آ گئی تھی اور اس مفتوحہ اراضی پر کچھ غریب مسلمانوں کی آبادکاری ہوئی تھی کہ وہ اراضی اسلامی قانون کے مطابق مفتوحہ مال غنیمت نہیں تھا، بلکہ فے تھی جس کی تقسیم یا عدم تقسیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق خالص تھا۔ ظاہر ہے کہ اس اراضی سے بحیثیت مجموعی مسلمانوں کو مالی فائدہ مستقل طور سے پہنچا تھا۔ البتہ بنو قینقاع کی جائیداد واموال میں سے وہ اراضی مسلم امت کے قبضہ میں نہیں آئی تھی جن کے مالک مسلمان ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے تھے۔

لیکن ایک جدید محقق نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ خود سپردگی اور ہتھیار ڈال دینے کے بعد بنو قینقاع کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا، ان کو صرف ہتھیاروں اور اسلحہ سازی کے اوزاروں سے محروم کر کے مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ بدستور اپنے کاروبار، بازار، اراضی اور جائیداد پر قابض رہے تھے اور اپنا کاروبار کرتے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان کی زرگری کے اوزار اور ان کی تمام جائیدادیں انہیں کے پاس رہی تھیں۔ محقق موصوف نے اپنے نظریہ کی حمایت وثبوت میں کافی وزنی اور وقیع دلائل بھی دیئے ہیں، جن سے سردست ہمیں سروکار نہیں۔ اگر ان کی یہ تحقیق صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بنو قینقاع کے اموال/ضیاع (جائیداد واَراضی) مسلم مال غنیمت میں شامل نہ تھے اور اس طرح یہ غزوۂ مالیت کے اعتبار سے نا قابل لحاظ تھا۔

چونکہ ابھی تک مؤرخ موصوف کی تحقیق کو قبول عام نہیں ملا اور بہر حال اس کا امکان ہے کہ وہ غلط بھی ہو تو بنو قینقاع کے اموال واراضی کو بھی مال غنیمت میں شمار کر کے اس کی مالیت متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق بنو قینقاع سے حاصل شدہ اراضی کی قیمت دو لاکھ درہم متعین کی جاسکتی ہے جو تعیین کی سب سے زیادہ حد معلوم ہوتی ہے۔ ان کی جائیداد پیداواری اراضی نہیں تھی یا تھی تو کم تھی اور رہائشی زیادہ تھی۔ صرف ان کے بازار اور دکانیں پیداواری تھیں یا ان میں سے بعض لوگوں کے باغات وغیرہ تھے۔ ان کے مقابلہ میں ان کی رہائشی جائیداد، گڑھیاں، قلعے (آطام)، مکانات وغیرہ غیر پیداواری تھے، لہٰذا ان کی مالیت پیداواری جائیداد سے بہت کم مالیت کی تھی۔

ایک مشکل یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے یہودی قبیلوں کے اموال یا مسلم جائیدادوں کی قیمت کے بارے میں مآخذ میں کوئی واضح بیان نہیں ملتا ہے اور نہ ہی کوئی اشارہ قرینہ۔ البتہ فدک کے زرعی جائیداد کے بارے میں ایک بیان ضرور ملتا ہے اور اس کی بنیاد پر قیاس کر کے مدینہ منورہ کے یہودی اموال اور جائدادوں کا تخمینہ لگایا جاسکتا ہے، اور اسی بنا پر ہم نے تمام اموال غنیمت کا کامل تخمینہ دو لاکھ پچاس ہزار درہم لگایا ہے جو امکانی لحاظ سے آخری حد تک معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

غزوۂ احد

(شنبہ شوال ۲ھ مطابق ۱۳ مارچ ۶۲۵ء)

کفار کی تیاری:

بنو قریش کا وقار بحال کرنے اور ان کے لئے شام جانے والے تجارتی راستے کو مسلمانوں کے نرغے سے نکالنے کیلئے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا تہیہ کرلیا۔ ہر طرف قصاص و انتقام کا نعرہ لگایا جانے لگا۔ یہودی سرغنہ کعب بن اشرف نے بھی ان کے جذبات کو بھڑکایا تو شرفائے قریش نے خانہ کعبہ کا پردہ تھام کر عہد کیا کہ اپنے بزرگوں کے خون کا بدلہ ضرور لیں گے۔ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ وہ اپنے سر میں اس وقت تک تیل نہیں لگائے گا جب تک کہ وہ روسائے قریش کے قاتلوں سے بدلہ نہ لے لے۔ ہندہ اور دوسری عورتوں نے بھی قسم کھائی کہ وہ قاتلان قریش کا خون پی کر ہی دم لیں گی۔ ان سب نے مل کر مکمل تیاری کے بعد مدینے پر دوبارہ چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ معرکہ بدر سے پہلے ابوسفیان کی قیادت میں شامی تجارت سے جو منافع ملا تھا اسے فوجی تیاریوں میں لگا دیا گیا۔ دوسروں نے بھی دل کھول کر چندہ دیا تھا۔ اسے بھی اسی مد میں صرف کیا گیا۔ آخر ایک سال کی مکمل تیاری کے بعد اسلحہ سے لیس تین ہزار تربیت یافتہ جواں مردوں کی فوج اسلام کو مٹانے اور مدینے کی طرف کوچ کرنے کیلئے ابوسفیان کے حکم کی منتظر تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق ان کی تعداد پانچ ہزار تھی جن میں سے سات سو زرہ بکتر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے پاس سواری و باربرداری کے لئے کم از کم دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ ان فوجیوں اور جانوروں کے لئے سامان رسد بھی افراط کے ساتھ ان کے پاس موجود تھا۔ اس طرح ایک مسلح، منظم اور تربیت یافتہ فوج مدینے کی طرف پیش قدمی اور نہتے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کیلئے تیار کھڑی تھی۔

عمرو جمحی اور مسافع بنو قریش کے مشہور شاعر تھے۔ انہوں نے قبائل میں دورہ کر کے اپنے پر جوش، درد انگیز کلام سے ہر طرف آگ بھڑکا دی۔ طائف میں بنو ثقیف کے پاس پیغام بھیجا گیا۔ اسی طرح عبد مناف، احابیش اور دوسرے قبیلوں سے امداد طلب کی گئی تاکہ سب مل کر مسلمانوں پر حملے کر کے ان کا نام و نشان تک مٹا دیں۔

۲۵ رمضان ۳ھ مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۵ء کو ابوسفیان اپنی فوج لے کر روانہ ہوا۔ اس میں فوجیوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل تھیں جو میدان جنگ میں اپنے جواں مردوں اور شمشیر زنوں کی ہمت بڑھانے اور انہیں غیرت دلانے کیلئے ساتھ آئی تھیں۔ یہ فوج منزل پہ منزل طے کرتی ہوئی جمعرات ۵ شوال ۳ھ مطابق ۲۱ مارچ ۶۲۵ء کو مدینے کے قریب پہنچ گئی۔ وہیں شہر سے تین میل دور شمال کی طرف ''جبل احد'' کے دامن میں ڈیرے ڈال دیئے۔ حق و باطل میں دوسرا تاریخی معرکہ اسی احد کے میدان میں لڑا گیا جس میں مسلمانوں نے کافروں کی طاقت پسپا کر دی اور خود ابھرتے ہوئے افق کی طرح عرب کے مطلع پر چھا گئے۔

Marfat.com

کفار کا میدان میں پہنچنا:

ابوسفیان قریشی فوج کا سپہ سالا تھا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے دشمن بھی پیش پیش تھے۔ صفوان بن امیہ سواروں کا قائد اور عبداللہ بن ابی ربیعہ تیراندازوں کا افسر تھا۔ طلحہ علم بردار کی حفاظت کیلئے دوسو شہسوار صف آرا تھے۔ ان کے علاوہ حضرت خالد جیسے بہادر جنرل اور حضرت عکرمہ جیسے جواں مرد میمنہ ومیسرہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ یہ دونوں بزرگ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت عباس مکے میں تھے۔ انہوں نے آپ کو دشمن کی نقل وحرکت سے مطلع کر دیا تھا۔ آپ ''قبا'' کا دورہ فرما رہے تھے کہ آپ کو دشمن کے نقل وحرکت کی خبر ملی۔ فوراً مدینے تشریف لائے اور حضرت انس اور حضرت مونس دو رضا کاروں کو دشمن کی طاقت کا اندازہ لگانے کیلئے بھیج دیا۔ انہوں نے واپس آکر اطلاع دی کہ دشمن میدان احد میں اتر چکا ہے اور اس کے جانوروں نے عریض کے لہلہاتے کھیتوں اور ہربھری چراگاہوں کو روند ڈالا ہے۔ اسی کے بعد حضرت خباب بن منذر نے آکر دشمن کی تعداد کا صحیح تخمینہ بتایا۔

رسول اللہ کا فیصلہ:

سارے حالات وکوائف کا اندازہ لگانے کے بعد آپ نے صحابہ کرام سے جمعہ کے دن مشورہ کیا۔ آپ کا خیال تھا کہ شہر ہی میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ منافقوں کے سرغنہ عبداللہ ابن ابی کا بھی یہی خیال تھا، لیکن نوجوان مجاہد جذبہ جہاد سے سرشار تھے۔ انہوں نے کھلے میدان میں کافروں سے دو بدو لڑنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے اکثریت کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے ان کی بات مان لی اور شہر سے کوچ کا حکم دے دیا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے آپ کو مسلح ہونے میں مدد دی۔ ہتھیار سجا کر آپ باہر نکلنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ نوجوان مجاہدوں کی جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی رائے واپس لینے کی خواہش ظاہر کی، لیکن آپ نے انہیں سمجھا دیا کہ پیغمبر مسلح ہونے کے بعد ہتھیار نہیں اتارتے۔ اس تاریخی فیصلے سے اسلام میں جمہوریت پروان چڑھی۔ اظہار مافی الضمیر کی آزادی کا سبق دنیا کو سب سے پہلے اسلام نے سکھایا اور اکثریت کی خواہش کا احترام سربراہ مملکت پر بھی واجب ولازم ہوگیا۔

مسلمان میدان احد میں:

دن ڈھلے ایک ہزار کی فوج لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے نکلے۔ راستے میں رات گزاری اور صبح سویرے میدان جنگ میں پہنچ کر ڈھالوں چٹانوں کی پناہ میں اپنی فوج کو صف آراء ہونے کا حکم دے دیا۔ آپ نے میدان جنگ کا جائزہ لیا تو پیچھے ایک درہ نظر آیا۔ وہاں پچاس تیراندازوں کو حضرت عبداللہ بن جبیر کی نگرانی میں متعین کر کے انہیں حکم دیا کہ وہ کسی حالت میں بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں۔ مسلمانوں کو جیت ہو یا ہار وہ مستعدی کے ساتھ اپنی اپنی جگہ جمے، اپنا مورچہ سنبھالے کھڑے رہیں اور کسی صورت میں بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں۔

منافقین کا الگ ہونا:

جنگ شروع ہونے والی تھی کہ منافقوں کا سرغنہ عبداللہ بن ابی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس مدینہ منورہ چلا گیا۔ وہ کہتا تھا:

''آپ نے محض مجاہدوں کے کہنے میں اس کے مشورے کو ٹھکرا دیا۔ اس لیے وہ پھر آپ کا ساتھ آخر

Marfat.com

کیوں دے۔؟''

مسلمانوں کی استقامت:

ایسے نازک موقع پر تین سو غداروں کے منہ موڑنے سے بھی مسلمان ہراساں نہیں ہوئے، وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں موت کے دہانے میں گھسنے کیلئے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کا وعدہ کیا تھا اور وہ اس کی ذات پر بھروسہ کر کے زندگی اور موت سے کھیلنے کیلئے بے قرار تھے۔ اس لیے تین سو افراد کی کمی سے وہ بالکل سراسیمہ نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کے جذبے نے اس کمی کے خیال کو بالکل فراموش کر دیا تھا۔ یہ صرف سات سو مجاہد تھے جن میں سے سو سے زیادہ زرہ بکتر میں ملبوس نہ تھے۔ پھر بھی یہ سات سو مجاہد اللہ تعالیٰ کا نام لے کر طاقتور دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ انہوں نے کافروں کے ہر بازو پر شدت سے حملہ کر کے ضرب کاری لگائی اور قریشی علم بردار طلحہ کو واصل جہنم کر دیا۔ پھر جس نے بھی علم اٹھایا اس کا سر انہوں نے قلم کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالدار کے نو یا بارہ لخت جگر قربان ہو گئے، پھر بھی کافروں کا علم سرنگوں ہی رہا۔

بنو قریش کی عورتیں اپنے جواں مردوں کے دل بڑھا رہی تھیں۔ وہ دف بجاتیں اور رجزیہ اشعار گا گا کر انہیں غیرت دلا رہی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندہ بنت عتبہ چودہ عورتوں کے ساتھ مل کر یہ اشعار گا رہی تھیں:

نحن بنات طارق　　نمشی علی النمارق

ان تقبلو انعانق　　او تدبروانفارق

ابن اسحاق کی ایک روایت کے مطابق ہندہ یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

ان تقبلوا نعانق　　ونفرش النماری

او تدبر و انفاق　　فراق غیر وامق

مجاہدین احد کا شعار:

لیکن سربکف مجاہدوں نے ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ ان کا اشعار (نعرہ) ہی یہی تھا:

امت ! امت!

''مر جائیں گے مگر اسلامی علم کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔''

حضرت ابو دجانہ، حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت حنظلہ اور دوسرے مسلم شہسواروں کے پے در پے حملوں سے ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ وہ بھی بڑی جواں مردی اور بہادری سے لڑ رہے تھے، لیکن اسلام کی راہ میں جان دینے والوں کے آگے ان کا بس نہیں چل سکا۔ انہوں نے جان دے دی مگر اسلام کے نام پر آنچ نہ آنے دی۔

حضرت حمزہ کی شہادت:

''معرکہ بدر'' میں عتبہ حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس کے بھتیجے جبیر بن مطعم کے پاس وحشی نامی غلام تھا جو حربہ اندازی میں مہارت رکھتا تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور جبیر بن مطعم نے آزادی کا لالچ دے کر وحشی کو حضرت حمزہ کے

Marfat.com

قتل پر آمادہ کرلیا۔ وہ ان کی تاک میں تھا، گھمسان کی لڑائی ہورہی تھی کہ وہ اس کی زد میں آ گئے اور اس نے نشانہ باندھ کر نیزہ پھینکا تو ٹھیک انہیں جا کر لگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گئے۔

کافروں کی شکست:

حضرت حمزہ اور دوسرے مجاہد قربان ہو گئے۔ مسلمانوں نے جان کی بازی لگا دی اور دشمنوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ یکا یک نعرہ تکبیر کی آواز گونجی اور مسلمانوں نے ہر طرف سے دھاوا بول کر کافروں کو کچلنا اور دبانا شروع کر دیا۔ اس طوفانی حملے سے کافر حواس باختہ ہو گئے، ان کے قدم لڑکھڑائے اور وہ سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مشرک عورتوں نے غیرت دلا دلا کر لاکھ روکنے کی کوشش کی مگر انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھنا تک گوارا نہیں کیا۔ مسلمانوں نے فتح کا نعرہ لگایا اور کافروں کا مال لوٹنا شروع کر دیا۔

مسلم تیر اندازوں کی غفلت:

فتح کی خوشی میں تیر اندازوں نے ارشادِ نبوی کو نظر انداز کر دیا اور اپنا مورچہ چھوڑ کر وہ بھی مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ بن جبیر نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس وقت تک حضرت خالد مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کافروں کی طرف سے ایک سوار دستے کی کمان کر رہے تھے۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور درے کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن جبیر نے چند مجاہدوں کے ساتھ ان کا مقابلہ ڈٹ کر کیا لیکن سب کے سب شہید ہو گئے۔

مسلمان اس غیر متوقع حملے کی تاب نہ لا سکے، ان کی صفوں میں رخنے پڑ گئے اور ہر طرف انتشار کا عالم طاری ہو گیا۔ بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح گتھ گئیں کہ مسلمان مسلمان کے ہاتھوں مارے گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر مسلمانوں کے علم بردار تھے۔ ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھک کر اسے دونوں بازوں سے دبوچ کر سینے سے لگا لیا۔ شہید ہوئے تو ان کی زبان پر اللہ اور اس کے رسول کا نام تھا۔ پھر بھی اسلامی علم سرنگوں نہیں ہوا اور حضرت علی نے اسے سربلند رکھا۔

شہادت پیغمبر کی افواہ:

حضرت مصعب بن عمیر شکل وصورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ اس لیے ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم'' کی شہادت کی افواہ چاروں طرف پھیل گئی۔ یہ خبر سن کر ہر طرف مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اگلی صفیں پچھلی صفوں پر الٹ پڑی اور دوست دشمن کی تمیز تک باقی نہ رہی۔ کچھ نے بھاگ کر ''حسن بنو حارثہ'' میں پناہ لی۔ دوسروں پر سکتہ طاری ہو گیا اور تلواریں پھینک کر بدحواسی کے عالم میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گیا۔

ابن اسحاق کی ایک روایت کے مطابق حضرت انس بن نضر نے ایسی ایک جماعت سے پوچھا تو جواب ملا:

''حضور شہید ہو گئے۔''

انہوں نے نہایت ہی جوش سے کہا:

((موتو اعلی ما مات رسول اللہ))

Marfat.com

''پھر تم بھی اسی مقام پر لڑتے ہوئے جان دے دو جہاں حضور نے شہادت پائی ہے۔''

یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے اور ستر اسی زخموں سے نڈھال ہو کر شہید ہو گئے۔ اسی معرکے میں حضرت سعد بن ربیع اور حضرت عمارہ بن زیاد نے اسلام کی راہ میں بڑی جواں مردی سے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ حضرت سعد بن ربیع زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ ابھی ان میں رمق بھر جان باقی تھی کہ حضرت محمد بن مسلمہ آ گئے۔ شہید ہونے والے نے ان کے توسط سے مسلمانوں کے نام اپنا پیغام پہنچایا:

''اگر دشمنوں میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک قتل کرنے کی نیت سے پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور تم میں سے ایک بھی زندہ رہا تو پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم لوگ کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔''

حفاظت نبی:

کہا جاتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف گیارہ صحابہ کرام رہ گئے تھے جن میں حضرت ابوبکر، حضرت سعد، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت دجانہ قابل ذکر ہیں۔ ان بہادروں نے سینہ سپر ہو کر آپ کی حفاظت کی اور کافروں کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔

مسلمانوں کی جاں نثاری:

اس نفسا نفسی کے عالم میں سبھوں پر مایوسی چھا گئی تھی۔ مگر اولوالعزی کی پیکر ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نصرت غیبی سے مایوس نہیں ہوئی تھی۔ انہیں اللہ تعالیٰ پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے نے اللہ تعالیٰ کے نام پر اس کے نام لیواؤں کو اکٹھا کرنے کیلئے جان تک کی بازی لگا دی۔ اس نے مجاہدوں کو آواز دی تو سب کی نظریں اسی کو تلاش کرنے لگیں۔ حضرت کعب بن مالک نے پہچان کر پکارنا شروع کر دیا:

''مسلمانو! ادھر تو آؤ! یہ دیکھو! حضور تو یہاں تشریف فرما ہیں۔''

اس آواز نے مقناطیس کا کام لیا۔ ہر طرف سے مجاہدوں نے دوڑ کر آپ کے گرد حلقہ بنا لیا اور آپ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ دشمن نے لاکھ کوشش کی مگر صحابہ کرام نے سینہ سپر ہو کر آپ کی حفاظت کی۔ ذوالفقا علی کی بجلی سے یہ بادل پھٹ کر رہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ دشمن کا ہجوم آپ کی طرف بڑھا تو آپ نے فرمایا:

''کون مجھ پر جان وارنے کیلئے بے چین ہے۔؟''

دفعتاً سات انصاری یکے بعد دیگرے آگے بڑھے اور سب نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ان میں حضرت زیاد بن سکن بھی شامل تھے۔ ان کی لاش آپ کے قریب لائی گئی۔ کچھ کچھ جان باقی تھی کہ وہیں حضور کے قدموں پر انہوں نے اپنا رخسار رکھ کر جان دے دی۔ حضرت طلحہ کے ہاتھ چھلنی ہو گئے مگر دشمن کے تیروں کو برابر اپنے ہاتھوں پر روکتے رہے۔ حضرت ابو دجانہ آپ کی طرف جھک گئے تاکہ تیر ان کی پیٹھ پر گرتے رہیں، آپ کی طرف نہ جا سکیں۔ ادھر حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوطلحہ، حضرت شماس اور حضرت سہل بن حنیف انصاری بھی اپنے

Marfat.com

تیروں اور تلواروں سے دشمن کے ہجوم کو منتشر کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

مجسمہ رحمت:

ابن اسحاق کے مطابق اسی عالم دار و گیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک (رباعیہ) شہید اور رخسار مبارک زخموں سے لہولہان ہو گئے۔ دست مبارک سے آپ دم رواں کو پونچھتے اور انتہائی دکھ کے مارے فرماتے:

((کیف یفلح قوم خضبوا وجه نبیهم وهوید عوهم الی ربهم))

''آخر وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کی وجہ مبارک کو محض اس لیے لہولہان کر دیا کہ وہ انہیں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔''

مروی ہے کہ اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

((لیس لك من الامر شیئی اویتوب علیهم او یعدبهم فانهم ظالمون))

''اے پیارے حبیب! آپ کس معاملہ میں تشویش میں نہ پڑیں۔ یہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ چاہے ان کی توبہ قبول کرے یا ان پر عذاب نازل کرے کیونکہ یہ لوگ بلاشبہ ظالم ہیں۔''

ابن اسحاق کے مطابق عتبہ بن ابی وقاص کی سنگ باری سے آپ کی وجہ مبارک، دندان مبارک اور لب مبارک مجروح ولہولہاں ہو گئے۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ اسی عتبہ کے تیروں سے دائیں طرف کے نچلے دانت اور لب زیریں مجروح ہو گئے۔ نیز عبداللہ بن شہاب زہری کے نشانے سے آپ کی جبین مبارک لہولہاں ہو گئی اور عبداللہ بن قمہ کے وار سے آپ کے مغفر کی دونوں کڑیاں وجہ مبارک میں پیوستہ ہو کر رہ گئیں۔ پھر حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے دانتوں سے کھینچ کر انہیں باہر نکالا۔ ان کے دو دانت ٹوٹ گئے مگر کڑیوں کو نکال کر انہوں نے دم لیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ زخموں سے چور اور خون میں شرابور تھے کہ ایک گڑھے میں جا گرے۔ حضرت علی نے دست مبارک تھام کر سہارا دیا اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ نے اوپر اٹھایا۔ ایستادہ ہوئے تو حضرت مالک بن سنان اور حضرت ابو سعید خذری نے آپ کے بہتے لہو کو چوس کر نگل لیا۔ اسی موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

((من مس دمی دمه لم تصبه النار))

''جس کے خون میں میرا لہو شامل ہو گیا، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو گئی۔''

آپ زخموں سے چور اور لہولہاں تھے، پھر بھی مجسمہ رحمت کی زبان مبارک پر درد و اثر میں ڈوبا یہی کلمہ تھا:

((اللهم !لم ابعث لعانا ولكن بعثت داعیا ورحمة اللهم!هد قومی فانهم لا یعلمون))

''بارالہا! تو نے مجھے بددعا دینے کیلئے نہیں بلکہ داعی و رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اے رب غفور! میری قوم تو جاہل و نادان ہے، اسے راہ ہدایت پر گامزن فرما۔''

سرور کونین، سید ثقلین مصدر سکینہ برحق صلی اللہ علیہ وسلم مشیت و منشاء الٰہی کا مظہر اور صبر و رضا کا پیکر بن کر آخری

Marfat.com

مرحلے تک دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ پھر صاحب بصیرت اور بالغ نظر قائد و مدبر سرور کائنات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے چاروں طرف نظر دوا کر ماحول کا جائزہ لیا اور صحابہ کرام کو ایک مرکز پر جمع ہونے کیلئے پہاڑی پر چڑھنے کا حکم دے دیا۔

کافروں کی پسپائی:

پہاڑی مسلمانوں کے لئے پشت پناہ ثابت ہوئی۔ انہوں نے اپنی قوت مجتمع کر کے دشمن کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو تھام لیا تھا۔ پھر اپنی جواں مَردی سے اس سیلاب کو پیچھے دھکیل دیا۔ اب کافروں کی ہمت نے جواب دے دیا۔ اس لیے واپس مڑنے اور راہ فرار اختیار کرنے میں انہوں نے اپنی خیریت سمجھی۔ مروی ہے کہ جب ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ حضور اور آپ کے جاں نثار رفیق سب کے سب زندہ ہیں تو لگا عزیٰ وہبل کی دھائی دینے۔

صحابہ کرام نے دندان شکن جواب دے کر اسے خاموش کر دیا۔ حضرت عمر فاروق نے آپ کی ایما پر اعلان کر دیا کہ اللہ کی قدرت و طاقت کے آگے سب کچھ ہیچ ہے، مشرکوں کو عزی وہبل مبارک ہوں مگر جن کا مولیٰ خود اللہ تعالیٰ ہے ان کا بال بیکا کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

درندگی کا مظاہرہ:

کافروں نے بھاگنے سے پہلے دل کھول کر درندگی، سفاکی، بربریت و بہیمیت کا روح فرسا مظاہرہ کیا۔ شہیدوں کی لاشوں سے کھیلا گیا۔ ان کے ناک وکان کاٹ کاٹ کر ہار بنائے گئے جنہیں کافروں نے اپنے گلوں میں ڈال کر دل کی بھڑاس نکالی۔ ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا، مگر نگل نہ سکی، اگل دیا۔ اسی طرح حضرت وہب بن قابوس، حضرت عبداللہ بن جبیر، حضرت انس بن نضر اور دوسرے شہیدوں کے ہاتھ پیر کاٹ کر مثلہ بنایا گیا۔ حضرت انس بن نضر کی لاش تو پہچانی نہیں جاتی تھی۔ آخر ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے انہیں پہچانا۔ حضرت حمزہ کی لاش دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''ایسا دردناک منظر میری نظروں سے کبھی نہیں گزرا۔''

پھر فرمایا:

''حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ خوشخبری دی ہے کہ حضرت حمزہ کو ساتویں آسمانوں میں ''اسد اللہ'' اور اسد رسول اللہ'' کا بلند درجہ عطا کر دیا گیا۔''

ان وحشیوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو نیست و نابود کرنے کیلئے سب کچھ کر دکھایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بھی (فتح مکہ کے دن) دکھا دیا کہ آخر کار یہی وحشی درندے سرنگوں ہو کر آپ کی اعلیٰ ظرفی کا واسطہ دے کر آپ ہی سے رحم کی بھیک مانگ رہے تھے۔

خواتین اسلام کے کارنامے:

ابوسفیان اور اس کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ چکے تھے، لیکن سارے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں پہاڑی پر جمے رہے۔ پھر آپ نے نماز جمعہ پڑھائی اور شہیدوں کو سپرد خاک کیا۔ سیدہ فاطمہ نے آپ کے زخم دھوئے اور مرہم پٹی کی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی اپنی سپر میں پانی بھر بھر کر لاتے تھے اور حضرت سیدہ فاطمہ زخم دھوتی جاتی

Marfat.com

تھیں۔پھر بھی ''نورانی چہرے'' سے خون جاری رہا۔آخرانہوں نے چٹائی جلا کر زخم بھر دیا، پھر کہیں جا کے خون رسنا بند ہوا۔ حضرت عائشہ، حضرت ام سلیم اور حضرت ام سلیط اور دوسی خواتین نے بھی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔وہ اپنے اپنے مشکیزوں سے زخمیوں کو پانی پلاتیں اور ان کی مرہم پٹی بھی کرتی جاتی تھیں۔بنو دینار کی ایک انصاری خاتون کے باپ، بھائی اور شوہر تینوں شہید ہو گئے تھے مگر انہیں تو بس حضور پرنور ہی کا خیال تھا۔آپ کو دیکھا ہی تھا کہ بے اختیار ہو کر کہنے لگیں:

((كل مصيبة بعدك جلل))

''آپ ہیں تو پھر کوئی پرواہ نہیں یعنی آپ پر تو سب کچھ قربان ہے اور آپ کے ہوتے ہوئے ساری مصیبتیں ہیچ ہیں۔''

ابوسفیان کا تعاقب:

تجہیز و تکفین کے بعد آپ واپس شہر تشریف لائے۔صبح ہوئی تو عبادت الٰہی کے بعد احد کے مجاہدوں کو پھر کوچ کا حکم دے دیا۔مجاہدوں کا عضو عضو زخموں اور تھکاوٹ کی وجہ سے ٹوٹ رہا تھا۔پھر بھی ان کے حوصلے بلند تھے۔وہ تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر چکے تھے۔اس لیے فوراً مسلح ہو کر آپ کی رہنمائی میں ابوسفیان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ ''حمراء الاسد'' پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ''روحا'' میں خیمہ زن ہے۔رات ہوئی تو مسلمانوں کے کیمپ میں سینکڑوں مقامات پر آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آئے۔اب وہ اور بھی حواس باختہ ہو گیا۔ادھر بنو خزاعہ کے رئیس معبد بن ابی معبد نے بھی مسلمانوں کی طاقت کا تجزیہ اس کے سامنے اس طرح کیا کہ اس کی ہمت نے بالکل جواب دے دیا۔اس نے اپنی فوج کو فوراً کوچ کا حکم دے دیا اور پھر تیزی سے کوچ پہ کوچ کرتا ہوا مکے پہنچ گیا۔اس اقدام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بالغ نظری اور دانشمندی کا قائل دشمن بھی ہو جاتا ہے۔ایک مستشرق اقرار کرتا ہے:

''یہ تو فن لشکر کشی کی نہ مات کھانے والی چال تھی جس کا نفسیاتی اثر فوراً ہوا، کسی قائد نے اپنی تھکی ماندی فوج کا حوصلہ بڑھانے کیلئے ایسی تدبیر کبھی نہیں سوچی ہوگی۔''

معرکہ احد میں مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی:

مشہور مستشرق ویٹ لکھتا ہے:

''احد میں مسلمانوں کو شکست فاش نہیں ہوئی۔نہ ہی مکے والے دعویٰ کر سکتے تھے کہ انہوں نے میدان جیت لیا تھا۔فوجی کارروائی سے اہل مکہ کا واحد مقصد یہی تھا کہ ''امت مسلمہ'' کو نیست و نابود کر دیا جائے لیکن انہیں اس مقصد میں بری طرح ناکامی ہوئی۔دراصل مسلمانوں کو ''معرکہ احد'' میں شکست نہیں ہوئی۔انہوں نے اپنے آقا کی حفاظت جان پر کھیل کر کی۔آخر تک میدان ان کے قبضے میں رہا، دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا مگر وہ پہاڑی پر اپنا مورچہ سنبھالے مستعدی کے ساتھ جمے رہے۔آخر میں میدان مسلمانوں نے جیتا اور دشمن باری ہار گیا۔حق نے ایک بار پھر باطل کو پسپا کر دیا۔''

معرکہ احد میں مسلمانوں کو مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر شکست نہیں ہوئی:

Marfat.com

1: سات سو مجاہدوں نے بے سروسامانی کے عالم میں تین ہزار مسلح کافروں کا مقابلہ ڈٹ کر کیا اور انہیں میدان جنگ میں آخر دم تک جمنے نہیں دیا۔

2: یہ صحیح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی غلط خبر سن کر مجاہد سکتے میں پڑ گئے تھے، لیکن افراتفری کے گھٹا ٹوپ بادل تھوڑی دیر کے بعد ہی چھٹ گئے اور انہوں نے سنبھل کر آخری لمحے تک دشمن کا مقابلہ کیا۔ تاریخ میں ایسی مثال نہیں مل سکتی کہ کسی ہزیمت خوردہ فوج نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے قائد کی حفاظت کی ہو اور میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار نہ کی ہو۔

3: شکست کے بعد فوج کا قائد سب سے پہلے اپنی جان بچا کر راہ فرار اختیار کرتا ہے لیکن معرکہ احد میں ایسا نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اپنی جگہ پر جمے رہے۔ زخموں سے نڈھال ہو رہے تھے، پھر بھی آپ نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی۔ ابوسفیان اپنی فوج لے کر میدان جنگ سے بھاگ گیا لیکن آپ وہیں رہے، شہیدوں کی تدفین کی، پھر کہیں جا کر آپ نے مجاہدوں کو شہر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔

4: فاتح ہمیشہ میدان جنگ کا مالک ہوتا ہے، دور بھاگنے والی فوج کے خیموں، گھوڑوں اور اسلحہ پر قبضہ کر لیتا ہے اور جو کچھ مال و متاع ہاتھ آتا ہے اسے بھی لوٹ لیتا ہے، لیکن معرکہ احد میں ایک درہم کافروں کے ہاتھ نہیں آیا۔ وہ یوں ہی خالی ہاتھ بے نیل و مرام میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

5: ہزیمت خوردہ فوج میلوں تک دشمن کا پیچھا نہیں کرتی لیکن مجاہدوں کو لے کر آپ نے دشمن کا تعاقب ''حمراء الاسد'' تک کیا۔ پھر وہاں مسلسل تین روز تک مقیم رہے، لیکن ابوسفیان میں ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مردوں کی طرح لڑ کر آخر فیصلہ کن مرحلے تک مقابلہ کرتا۔

6: ہجرت نبوی کے بعد ہی سے کافروں نے اہل مدینہ کو دھمکیاں دینا شروع کر دی تھیں کہ ''وہ آپ کو قتل کر دیں (نعوذ باللہ) ورنہ وہ سارے شہر کو تاخت و تاراج کر ڈالیں گے'' یہ تھا اصل مقصد کافروں کا جس کی خاطر انہوں نے دو بار مسلمانوں پر چڑھائی کی۔ اگر وہ غالب ہوتے تو مدینے پر ضرور حملہ کرتے اور سارے شہر کو تباہ و ویران کر دیتے، لیکن وہ تو میدان جنگ ہی میں ٹھہر نہ سکے، بلکہ سراسیمگی کے عالم میں میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس طرح تائید الٰہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی اس چال کو بھی ناکام بنا دیا۔ اب اسے پوری طرح احساس ہو گیا کہ وہ محض طاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو کچل نہیں سکا۔ مکے کے خودسر تاجر سارے شمالی عرب کو اپنے قدموں تلے سمجھتے تھے، لیکن مدینے کی ابھرتی ہوئی طاقت نے ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ اس سے زیادہ ذلت و حقارت کی بات کیا ہو گی کہ وہ خود صحیح سلامت شام جانے والے راستے پر سفر نہیں کر سکتے تھے۔

واقدی کی ایک روایت سے ان کی ذہنی پریشانیوں کا اندازہ لگ جاتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں:

> ''ہم نے حملہ کر کے ان کے کئی جواں مردوں کو مار گرایا اور کافر ادھر ادھر منتشر ہو گئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد دعویٰ کیا گیا کہ فتح تو ہمیں کو ہوئی ہے۔ پھر ہم کیوں نہ کوچ کر جائیں؟ یہ بات تو ہر ایک جانتا ہے کہ عبداللہ بن ابی تہائی فوج لے کر واپس چلا گیا ہے اور اوس و خزرج کے کچھ آدمی بھی لڑائی میں

Marfat.com

شریک نہیں ہوئے۔ وہ بھی شہر میں موجود ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تازہ دم فوج سے ہم پر دھاوا بول دیں۔ ہمارے بہت سے آدمی بری طرح زخمی ہوئے ہیں اور ہمارے گھوڑے بھی تیروں کی مار سے ناکارہ ہو گئے ہیں۔ اس لیے ہم فوراً کوچ کر جائیں تو یہی ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔ یہ کہہ کر بنو قریش میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابھی روحا پہنچے ہی تھے کہ خبر ملی کہ مسلمان بھی ان کا تعاقب کرتے ہوئے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ یہ سنتے ہی انہوں نے کوچ کا بگل بجا دیا اور وہاں سے بھی افراتفری کے عالم میں جلدی سے روانہ ہو گئے۔''

اس روایت سے بنو قریش کی شکست خوردہ ذہنیت آشکارا ہو جاتی ہے۔ ان کی پیدل فوج تو بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی، گھوڑے بھی بری طرح زخمی ہو گئے تھے، اسی لیے تھوڑی دیر اور میدان میں ٹھہرنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ بس خیریت اسی میں تھی کہ موقع ہاتھ آتے ہی وہ واپس کوچ کر جائیں اور موقع مل گیا تو انہوں نے یہی قدم اٹھایا اور نہایت ہی تیزی سے پسپا ہو کر مکے کی طرف روانہ ہو گئے۔

معرکہ احد کی اہمیت:

تاریخ اسلام میں ''معرکہ احد'' سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ''معرکہ احد'' کے بعد بہت سی طاقتوں نے گٹھ جوڑ کر کے اسلام کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا، اس لیے اب ہر محاذ پر حق و باطل میں وسیع پیمانے پر کشمکش شروع ہو گئی۔ اس امتحان میں بھی مسلمان پورے اترے اور دشمن کی ناپاک سازشوں کو انہوں نے ناکام بنا دیا۔ ''معرکہ احد'' اور ''معرکہ احزاب'' کا درمیانی عرصہ مسلمانوں کیلئے ابتلاء و آلام کا زمانہ تھا۔ بنو قریش اور ان اتحادیوں نے فریب و مکاری کے نت نئے ہتھ کنڈوں سے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی انتھک کوشش کی۔ وہ دھوکہ دے کر مخلص و باوفا مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور پھر موقع پا کر گرفتار کر لیتے، قتل کر دیتے یا پھر قریش کے حوالے کر دیتے تھے۔ وہ بھی انہیں طرح طرح کا عذاب دے کر انتقام کی آگ بجھاتے اور پھر انہیں تڑپا تڑپا کر شہید کر دیتے تھے۔

اگرچہ مسلمانوں کو معرکہ احد میں جانی نقصان اٹھانا پڑا، لیکن انہیں دشمن اکھاڑ نہیں سکا۔ مسلمانوں کو اس لڑائی میں گو جانوں کا بڑا نقصان اٹھانا پڑا تھا لیکن جنگی نقطہ نظر سے ان کی شکست نا تمام رہی تھی۔

مشہور مستشرق حطی کے خیال میں:

> ''اہل مکہ نے میدان احد میں شکست کا بدلہ تو لے لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک زخمی ہو گئے لیکن ان کی یہ کامیابی محض عارضی تھی۔''
>
> اسلام کو برابر فروغ حاصل ہوتا رہا اور بنو قریش کا اقتدار اسی رفتار سے مٹتا رہا۔ معرکہ احد کے بعد مدینے کی اسلامی ریاست کا دائرہ اثر و اختیار روز بروز وسیع تر ہوتا گیا اور وہ اس قدر مستحکم اور طاقتور ہو گئی کہ خود بنو قریش کی جان کے لالے پڑ گئے۔

''معرکہ احد'' ضبط و نظم کی تعلیم دیتا ہے۔ قائد کی نافرمانی و حکم عدولی سے جو عذاب فوج پر نازل ہوتا ہے، اس کی بہترین مثال معرکہ احد ہے۔ بڑے بڑے حوصلہ منداس سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں جو محض ضبط و نظم

Marfat.com

کا بند ٹوٹ جانے کے بعد سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں اسی فلسفے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ معرکہ احد کی اہمیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس پر سیر حاصل بحث اس سورت میں کی گئی ہے۔ اس معرکے میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہو رہی تھی کہ انہوں نے ذرا سی لغزش سے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور اللہ نے اپنا وعدہ اسی وقت پورا کر دیا تھا جب تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے۔ جو کچھ بھی تم چاہتے تھے اسے اللہ نے پورا کر کے دکھا دیا۔ پھر تم سے لغزش سرزد ہو گئی۔ تم آپس میں جھگڑنے لگے اور احکام رسول کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو گئے۔ تم میں سے کچھ تو دنیا کی ہوس رکھتے تھے، اس لیے وہ مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے، لیکن بہت سے ایسے بھی تھے جو اخروی ثواب کی خاطر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہے۔ پھر تمہاری آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منہ پھیر کر واپس بھگا دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا:

((ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعن انما استزلھم الشیطن ببض ما کسبوا))

''جو لوگ اس دن پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئی تھیں۔ دراصل یہ اپنے بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان کے پھسلانے میں آ گئے تھے۔''

ابن اسحاق ''یوم احد'' پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

((کان یوم احد یوم بلاء و مصیبة و تمحیص ، اختر اللہ بہ المومنین ، ومحن بہ المنافقین ، ممن کان یظھر الایمان بلسانہ ، وھو مستخف بالکفر فی قلبہ، و یوم اکرم اللہ فیہ من اراد کرامتہ بالشھادةمن اھل ولایتہ))

''معرکہ احد امتحان و آزمائش کا دن ''یوم محنہ'' تھا تا کہ کھرے کھوٹے میں تمیز ہو جائے، وہ ابتلاء، مصیبت اور تمحیص کا دن تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آزمائش میں ڈال کر کندن بنا دیا اور منافقوں کا امتحان لے کر سب پر واضح کر دیا کہ وہ زبان سے خود کو تو مومن ظاہر کرتے، لیکن دلوں میں کفر بھرا ہوا تھا جسے وہ برابر چھپاتے رہے۔''

معرکہ احد میں کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

''کافرین نہ سمجھیں کہ ہم نے انہیں بالکل یوں ہی چھوڑ دیا تو اس میں ان کی ذات کیلئے بھلائی پوشیدہ ہے۔ یقیناً ہم نے انہیں اس لئے آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ اور بھی زیادہ گناہوں میں دھنستے چلے جائیں

Marfat.com

اور انہیں تو ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا کہ جو بہت ہی دردناک اور ذلیل کن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو موجودہ حالت میں نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ خبیث و منافق اور مخلص و مومن (طیب) میں تمیز ہو جائے۔''

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں سمجھا دیا ہے کہ مسلمانوں کو ''معرکہ احد'' میں بظاہر فیصلہ کن فتح حاصل نہیں ہوئی تو کافر اترانے لگے اور اسلام کے خلاف اور بھی سرگرمی سے کام کرنے لگے، لیکن اس میں بھی بہت بڑی مصلحت پوشیدہ تھی۔ ان کی تخریبی کارروائیوں سے وہ اور بھی زیادہ مضبوط گرفت میں آ گئے۔ انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ انہیں نکبت و ادبار نے قعر مذلت میں دھکیل دیا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔

معرکہ احد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے مسلمانوں پر کیا گزری؟ اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جب تم (مسلمان) کافروں کے اچانک حملے سے گھبرا کر ہٹے اور پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ تم بھاگ رہے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ رسول اللہ پیچھے سے تمہیں پکار پکار کر بلا رہے تھے۔ تو پھر تم پر غم پہ غم ٹوٹ پڑا تا کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہا اور جس قدر مصیبتیں تم پر نازل ہوئیں ان پر تم کڑھو نہیں بلکہ انہیں بھول جاؤ۔''

مسلمان حواس باختہ ہو کر منتشر ہوئے تو انہیں اچھی طرح بھگتنا پڑا، جیتا جتایا میدان ہاتھ سے جاتا رہا اور بہت سے مسلمان افراتفری کے عالم میں شہید ہو گئے۔ یہ مصیبت معمولی مصیبت نہ تھی کہ یکا یک شہادت رسول کی افوہ پھیل گئی۔ آپ کی شہادت کی اندوہناک خبر بجلی کی طرح مسلمانوں کے دل و دماغ پر گری۔ وہ سکتے میں پڑ گئے۔ حواس جاتے رہے، دل و دماغ معطل ہو گئے اور ہاتھ پیروں نے جواب دے دیا۔

ان جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((فاصا بکم غما بغم لکیلا تحزنوا))

''تم پر تو غم پہ غم ٹوٹ پڑا تا کہ تم دوسری مصیبتیں بھول جاؤ۔''

پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم کیا۔ انہیں سہارا ملا تو انہوں نے میدان جنگ میں اپنے رسول کی قیادت میں قدم جمام لیے اور دشمن ناکام ہو کر واپس مکے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اب اس نے مجبور ہو کر دوسروں سے مدد مانگی اور عرب کی ساری طاقتوں کو ایک محاذ پر جمع کر کے تیسری مرتبہ اسلام سے ٹکر لینے کیلئے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے اس ناپاک مقصد کے لئے اپنا سارا سرمایہ داؤ پر لگا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا منتشر کر دیا کہ پھر وہ کبھی بھی ابھر نہیں سکا۔ سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدو عن سبیل اللہ
فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون))

''بلاشک یہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ ہدایت سے روکنے کے لئے اپنی دولت خرچ کرتے ہیں۔ وہ تو ابھی اور خرچ

Marfat.com

کریں گے۔ پھر پچھتائیں گے اور کف افسوس ملیں گے، پھر مغلوب ہو جائیں گے۔"

مسلمانوں کی قنوطیت سے نکالنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ "یوم احد" میں جو کچھ بھی ان کے ساتھ ہوا وہ سب اسی کی منشاء سے ہوا تھا تا کہ مومن و منافق کا پتہ چل جائے۔ اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المومنین o ولیعلم الذین نافقوا))

"جو مصیبتیں تم پر دو جماعتوں کے ملنے کے دن (احد) نازل ہوئیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے تھیں تا کہ وہ مومنوں کو اچھی طرح پہچان لے اور منافقوں کو بھی پہچان لے۔"

اس لیے "تم نہ تو اپنی سرگرمیوں میں ڈھیل ڈالو اور نہ ہی رنج و فکر کرو اور تم تو آخر کار سب پر غالب آجاؤ گے بشرطیکہ تم ایمان پر قائم رہے۔" یہ ہے اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو "معرکہ احد" کے ردعمل کو دور کرنے کیلئے بباانگ دہل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے علی الاعلان فرمادیا:

((ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین))

"معرکہ احد" کے بعد اسلام کی سرفرازی اور سربلندی کے اس اعلان کو تاریخ میں وہی اہمیت حاصل ہے جو صلح نامہ حدیبیہ کے بعد "فتح مبین" کے مبارک اعلان کو حاصل ہوئی۔ صلح نامہ حدیبیہ کی بظاہر مغلوبانہ شرائط سے مسلمان بددل ہو گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ یہ تو تمہیں درحقیقت کھلی کھلی فتح حاصل ہوئی ہے اور تاریخ نے ثابت بھی کر دیا کہ صلح نامہ حدیبیہ کی وجہ سے دشمن نے بری طرح مات کھائی۔ اسی طرح معرکہ احد میں مسلمانوں کو مکمل طور سے فتح نہیں ہوئی تو وہ غم زدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی انہیں یقین دلا دیا تھا کہ انہیں تو دراصل سرخروئی اور سربلندی کے ساتھ دشمن پر غلبہ حاصل ہوگا۔ گویا "معرکہ احد" کی وجہ سے دشمن پر پورا پورا تسلط حاصل ہونے کیلئے زمین ہموار ہوئی اور ماحول پیدا ہوا اور اسی لیے اسے تاریخ اسلام کا بہت ہی اہم اور غیر معمولی واقعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

معرکہ احد کے اثرات:

معرکہ احد میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوا۔ تقریباً پچھتر مسلمان شہید ہوئے۔ ان کے مقابلے میں کافر مقتولوں کی تعداد صرف بائیس تھی۔ کافروں نے شہدائے کرام کی لاشوں کی بے حرمتی کی اور درندگی کا مظاہرہ کیا۔ مکے واپس جا کر انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دوسرے قبیلوں کو بھڑکایا اور ہر ایک سے کہنا شروع کر دیا کہ بس اب تو مسلمانوں میں ذرا سا دم نہیں رہا۔ اس لیے سب متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ کریں تو انہیں فنا کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے طاقتور قبیلوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور سب نے مل کر مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا۔

پہلے اکیلے قریش سے لڑائی تھی اب آہستہ آہستہ یہ آگ اور جگہ بھی پھیلتی جاتی تھی اور نجد تک پہنچ چکی تھی۔ بنو قریش اور ان کے حلیف مسلمانوں کو دھوکے سے اپنے علاقوں میں لے جاتے اور وہاں قتل کر دیتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حرکتوں کا

Marfat.com

مقابلہ حزم واحتیاط سے کیا۔ دشمن قبیلوں کی نقل وحرکت کا پتہ لگانے کیلئے رضا کار بھیجے اور خبر ملتے ہی آپ نے ان کے خلاف کارروائی کی۔ آپ زیادہ تر فوجی مظاہرے پر اکتفا فرماتے تھے۔ دراصل آپ آخر دم تک یہی چاہتے تھے کہ خونریزی نہ ہو اور محض دشمن کی کڑی نگرانی ہی سے معاملہ رفع دفع ہو جائے۔

احد اور مال غنیمت:

غزوہ اُحد سن 3 ہجری/625 عیسوی کا غالباً اہم ترین غزوہ اور تاریک ساز مرحلہ تھا، جو اگرچہ فوجی اور سیاسی اعتبار سے بہت دوررس نتائج کا حامل تھا مگر مالی اور اقتصادی لحاظ سے خاص کر مال غنیمت کے نقطہ نظر سے خسارہ کا سودا تھا، زیادہ سے زیادہ اس کا نا قابل ذکر اور غیر اہم مہمات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ شروع جنگ میں مسلمانوں کو خاصی فوجی کامیابی ملی مگر آخر کار وہ بیشتر مسلم تیر اندازوں کی غفلت، حکم عدولی اور لالچ کے سبب ناکامی اور شکست میں تبدیل ہوگئی۔ ان کی غفلت اور لالچ یہ تھا کہ وہ مال غنیمت کے حصول کے لیے اپنے مورچے چھوڑ بیٹھے تھے اور پورے لشکر اسلامی کی ہار اور ذلت کا باعث بن گئے۔ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتح وکامرانی کے ابتدائی لمحات میں بعض مسلمان غازیوں کو خاصا مال غنیمت ملا تھا۔ اسے زیادہ تر دشمن کے لشکر سے حاصل کیا گیا تھا اور کچھ اسلاب کی صورت میں بھی ملا تھا، لیکن یہ سارا مال غنیمت فاتحوں کے قبضہ میں باقی نہیں رہ سکا تھا اور اس کا بیشتر حصہ افراتفری اور شکست کے عالم میں ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

بایں ہمہ بعض مسلمان سپاہی اپنے مال غنیمت پر قبضہ رکھنے میں کامیاب بھی رہے۔ دو مجاہدوں کے بارے میں کم از کم معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک کو ایک چھوٹی سی تھیلی میں پچاس دینار (چھ سو درہم) ملے تھے جبکہ دوسرے کو تیرہ مثقال چاندی (لگ بھگ سولہ درہم) ملے تھے۔ جب وہ دونوں جنگ کے خاتمہ پر اپنا مال غنیمت خدمت نبوی میں لائے تو آپ نے اس مختصر سی غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ان کا مال انہیں کو بخش دیا۔

پہلے دو سالوں میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کا مختصر تجزیہ:

ہجرت نبوی کے بعد کے دو برسوں کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع کے پہلے سولہ ماہ کے دوران مسلمانوں کی تمام تر مہم جوئی اور فوج کشی کے باوجود کوئی مال غنیمت نہیں ملا۔ اس دوران (2-1 ہجری/24-622ء) کل بارہ مہمیں غزوات وسرایا انجام پذیر ہوئیں۔ ان میں سے چار مہموں میں کچھ نہ کچھ مال غنیمت ملا۔ ان غنیمت والی مہموں میں سب سے زیادہ مال غنیمت غزوہ بدر میں حاصل ہوا۔ زمانی ترتیب کے لحاظ سے مسلمانوں کو ہجرت نبوی کے ڈیڑھ سال بعد اولین مال غنیمت ملا، کیونکہ بعض روایات کے مطابق سریہ نخلہ کا مال غنیمت بدر کے مال غنیمت کے ساتھ ہی تقسیم ہوا تھا۔ گویا ضرورت شدید کے پہلے اٹھارہ ماہ مسلمانوں نے اپنے ذرائع آمدنی اور وسائل رزق سے اپنے جسم وجان کا رشتہ برقرار رکھا تھا اور اس دوران ان کی روزی روٹی میں مال غنیمت کا کوئی حصہ نہ تھا۔

مالیت کے لحاظ سے سریہ نخلہ کا مال غنیمت بہت معمولی تھا اور صرف چھ یا گیارہ افراد کو کسی حد تک مستفید کر سکا تھا، جبکہ غزوۂ بدر کے مال غنیمت نے لگ بھگ سوا تین سو افراد امت کو معمولی طور سے مالدار بنا دیا تھا اور قیدی پکڑنے والوں کو نسبتاً کچھ زیادہ مالی فائدہ پہنچایا تھا۔ اسی کو مال وافر یا مال کافی کہا جا سکتا ہے، لیکن عام مجاہدین اور مجموعی طور سے امت اسلامی کی

Marfat.com

مالداری کی نوبت نہیں آئی تھی کہ خود مجاہدین کو مال غنیمت کی کمی کا شکوہ تھا۔ البتہ غزوۂ بنوقینقاع سے حاصل ہونے والی غیر منقولہ جائیدادوں نے غریب مسلمانوں کی ناداری اور مفلسی کو دور کرنے میں نہ صرف بہت مدد کی تھی بلکہ اسلامی حکومت اور مسلم امت کو ایک مستقل ذریعہ آمدنی بھی فراہم کیا تھا۔ یہ بلا شبہ بہت وقیع مال غنیمت تھا جس کے دوررس اثرات اور مستقل نتائج مرتب ہوئے۔

باقی دو مہموں میں جو مال غنیمت ملا وہ بہت معمولی بلکہ ناقابل لحاظ تھا اور مسلمانوں کی مالداری یا اسلامی حکومت کی آمدنی میں اس کا کردار تقریباً صفر تھا۔ آخر میں دو مذکورہ بالا نتیجوں کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے: اول کہ یہ بارہ میں سے صرف چار مال غنیمت ملا اور ان میں سے بھی صرف دو مہموں میں وہ وقیع تھا۔ دوم یہ کہ وہ ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد حاصل ہوا یعنی سنہ 2 ہجری/624ء کے اواخر یا وسط میں، جب مسلم امت کسی نہ کسی طور سے اپنے پیروں پر کھڑی ہونے لگی تھی۔

غزوۃ الکدر سے حاصل ہونے والا مال غنیمت

تیسرے اسلامی سال میں سات غزوات وسرایا پیش آئے جن میں صرف تین میں مسلمانوں کو مالی یا اقتصادی فوائد حاصل ہوئے۔ غزوۃ الکدر اس برس کا پہلا غزوہ تھا جس نے اس برس اولین مال غنیمت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ ایک روایت کے مطابق وہ پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا اور دوسری روایت کے مطابق سولہ سو اسی اونٹوں (بعیر) پر۔ واقدی نے پہلی روایت کو زیادہ قابل اعتماد اور مستند تر مان کر اسی کو ترجیح دی ہے۔ اس سے دو سو مسلم غازیوں کے حصے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی اور اسلامی ریاست کا خمس شامل تھا۔ دوسری مورخین نے بھی پہلی روایت ہی کو ترجیح دی ہے' اس لیے اسی کو زیادہ صحیح سمجھنا چاہیے یہاں تک کہ دوسرے شواہد یا قرآئن دوسری روایت کی ترجیح کے مل جائیں۔

غزوۃ الکدر کی غنیمت اولین روایت کے مطابق بیس ہزار درہم کی مالیت کی تھی اور دوسری روایت کے مطابق ستر ہزار درہم کی۔ اور ان دونوں کے مطابق ایک معیاری مسلم حصہ ایک سو درہم کا تھا یا تین سو درہم کا۔ ترجیح فی الحال اولین تخمینہ کو حاصل ہے۔

سریہ القردہ اور مال غنیمت

توقیتی ترتیب یا زمانی اوقات اور تاریخی ترتیب کے مطابق پانچویں مہم اور مال غنیمت کے لحاظ سے تیسرے برس کی دوسری مہم سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھا جو القردۃ نامی علاقے کی جانب بھیجا گیا تھا اور جس میں ایک سو مسلم غازیوں نے حصہ لیا تھا۔ اس سریہ نے مشرق شاہراہ تجارت یعنی مکہ مکرمہ سے عراق جانے والے راستے پر سفر کرنے والے ایک قریشی کارواں پر کامیاب چھاپا مارا اور اس کے تمام مال تجارت پر قبضہ کرلیا۔ جس میں زیادہ تر خام چاندی (فضہ) تھی

Marfat.com

اور جو اتفاق سے مکی تاجروں کی تجارت خاص کر بین الاقوامی تجارت کا سب سے اہم مال ہوتی تھی۔ کارواں کے تمام محافظ بچ کر نکل گئے۔ ہمارے ماخذ بصراحت بیان کرتے ہیں کہ مال غنیمت کی مالیت ایک لاکھ درہم تھی کیونکہ اسلامی ریاست کا خمس بیس ہزار درہم کی مالیت کا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک معیاری مسلم حصہ غنیمت (سہم) آٹھ سو درہم کی مالیت کا تھا۔

ہجرت کے تیسرے سال میں حاصل شدہ مال غنیمت کا تخمینہ:

سنہ 3 ہجری/624-25ء کی تمام مال غنیمت والی مہموں کا مجموعی میزان ایک لاکھ اکیس ہزار درہم سے زیادہ نہیں آتا۔ سات مہموں میں سے چار میں تو کچھ ملا ہی نہیں۔ تین مہموں میں سے صرف پہلی اور دوسری مہم میں کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا اور وہ بھی دوسری مہم میں کسی حد تک قابل ذکر تھا۔ غزوۂ اُحد کی غنیمت کا بس نام ہی نام ہے، مالی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ ایک اعتبار سے اس سال کو خالی برس یا بے ثمر سنہ کہا جا سکتا ہے۔

سریہ القطن

بنو اسد کی سرکوبی:

بنو اسد کے رئیس طلحہ اور خویلد نے مدینے پر حملہ کرنے کیلئے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ کو خبر ملی تو آپ نے حضرت ابو سلمہ کو ایک سو پچاس مجاہدوں کیساتھ روانہ کر دیا۔ انہوں نے بنو اسد کے گڑھ ''قطن'' پر دھاوا بول دیا۔ اس اچانک حملے کی خبر سن کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور اپنے جانور تک چھوڑ گئے۔ یہ واقعہ محرم ۴ ہجری مطابق ۶۲۵ء میں ہوا تھا۔

سریہ القطن سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

سنہ 4 ہجری کی کل مہمیں سال گزشتہ کی طرح سات ہی تھیں اور ان میں سے صرف دو میں کچھ مال غنیمت ملا، باقی پانچ مال غنیمت کے لحاظ سے بے ثمر و بے برگ و بار رہیں۔ اس برس کی اولین مہم حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بن الاسد قریشی کا سریہ تھا جو القطن نامی مقام کی طرف قبیلہ بنو اسد کے خلاف بھیجا گیا تھا (محرم سنہ 4ھ/جون 625ء) مآخذ کی ایک روایت کے مطابق مسلم فوج کے ایک سو پچاس سپاہیوں میں سے ہر ایک کے حصہ غنیمت میں سات اونٹ پڑے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مال غنیمت اونٹوں مشتمل تھا جن کی کل تعداد ایک ہزار تین سو دس تھی۔ اس تعداد میں اسلامی ریاست کا خمس اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی بھی شامل تھی۔ ہمارے حساب سے کل مال غنیمت کی مجموعی مالیت باون ہزار چار سو درہم تھی اور ایک معیاری مسلم حصہ کی صرف دو سو اسی درہم۔

بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم غازیوں نے مال غنیمت کے اونٹوں کے ساتھ ان کے چرواہوں (رعائہم) کو بھی پکڑ لیا تھا جو سب کے سب غلام (ممالیک) تھے۔ مگر ان کی قسمت کے بارے میں ہمارے مآخذ سب کے

Marfat.com

سب خاموش ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ غلام بنا لیے گئے تھے یا مسلمان ہو گئے تھے یا آزاد کر دیئے گئے تھے۔ مآخذ کی خاموشی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً وہ سب آزاد کر دیئے گئے ہوں گے اور ان کی مالی قیمت مال غنیمت میں شامل نہ رہی ہوگی۔ بہر حال امکان اس کا بھی ہے کہ وہ غلام و مزدور بنے ہوں اور اسلامی ریاست کے قبضہ میں رہے ہوں۔ اس صورت میں مال غنیمت میں دو تین ہزار درہم کا مزید اضافہ ہو گیا ہوگا۔

دشمن قبیلوں کے خلاف کارروائی

بنولحیان کی سرکوبی:

اسی زمانے میں بنولحیان (ہذیل) کے سردار سفیان بن خالد کی نیت بدل گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سرکوبی کیلئے عبداللہ بن انیس کو مامور کر دیا۔ انہوں نے جا کر حالات معلوم کیے اور موقع پا کر سفیان بن خالد کو ٹھکانے لگا دیا۔

بنوغطفان سرکوبی:

اسی طرح بنوانمار، بنومحارب اور بنوثعلبہ نے بھی مدینے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ان سب کا تعلق غطفان سے تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود چار سو یا آٹھ سو مجاہدوں کو لے کر روانہ ہوئے اور آپ ان کے مرکز ''ذاالرقاع'' پہنچے، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی اور دشمن خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی مقام پر آپ نے صلوٰۃ خوف ادا فرمائی اور واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ ذومۃ الجندل میں بھی دشمنوں کا یہی حشر ہوا۔

دومۃُ الجندل اور بنومصطلق

غزوہ دومۃ الجندل:

ربیع الاول ۵ ہجری بمطابق اگست ۶۲۶ء میں آپ ایک ہزار مجاہدوں کو لے کر دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے، وہاں کے کافر اس غیر متوقع حملے سے سراسیمہ ہو گئے۔ ان میں مقابلے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ اس لیے وہ فرار ہو گئے لیکن بنو مصطلق (بنوخزاعہ) نے سب سے زیادہ سرگرمی سے تخریبی کارروائیوں میں حصہ لیا تھا ان کی بستی مریسیع میں آباد تھی۔

غزوۂ دومۃ الجندل سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

اسلامی تقویم کے پانچویں برس کل پانچ مہمیں واقع ہوئیں جن میں سے صرف تین میں مسلمانوں کو کچھ مال غنیمت حاصل ہوا۔ ربیع الاول/اگست میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ دومۃ الجندل دراصل کسی قبیلہ یا فرد کے خلاف اقدامی کارروائی نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد بعض شمالی قبیلوں کے ڈاکوؤں اور رہزنوں (قطاع الطریق) کی گوشمالی کرنا اور تجارتی شاہراہوں کی حفاظت کرنا تھا کیونکہ ان ڈاکوؤں نے پورے علاقہ کے بازاروں اور ان کی تجارتی شاہراہوں پر لوٹ مار کا بازار گرم رکھا تھا اور کاروانوں کی آمد و رفت میں رخنہ ڈال رکھا تھا۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تادیبی کارروائی کے نتیجہ میں کچھ مویشی بطور غنیمت ضرور حاصل ہوئے لیکن ان کی تعداد زیادہ نہ تھی کیونکہ مویشی رہزنوں سے حاصل کیے گئے تھے جن کی اپنی تعداد اور عددی قوت بہت کم تھی۔ جدید مؤرخین و مستشرقین میں کیتانی اور مونٹگھری واٹ کو بھی خاصا اعتراف ہے کہ یہ مسلم کارروائی نہ تو فوجی اقدام تھا اور نہ کسی قبیلہ یا قبیلوں کے مجموعہ کے خلاف فوج کشی تھی۔ اس لیے ان کی تعداد بہر حال زیادہ نہیں ہوسکتی تھی۔ ہمارے مآخذ بھی اس سلسلہ میں خاموش ہیں، ورنہ نہ تو مال غنیمت کے مویشیوں کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں، نہ مسلم حصوں کا حوالہ دیتے ہیں اور نہ ہی خمس کا اندازہ پیش کرتے ہیں۔ اس لیے اس مال غنیمت کی قیمت کا اندازہ محض ظن وتخمین پر ہی لگایا جاسکتا ہے۔ اگر اس کو دس ہزار درہم کے مساوی سمجھا جائے تو کافی قرین انصاف ہوگا۔

غزوہ بنو مصطلق:

واقدی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہوکر شعبان ۵ ہجری بمطابق جنوری ۶۲۷ء میں بنو مصطلق کے خلاف فوجی کارروائی کی۔ آپ بہ نفس نفیس اس جنگ میں شریک ہوئے۔ دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ چھ سو آدمی گرفتار ہوئے اور مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بھی ہاتھ آئیں۔

ابن اسحاق کے مطابق یہ فوجی کارروائی ۶ ہجری میں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بنو مصطلق کو شکست دی۔ بہت سے قتل ہوئے اور ان کے بچوں، عورتوں اور مال ومتاع پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب ''فئے'' میں شمار کرلیا۔

ابن ہشام کے مطابق یوم مصطلق کے تاریخی معرکہ کارزار کے موقع پر مجاہدین کا نعرہ (شعار) تھا:

''یا منصو ! امت امت''

ان اقدامات نے بنو قریش کی تدبیروں کو خاک میں ملا دیا۔ وہ ہر ایک سے کہتے پھرتے تھے کہ اب مسلمانوں میں دم نہیں ہے، لیکن مجاہدوں کی فوج کشی سے ان کا بھرم کھل گیا اور ان کی وقعت جاتی رہی۔ آپ کے دفاعی اقدامات اور عسکری مظاہروں سے قریشی اتحادیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور ان میں سے بہت سے تو اسلام کے خلاف ان کا ساتھ دینے سے کترانے لگے۔

غزوہ مریسیع (بنو مصطلق) سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

تقریباً چھ ماہ بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور غزوہ کی قیادت فرمائی۔ اس موقع پر کارروائی فوجی نوعیت کی تھی، اگرچہ وہ بھی تادیبی تھی مگر ایک اہم قبیلہ کی ایک بڑی شاخ کے خلاف کی گئی تھی۔ قبیلہ خزاعہ کا ایک خاندان / بطن بنو المصطلق خود اپنی جگہ قبیلہ بن چکا تھا۔ ان کی بڑھتی ہوئی طاقت اور عددی قوت نے ان کو مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا جس کی خبریں دم بہ دم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خبروں کی تصدیق اپنے ذرائع سے بھی فرمالی۔ مسلم فوج نے تیز رفتاری سے کوچ کر کے اچانک بے خبری کے عالم میں ان کو جالیا۔ مریسیع نامی چشمہ کے مقام پر فریقین میں جنگ ہوئی اور فتح مسلم سپاہ کو ملی۔

اس شاندار فتح کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت لگا۔ اس میں دو ہزار اونٹوں، پانچ ہزار بھیڑ بکریوں

Marfat.com

کے علاوہ بہت سے اسلحے اور ہتھیار (سلاح) بھی شامل تھے جن کی تعداد کا ذکر مآخذ نے نہیں کیا۔ اسی کے ساتھ شکست خوردہ دشمن کے کجاووں اور لشکر گاہ میں جو دوسرا مال واسباب (متاع) تھا وہ بھی مسلم مجاہدین کے قبضہ میں آ گیا۔ اگر چہ نقد و جنس اور اسلحہ پر مشتمل اس مال غنیمت کے علاوہ دشمن کے تقریباً دوسو خاندان (حی) بھی گرفتار ہو کر اسلامی ریاست کے قیدی بن گئے تھے مگر اس غزوہ کے دوران بنوالمطلق کے سردار حضرت حارث بن ابی ضرار کی دختر نیک اختر حضرت جویریہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کر لی۔ آپ نے اس رشتہ کی بنا آدھے قیدیوں کو بطور احسان وحسن سلوک رہا کر دیا اور باقی سو خاندانوں نے زرفدیہ ادا کر کے رہائی پائی۔

اگر چہ ہمارے مآخذ میں زرفدیہ کی کل مالیت یا اس کی کسی شرح کا واضح ذکر نہیں ملتا تاہم دو ایسے قرینے ملتے ہیں جو کم ازکم زرفدیہ کی کل مالیت کا ایک عمومی تخمینہ لگانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

پہلا قرینہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی گرفتاری، قید اور رہائی کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں تقریباً تمام سیرتی اور حدیثی مآخذ میں یہ اہم اور دلچسپ روایت ملتی ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد وہ دو مسلم مجاہدوں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس خزرجی اور ان کے ایک نامعلوم چچازاد بھائی کے حصہ میں مشترکہ طور پر پڑی تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہ دو مالکوں کے درمیان تقسیم نہیں کی جا سکتی تھیں۔ اس لیے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی سے انہیں خرید لیا اور بطور قیمت مدینہ منورہ میں واقع اپنا ایک چھوٹا سا کھجور کا باغ (نخلہ) ان کو دے دیا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے دونوں کے حصوں کے مالک بن گئے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ثابت خزرجی سے اپنی آزادی کا سودا جسے فقہی اصطلاح میں مکاتبت کہتے ہیں کر لیا کہ وہ نو اوقیہ سونا ان کو ادا کریں گی تو آزاد ہو جائیں گی۔ یہ رقم چار ہزار درہم کے لگ بھگ تھی۔ غزوۂ بدر کے اسیروں اور قیدیوں کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ زرفدیہ کی گراں ترین شرح یہی رقم تھی جو بالعموم سماجی قدر ومنزلت کے قیدیوں سے وصول کی جاتی تھی۔ مکاتبت کی ادائیگی کے سلسلہ میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر امداد چاہی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر آپ نے ان سے شادی کی تجویز رکھی اور انہوں نے اسے بخوشی قبول کر لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ رقم حضرت ثابت کو ادا کر دی اور وہی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی رقم قرار پائی۔

ایک دوسرے واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھ چھوٹے چھوٹے بچوں کی ماں نے اپنی اور اپنے بچوں کی آزادی حاصل کرنے کے لیے چھ فرائض (دو اونٹ جو صدقہ یا زکوۃ میں دیئے جاتے ہیں) بطور زرفدیہ ادا کیے اور رہائی حاصل کر لی۔ یہ عام یا معمولی قیدیوں کی زرفدیہ کی معیاری شرح معلوم ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر ہم فرض کر لیں کہ بنومطلق کے زرفدیہ ادا کرنے والے قیدیوں نے چھ سو عام قسم کے اونٹ یا کسی دوسری جنس میں یا نقد میں ان کی مساوی قیمت ادا کی تھی تو یہ بات حقیقت سے دور نہ ہوگی۔ اس صورت میں زرفدیہ کی کل مالیت ایک لاکھ درہم قرار پائے گی۔ مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والی دوسری چیزوں مثلاً: اسلحہ اور سامان ضرورت وغیرہ کی مالیت کو بھی اس میں جوڑ لیا جائے تو کل مالیت غنائم دو لاکھ درہم سے کسی طرح زیادہ نہ ہوگی۔ اگر واقدی اور ابن سعد وغیرہ مؤرخین کا یہ بیان تسلیم کر لیا جائے جو بعض دوسری روایات سے معارض ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جویریہ رضی

Marfat.com

اللہ عنہا کی شادی کے بعد تمام اسیران بنوالمصطلق کو زرفدیہ ادا کیے بغیر بطور احسان رہا کر دیا گیا تھا تو کل مالیت میں خاصی کمی ہو جائے گی۔ بہر حال اس غزوۂ کے مال غنیمت کے باب میں بھی ہم سب سے زیادہ تخمینہ قبول کر رہے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مالیت مقرر کر رہے ہیں تا کہ کسی قسم کی کمی یا نقص کا احتمال نہ رہے جیسا کہ ہم نے دوسرے غزوات وسرایا کی غنیمت کے تخمینہ کے سلسلہ میں طریق کار اپنایا ہے۔

مسلمان مبلغین کو شہید کرنا

کفار کا دھوکا:

کافروں کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو طاقت کے زور سے دبا نہیں سکتے، اس لیے وہ سازشوں پر اتر آئے اور دھوکے سے مسلمانوں کو شہید کرنے کی چال چلنے لگے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کی تعریف کرتے اور درخواست کرتے کہ اسلامی شریعت کی تعلیم کے لئے مبلغوں اور داعیوں کو ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ پھر انہیں اپنے علاقوں میں لے کر دھوکے سے شہید کر دیتے تھے۔ اس قسم کے دو بہت ہی دردناک حادثے پیش آئے:

1: حادثہ رجیع۔ 2: بئر معونہ۔

حادثہ رجیع (صفر ۳ ہجری بمطابق جولائی ۶۲۵ء):

عضل وقارہ کے ایک وفد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ان کی بستی میں اسلام پھیل گیا ہے۔ اس لیے لوگوں کو قرآن حکیم پڑھانے اور دین کی باتیں سکھانے کیلئے معلموں اور مبلغوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ بھیج دیں۔ آپ نے ان کی درخواست پر حضرت مرثد غنوی کی امامت میں چھ مبلغ بھیج دیئے۔ راستے میں ہذیل کا چشمہ واقع تھا، وہیں قافلہ ٹھہر گیا۔ غداروں نے ہولحیان کے مشرکوں سے پہلے ہی ساز باز کر لی تھی۔ اچانک دو سو لحیانی تیر اندازوں نے انہیں نرغے میں لے لیا۔ پھر انہیں ایمان کا واسطہ دے کر ٹیلے سے نیچے اترنے کیلئے کہا لیکن حضرت مرثد، حضرت خالد بن بکیر اور حضرت عاصم بن ثابت نے دوٹوک جواب دے دیا:

((واللہ لا تقبل من مشرك عهدو لا عقد ابداً))

''واللہ! ہم مشرکوں کی نہ تو کوئی بات مانیں گے اور نہ ہی ان سے کبھی کوئی سمجھوتہ کریں گے۔''

ان مبغلوں میں سے تین گرفتار ہو گئے۔ باقی نے اللہ کے نام پر جان قربان کر دی۔ قیدیوں میں سے حضرت عبداللہ بن طاق نے ''شہران'' میں رہائی کے لئے جدوجہد کی اور شہید ہو گئے۔ باقی دو مجاہد حضرت زید بن دثنہ اور حضرت خبیب بن عدی کو مکے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔

مکے کے معزز کافروں نے اپنے عزیزوں کے خون کا بدلہ و قصاص لینے کے لئے دوسرے قبیلوں کے کافروں کی خدمت حاصل کیں تا کہ وہ دھوکے سے مسلمانوں کو قتل کر دیں یا پھر زندہ گرفتار کر کے ان کی خدمت میں پیش کریں تو انہیں معقول معاوضہ دیا جائے گا۔ یہ حادثہ اس گٹھ جوڑ کی ایک کڑی تھی۔

Marfat.com

حضرت خبیب نے معرکہ بدر میں حارث بن عام کو قتل کر دیا تھا۔ اس لیے انہیں اس کے بیٹے عقبہ نے خرید کر شہید کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ شہادت سے پہلے انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان ہو گئے۔ اسی کے بعد یہ رسم ہو گئی کہ شہادت سے پہلے مسلمان دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔

حضرت زید بن وثنہ کو صفوان نے خرید لیا، اس کا باپ امیہ بن خلف بھی بدر میں مارا گیا تھا۔ اس لیے اس نے بھی اپنے باپ کا بدلہ لینے کیلئے انہیں خرید کر شہید کر دیا۔ مروی ہے کہ قصاص لینے کیلئے اعلیٰ پیمانے پر تقریب منائی گئی جس میں مکے کے معزز کافر شریک ہوئے۔ صفوان کا غلام تلوار لے کر ان کے پاس کھڑا ہوا، ادھر سفیان نے ان سے پوچھا:

''سچ سچ بتانا اگر تمہاری جگہ محمد (نعوذ باللہ) قتل کر دیئے جائیں تو کیا تمہیں خوشی نہ ہو گی۔؟''

انہوں نے نڈر ہو کر جواب دیا:

((واللہ ما احب ان محمد اللان فی مکان الذی ھو فیہ تصیبہ شوکۃ توذیہ وابی جالس فی اھلی))

''واللہ! یہ بات تو کبھی بھی نہیں ہو سکتی۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں کو کانٹوں کی زد سے بچانے کیلئے میری جان بھی چلی جائے تو میں اسے اپنی سعادت و خوش قسمتی سمجھوں گا۔''

ابوسفیان نے اس جواب سے متاثر ہو کر تسلیم کر لیا:

((مارایت من الناس احدا یحب احدا کحب اصحاب محمد محمدا))

''جس قدر محمد کے ساتھی محمد سے محبت کرتے ہیں، میں نے کسی انسان کو کسی سے ایسے والہانہ انداز میں محبت کرتے نہیں دیکھا۔''

ویٹ کے مطابق خبیب اور زید بن وثنہ کے ہاتھوں معرکہ بدر میں کوئی کافر قتل نہیں ہوا تھا، لیکن انتقام کے مارے اندھے ہونے والے قریشی فرعونوں نے انہیں بھی نہیں بخشا اور انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا۔ مسلمانوں نے اس المیہ کی خبر سنی تو بہت ہی غم زدہ ہوئے اور حضرت حسان نے تو حادثہ رجیع اور مظلوم شہیدوں کی یاد میں مرثیہ لکھا۔ سیرۃ ابن ہشام میں یہ واقعہ حادثہ بئر معونہ سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اس ترتیب کے مطابق ۳ ہجری میں حادثہ رجیع پیش آیا تھا۔

حادثہ بئر معونہ (صفر ۴ ہجری بمطابق جولائی ۶۲۵ء):

ابو براء عامر بن مالک بنو عامر کا رئیس تھا اور نیزے بازی میں ماہر ہونے کی وجہ سے ''ملاعب الاسنۃ'' کے لقب سے مشہور تھا۔ اِس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ کچھ مبلغین اہل نجد میں اسلام پھیلانے کیلئے اس کے ساتھ بھیج دیں۔ اہل نجد کی اسلام دشمنی سے آپ واقف تھے۔ اس لیے آپ نے ان کی طرف سے تشویش ظاہر کی، لیکن اس نے بہت ہی اصرار کیا تو آپ نے چالیس یا ستر چیدہ چیدہ خیار المسلمین کو بھیج دیا۔

انہوں نے ''معونہ کنویں'' کے پاس قیام کیا۔ حضرت حام بن ملحان آپ کا خط لے کر ملت مسلمہ کے کٹر دشمن عامر بن

Marfat.com

طفیل کے پاس گئے تو اس نے انہیں شہید کر کے بنو سلیم کے پڑوسیوں کو ورغلایا۔ وہ اپنے جواں مردوں کو لے کر بئر معونہ پہنچ گئے اور اچانک حملہ کر کے بے گناہ مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ صرف دو مسلمان زندہ بچے تھے۔ ان میں سے ایک کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے، لیکن ان میں ذرا سی جان باقی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت بخشی اور وہ صحیح سلامت مدینے پہنچ گئے۔ دوسرے مسلمان حضرت عمرو بن امیہ تھے۔ انہیں کافروں نے گرفتار کر لیا لیکن وہ مضری تھے، اس لیے رشتے داری کا پاس کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دیا گیا۔ مروی ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ نے راستے میں بنو عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے۔ انہوں نے مدینے آ کر مظلوم مسلمانوں کی شہادت کا المیہ سنایا اور بتایا کہ انہوں نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ چونکہ بنو عامر اور مسلمانوں میں حلیف کا رشتہ قائم تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو افسوس ہوا اور آپ نے دونوں مقتولوں کا خون بہا ادا کر دیا۔

بدر صغریٰ یا بدر موعود

(شعبان ۴ ہجری بمطابق جنوری ۶۲۶ء)

میدان احد میں ابوسفیان کو غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ میدان چھوڑ کر واپس جانے سے پہلے اس نے مسلمانوں کو دھمکی دی تھی کہ اس مرتبہ تو وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا البتہ وہ اگلے سال میدان بدر ہی میں ان سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کیلئے تیار ہے۔ مسلمانوں نے بھی اس کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوجی تیاریاں مکمل کر کے ابوسفیان سے نمٹنے کیلئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابن ہشام کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کو مدینے میں اپنا نائب مقرر کیا۔ ابن اسحاق کے مطابق آپ شعبان کے مہینے میں ابوسفیان سے مقابلہ کرنے کیلئے بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت آپ کے ساتھ پندرہ سو مجاہد تھے۔ بدر میں آپ نے آٹھ راتوں تک قیام فرمایا اور ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے۔ ابوسفیان بھی دو ہزار جوانوں اور پچاس سواروں پر مشتمل اپنی فوج لے کر ''مجنہ'' تک آیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے ''عسفان'' میں منزل کی، لیکن قحط سالی کی وجہ سے اس کی فوج میں رسد کی قلت پڑ گئی اور اس کے ساتھی ستو پی پی کر گزارا کرتے رہے۔ اس لیے اس نے عافیت و سلامتی اسی میں سمجھی کہ واپس مکہ معظمہ لوٹ جائے۔

دراصل وہ مسلمانوں کی جواں مردی اور ایثار و قربانی کے جذبے سے انتہائی مرعوب و خوفزدہ تھا، اس لیے ان سے مقابلے کی ہمت اس میں تھی ہی نہیں۔ قحط سالی کے عذر کو سامنے رکھ کر وہ تو جان چھڑا کر بھاگنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ محض چکر لگا کر واپس مکے کی طرف کوچ کر گیا، لیکن مجاہد مسلسل آٹھ دن تک بدر میں ٹھہرے رہے۔ وہاں میلہ لگا ہوا تھا۔ انہوں نے میلے میں شرکت کی، تجارت میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا جس سے انہیں کافی فائدہ ہوا۔

واقدی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ ۴ ہجری (اپریل ۶۲۶ء) میں ابوسفیان سے نمٹنے کے لئے

Marfat.com

بدر میں قیام فرمایا تھا۔ابن ہشام نے ''غزوہ بدرالصغریٰ'' کاواقعہ ''غزوہ بدرالآخرہ'' کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

محاصرہ بنونضیر

(ربیع الاول ۴ ہجری بمطابق اگست ستمبر ۶۲۵ء)

حضرت عمرو بن امیہ حادثہ بئر معونہ میں گرفتار ہو گئے تھے لیکن کافروں نے رشتے داری کا پاس رکھ کر انہیں رہا کر دیا تھا۔انہوں نے راستے میں بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا لیکن بنو عامر مسلمانوں کے حلیف تھے، اس لیے ان پر کوئی مسلمان ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ کو بہت ہی افسوس ہوا اور آپ نے ان کے وارثوں کو خوں بہا دینے کا فیصلہ کیا۔یہودیوں نے مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا کہ اگر کسی مسلمان یا بنونضیر کے کسی آدمی کے ہاتھ سے کوئی ناحق مارا جائے تو دونوں پر اس کا خون بہا ادا کرنا واجب ہوگا، اس لیے آپ بنونضیر کے قلعے میں گئے اور ان سے کہا کہ وہ بھی اپنے حصے کا خون بہا ادا کر دیں۔

ابھی مذاکرات جاری تھے کہ کانا پھوسی کی بھنک آپ کو پڑ گئی۔دراصل یہودیوں نے اپنا ایک آدمی چھت پر بھیج دیا تھا تاکہ وہ اوپر سے بھاری پتھر پھینک کر آپ کو شہید کر دے، لیکن عین وقت پر آپ کو پتہ چل گیا اور آپ فوراً وہاں سے چلے آئے۔پھر آپ نے بنونضیر کو ہدایت کی کہ وہ دس روز کے اندر اندر مدینے سے نکل جائیں، ورنہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔شاید وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرتے لیکن انہیں منافقوں کے سرغنہ عبداللہ بن اُبی نے بھڑکا دیا۔منافقوں کا سہارا ملا تو یہودی قلعہ بند ہو کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔آپ نے بھی بنونضیر کی ناکہ بندی کا حکم دے دیا۔ پندرہ روز تک قلعے کا سختی سے محاصرہ کیا گیا تو ان کی حالت خراب ہونے لگی۔اس لیے مجبو ہو کر انہوں نے قلعہ چھوڑ دیا اور اونٹوں پر اپنا مال و متاع لاد کر مدینے سے خیبر منتقل ہو گئے۔انہوں نے قلعہ خالی کر دیا تو آپ نے مسلمانوں کو وہاں بسا دیا اور ان کے باغ مہاجروں میں تقسیم کر دیئے۔سلام بن حقیق، کنانہ بن ربیع اور حیی بن اخطب شرفائے بنونضیر تھے جنہوں نے خیبر پہنچ کر مسلمانوں کے خلاف ہنگامہ برپا کر دیا اور قریش کے ساتھ مل کر انہوں نے کافر اتحادیوں کی فوج منظم کر کے مدینے پر دھاوا بول دیا۔ابن ہشام کے مطابق یہ محاصرہ چھ راتوں تک جاری رہا اور اسی زمانے میں تحریم خمر کا حکم نازل ہوا۔

اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''شان رسالت'' کا مظہر بن کر آخر کار مشرکوں پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ویٹ کے مطابق معرکہ احزاب سے قبل ہی آپ کی عسکری استعداد و صلاحیت میں اس حد تک اضافہ ہو گیا کہ مشرکوں کی یلغار بھی اس کا بال بیکا کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئی۔

غزوۂ بنی النضیر سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

یہ انفع بخش اور مال غنیمت سے مالا مال وہ غزوۂ تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے دوسرے معاہدہ

Marfat.com

توڑنے والے اور برسر پیکار یہودی قبیلہ بنونضیر کے خلاف بنفس نفیس سرانجام دیا تھا۔ بنوقینقاع کی مانند بنونضیر کو بھی شہر نبوی سے جلاوطن کر دیا گیا تھا اور خود سپردگی کے معاہدے کے مطابق ان کو بھی اپنے تمام ہتھیار اسلامی حکومت کے حوالے کرنے تھے، مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف پچاس زرہ بکتر (درع) پچاس آہنی خود (بیضۃ) اور تین سو چالیس تلواریں ہی مسلمانوں کے حوالے کی تھیں، غالباً کیا یقیناً بنونضیر کے یہودیوں نے اپنے بیشتر ہتھیار چھپا لئے تھے اور بنوقینقاع کی طرح وہ بھی چالاکی سے ان کو اپنے کجاؤں میں چھپا کر اپنے ساتھ خیبر لے گئے تھے۔

روایات نے اس کی خاصی صراحت اور کافی وضاحت کی ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ مسلمانوں کو اس واحد نقد مال غنیمت یا منقولہ اموال میں محض گنتی کے ہتھیاروں پر قناعت کرنی پڑتی تھی۔ اس معمولی مال غنیمت کی زیادہ سے زیادہ مالیت دس ہزار درہم ہی رہی ہوگی۔

اسلحہ اور ہتھیار کے علاوہ مسلمانوں کو نقد جنس میں اور کوئی دوسرا مال غنیمت نہیں ملا تھا، کیونکہ مآخذ کی روایات بتاتی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ دشمنان دین وایمان کی مانند بنونضیر کو بھی جلاوطنی کے وقت اجازت دے دی تھی کہ اور وہ اپنے منقولہ جائیدادیں یا اموال واسباب میں سے جو کچھ اپنے ساتھ لے جانا چاہیں بلاخوف وخطر لے جاسکتے ہیں۔ یہودیوں نے اس اجازت نبوی اور مرحمت رسول سے بھرپور بلکہ ضرورت سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ ورنہ صرف اسباب وسامان، نقد وجنس اور اشیائے رسد ضرورت اپنے ساتھ لے گئے تھے بلکہ اپنے گھروں کی چوکھٹیں اور دروازے تک اکھاڑ کر لاد لے گئے، حالانکہ وہ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی تھی۔ انہوں نے ایسا صرف مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی خاطر کیا تھا۔

دوسری طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل اسلامی، رحمت نبویہ اور مروّت انسانی کا یہ ثبوت ومظاہرہ ملتا ہے کہ بنونضیر کے یہودی مہاجنوں اور سودی کاروباریوں کو اجازت عام دی گئی تھی کہ وہ خود سپردگی کے تین دنوں کے اندر اندر اپنے مسلم قرضداروں سے مال وصول کرلیں۔ دوسری طرف مسلم قرضداروں نے لیت ولعل اور حیلے بہانے سے کام نہیں لیا اور نہ ہی قرضے کی وصولیابی کی مدت گزارنے کی کوشش کی بلکہ حکم نبوی کے مطابق یہودیوں کو ان کا مال ادا کر دیا۔ البتہ رفیقین میں یہ اتفاق ہوگیا تھا کہ یہودی مہاجن صرف اپنا اصل مال (رأس المال) وصول کرنے پر اکتفا کریں گے اور سود (ربا) کی رقم چھوڑ دیں گے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اتفاق باہمی کا ایک قانونی پہلو یہ تھا کہ سود کی ادائیگی سال گزرنے پر واجب ہوتی تھی اور ابھی پورا سال نہ گزرا تھا۔

بنونضیر سے حاصل ہونے والا مال غنیمت زرعی اراضی اور دوسری غیر منقولہ جائیدادوں پر مشتمل تھا۔ ان میں کھجور کے باغات، اناج اور سبزی وغیرہ کے کھیت اور ان کے رہائشی مکانات شامل تھے۔ وہ ان کے قلعوں/ گڑھیوں (آطام) کے اندر اور باہر واقع تھے۔ ان کی بیشتر اراضی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ ہمارے مآخذ ومصادر بنونضیر کی یہودی اراضی کے متعلق تفصیلات فراہم کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی اصل قیمت یا تخمینی مالیت کے بارے میں کوئی واضح اشارہ یا قرینہ دیتے ہیں لیکن حدیث کی بعض روایات سے بہرحال چند ایسے اشارے اور قرینے ملتے ہیں جو اس کی ملی یا اقتصادی حیثیت متعین کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

Marfat.com

شیخین کی روایت ہے کہ حضرت عبسار ضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبد المطلب ہاشمی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب ہاشمی کو بہت کچھ دیا۔ بقیہ میں سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو پورے سال کا خرچ دیا جاتا تھا۔ پھر بھی جو باقی بچ جاتا اس کو راہ الٰہی میں خرچ کیا جاتا۔ سیرتی مصادر بنونضیر کی جائیدادوں کے نام بتاتے ہیں جو صحابہ کرام کو بطور قطیعہ / انعام عطا فرمائی گئیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اراضی ملی تھی اس کا نام ''بئر حجر'' تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین کا نام ''بئر جرم'' تھا۔ بظاہر ان کے ناموں سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ اراضی صرف کنووں پر مشتمل تھی مگر حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ کافی بڑی اراضی تھی جن میں کنوئیں بھی موجود تھے اور وہ اراضی اپنے اپنے کنووں کے نام سے معروف تھیں۔ عرب میں یہ رواج رہا ہے کہ علاقوں، خطوں اور اراضی کے نام کنووں یا چشموں کے نام سے مشہور ہوتے ہیں جیسے بئر معونہ، جمیع اور مریسیع وغیرہ۔

ان کے علاوہ واقدی وغیرہ متعدد مؤرخین اور سیرت نگاروں کی روایات میں متعدد ایسے مال اور اراضی کا ذکر ملتا ہے جیسے مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ کو سعالہ نامی جائیداد دربار نبوی سے ملی تھی جو ایک مشہور مشرقی قبیلہ کے نام سے ''مال سلیم'' کہلاتی تھی اور اسی نام سے زیادہ معروف تھی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بن سنان نمری قاسطی کو ظرطہ نامی خاصی وسیع جائیداد عطا ہوئی تھی جبکہ حضرت زبیر بن عوام اسدی قریشی اور ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہما کو البویلیہ نامی جائیداد مشترکہ طور سے برابر دی گئی تھی۔ ایک دوسرے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار مدینہ میں دو حضرات سہل بن حنیف اوسی اور ابودجانہ سماک بن خرشہ ساعدی خزرجی رضی اللہ عنہما کو ایک اور جائیداد مشترکہ طور پر دی گئی تھی جس کا نام ''مال ابن خرشۃ'' تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ جائیداد ایک یہودی ابن خرشہ نامی کی تھی جو اس کی جلاوطنی کے بعد ان دونوں انصاری صحابیوں کو عطا کر دی گئی تھی۔

ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ کے قبضہ وتصرف میں ''الکیدمہ'' نامی مال بھی تھا جس کا تعلق ''اموال بنی نضیر'' سے تھا۔ آیا یہ وہی جائیداد تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی موصوف کو بطور قطیعہ عطا فرمائی تھی یا کوئی دوسری تھی، فی الوقت کہنا مشکل ہے۔ تقریباً اتنا ہی مشکل اور دشوار دہ امر ہے کہ یہ جائیداد انہوں نے خریدی تھی یا بطور قطیعہ پائی تھی، لیکن غالب امکان یہ ہے کہ یہ کوئی دوسری جائیداد تھی جو صحابی موصوف نے کسی وقت خریدی تھی کیونکہ وہ اس وقت تک نہ صرف ایک مالدار تاجر اور صاحب جائیداد شخص بن چکے تھے بلکہ بڑی مہارت، دوراندیشی اور تجارتی سوجھ بوجھ کے ساتھ پیداواری جائیدادوں کی خرید وفروخت کا کاروبار بھی کرتے تھے اور اس میں بھی بڑی شہرت رکھتے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی جائیداد کو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں خلیفہ وقت کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کیا تھا۔ اسی اراضی کی قیمت فروخت بھی اس حقیقت پر ایک دلیل ہے کہ وہ کوئی دوسری جائیداد تھی۔

قیمت فروخت کے تعلق سے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ خلافت عثمانی میں بلکہ اس سے دس برس قبل ہی عراق وشام کی فتوحات کے بعد سے افراط زر پیدا ہو گیا تھا اور اشیائے ضرورت خاص کر اراضی اور جائیدادوں کی قیمتوں میں کئی گناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا سبب کثرت سے اموالِ غنیمت اور مدینہ منورہ میں ان کی آمد وصرف تھی۔

Marfat.com

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عہد نبوی اور عہد عثمانی کی قیمتوں میں اتنا بڑا فرق بھی نہیں آیا تھا جتنا کہ ''الکیدمہ'' نامی اراضی کی قیمت فروخت سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس اراضی کی قیمت کو درہم میں تبدیل کیا جائے تو کل قیمت تقریباً پانچ لاکھ درہم (بالکل صحیح چار لاکھ اسی ہزار درہم) بنتی ہے اور اتنی مالیت تو عہد نبوی میں پورے قبیلہ بنونضیر کی ساری اراضی کی بھی نہ تھی۔

اموال بنی نضیر کی مالیت کا کچھ اندازہ ان عطائے جنس یا اناج کے حصوں سے بھی ہوتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے صفائے نبوی یافی اراضی سے اپنے رشتہ دار خاندانوں بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے بعض افراد کو عطا فرمائے تھے۔ یہ عطایا دراصل مستقل ''طعم'' تھے جو ان یہودی زمینوں کی مختلف پیداوار جیسے کھجور، اناج، شہد، سبزی وغیرہ سے ان کو دیئے جاتے تھے اور جو روایات کے مطابق عطا پانے والوں کی سال بھر کی ضروریات کے لئے کافی ہوتے تھے۔ مآخذ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان عطایا سے متعدد مسلم مختصر خاندانوں کا معمولی درجہ میں گزارا ہو جاتا تھا۔

امام بخاری اور دوسرے مآخذ یہ واضح کرتے ہیں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن کی جائیداد اس وقت تک صرف چار تھی اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے سالانہ مصارف کے علاوہ فتح بنونضیر کے بعد انصار کرام رضی اللہ عنہ کے باغات میں نادار مہاجروں کا حصہ ختم کر دیا گیا تھا اور ان کے باغات ان کو واپس کر دیئے گئے تھے، یونہی انصار کرام بلاشرکت مہاجرین ان کے مالک بن گئے تھے۔

ان تمام قرائن اور اشارات کے باوجود ہمارے پاس ایسے پکے ثبوت اور حتمی شواہد نہیں ہیں جن کی بنیاد پر ہم بنونضیر کی کل اراضی کی مالیت کا صحیح صحیح تعین کر سکیں۔ البتہ ان کا ایک موٹا سا تخمینہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔ مذکورہ بالا قرآئن کی بنیاد پر اگر ہم اس یہودی اراضی کی کل قیمت زیادہ سے زیادہ تین لاکھ درہم فرض کر لیں تو یہ عین تقاضائے انصاف ہوگا۔ اس مفروضہ کا ایک ایک قرینہ یہ ہے کہ کچھ مدت بعد جب اموال خیبر فتح ہوئے اور عہد فاروقی میں ان کی مالیت طے کی گئی تو اس رقم سے کہیں زیادہ کم تھی جبکہ خیبر کی اراضی ہر لحاظ سے اموال بنی نضیر سے وسیع قیمتی اور اہم تھی جیسا کہ آئندہ اوراق میں آئے گا۔

معرکہ احزاب

(ذیعقدہ ۵ ہجری بمطابق اپریل ۶۲۷ء)

بنوقریش کا جذبہ انتقام:

بنوقریش نے لاکھ کوشش کی مگر وہ مسلمانوں کو نیست و نابود نہ کر سکے۔ ''معرکہ بدر'' اور ''معرکہ احد'' میں ان مغرور سرمایہ پرستوں کو منہ کی کھانا پڑی۔ اب ان کا اقتدار، ان کا مذہب اور ان کا معاش خطرے میں تھا۔ ان کی تجارتی و معاشی سرگرمیاں معطل ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس لیے ان کی بقاء و سلامتی کا دارومدار مسلمانوں کے استیصال پر تھا۔ یہ ایک طرح سے ان کی موت و زندگی کا سوال تھا اور اس سوال سے نمٹنے کیلئے انہوں نے ایک بار اور بھاگ دوڑ شروع کر دی۔

Marfat.com

یہودیوں کی انتقامی کارروائی:

بنونضیر یہودیوں کا طاقتور قبیلہ تھا۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اس لیے کہ مسلمانوں نے انہیں مدینے سے نکال دیا تھا اور ان کے قلعوں، مکانوں اور باغوں پر قبضہ کرلیا۔ خیبر میں سکونت اختیار کرنے کے بعد بنو نضیر نے مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ وہ ان سے بدلہ لینے اور اپنے قلعوں و باغوں کو چھیننے کیلئے بے تاب تھے لیکن وہ بھی بنو قریش کی طرح تن تنہا محض اپنی طاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں پر غالب نہیں آسکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے بھی اپنے حامیوں کو ایک محاذ پر اکٹھا کرنے کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔

کافر قبیلوں کی پسپائی:

دوسرے کافر قبیلے بھی مسلمانوں کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ بنوغطفان، بنواسد، بنوسلیم اور بنوسعد نے اسلام کا نام مٹانے کیلئے بہت سے منصوبے بنائے مگر ان میں سے ہر ایک کو بری طرح ناکامی ہوئی۔ انہوں نے مدینے پر حملہ کرنے کیلئے کئی مرتبہ فوجیں اکٹھا کیں مگر مسلمانوں نے خود پیش قدمی کر کے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسلامی فوج کی تیزی سے نقل وحرکت کی وجہ سے وہ خوفزدہ ہو گئے اور پھر انفرادی پیمانے پر وہ اپنے ناپاک ارادوں کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے تھے۔

مگر اجتماعی طور پر ان مختلف عناصر کو ایک محاذ پر متحد کر کے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کیلئے ایک محرک کی ضرورت تھی اور یہودیوں نے اس محرک کا کردار انتہائی چالاکی سے انجام دیا۔ انہوں نے بنو قریش اور دوسرے قبیلوں کو متحد کر کے مسلمانوں کے استیصال کیلئے فیصلہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

کافروں اور یہودیوں کا متحدہ محاذ:

طبری اور حافظ ابن حجر کے مطابق یہودی قبیلے بنونضیر کے سرغنوں نے اسلام کے دشمنوں کو اکٹھا کر کے متحدہ محاذ بنالیا۔ ابن ہشام کی ایک روایت کے مطابق بنونضیر اور بنووائل نے مل کر سلام بن ابی حقیق، کنانہ بن ابی حقیق، حیی بن اخطب، ہوذہ بن قیس وائلی اور ابوعمار وائلی کی سرکردگی میں مسلمانوں کے خلاف متحدہ بنانے کی تحریک شروع کی۔ وہ بنو قریش کے پاس مکے گئے، ان کے مذہب کی خوب تعریف کی اور انہیں باور کرایا کہ وہی حق پر ہیں۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہو گئے اور مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کیلئے انہوں نے ہر طرح سے یہودیوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ پھر وہ بنوغطفان سے ملے اور انہیں بھی راضی کرلیا۔ بنو قریش اور بنوغطفان کی کوششوں سے فزاہ، مرہ اور اشجعہ کے کافر بھی ان کے ساتھ مل گئے۔

حافظ ابن حجر کے مطابق یہودی سغنہ کنانہ بن ابی حقیق نے بنوغطفان سے عہد کیا کہ ان کی فوجی خدمات کے صلے میں وہ ہر سال انہیں خیبر کے باغوں کی آدھی پیداوار دے دیا کریں گے۔ لالچ میں آکر غطفانی رئیس عیینہ بن حصن آمادہ ہو گیا اور اس نے اپنے حلیف بنواسد کو بھی ملالیا۔ بنوسعد اور بنوسلیم بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس طرح حجاز ونجد کے جنگجو عربوں کی منظم وتربیت یافتہ فوج مسلمانوں سے آخری فیصلہ کرنے کیلئے ابوسفیان کی سرکردگی میں تیار ہو گئی۔

ابن ہشام کے مطابق یہ فوج دس ہزار ''احابیش'' پر مشتمل تھی۔ ابن سعد کے مطابق اتحادی فوجوں کی تعداد بیس ہزار تھی، لیکن دوسری روایتوں کے مطابق ان کی تعداد ۲۵ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس اپنا اپنا اونٹ تھا اور گنتی کے چند فوجیوں کے علاوہ ہر ایک زرہ بکتر میں ملبوس تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بنو قریش نے پندرہ سو اور بنوغطفان نے ایک

Marfat.com

ہزار اونٹ اور دونوں میں سے ہر ایک نے تین تین سو گھوڑے فراہم کیے۔ سامان رسد اور ہر نوع کا اسلحہ بھی وافر مقدار و تعداد میں موجود تھا۔

ابن سعد کے مطابق یہ فوج تین حصوں میں منقسم تھی:

1: بنو قریش۔ 2: بنو غطفان۔

3: بنو اسد۔

1: بنو قریش کا قائد ابو سفیان۔ 2: بنو غطفان کا قائد عیینہ۔

3: بنو اسد کا قائد طلیحہ بن خویلد تھا۔

اتحاد فوجوں کی تشکیل و تنظیم کا اندازہ مندرجہ ذیل تفصیل سے لگایا جا سکتا ہے:

قبیلے کا نام	فوج کی تعداد	قائد کا نام
بنو قریش	۴ ہزار	ابو سفیان
قزارہ (بنو غطفان)	ایک ہزار	عیینہ بن حصن فزاری
اشجعہ	چار سو	مشعر بن رخیلہ اشجعی
مرہ	چار سو	حارث بن عوف
بنو سلیم	سات سو	
یہودی (بنو نضیر)	نامعلوم/اختلاف	حیی بن اخطب
بنو سعد	نامعلوم/شدید اختلاف	
بنو اسد	نامعلوم/تعداد میں اختلاف	

بنو سعد، بنو اسد اور یہودیوں کی فوجی طاقت کی تفصیل سیرت نگاروں نے بیان نہیں کی ہے، لیکن مستند روایتوں کے مطابق سارے اتحادی قبیلوں کی مشترکہ فوج کم از کم دس ہزار جوانوں پر مشتمل تھی جس کی کمان سپہ سالار کی حیثیت سے ابو سفیان کر رہا تھا، لیکن اسلامی فوج صرف تین ہزار مجاہدوں پر مشتمل تھی، جس کے پاس کل پچاس گھوڑے اور گنتی کے اونٹ تھے۔ وہ پوری طرح مسلح بھی نہیں تھے اور نہ ہی ان کے پاس زرہ بکتر وغیرہ دفاعی اسلحہ موجود تھا۔ ایسی صورت میں ابو سفیان کی طاقتور، مسلح اور تربیت یافتہ فوج سے مقابلہ موت کے غار میں گھس جانے کے برابر تھا۔ جس شان سے ابو سفیان نے اپنی فوج کے ساتھ مدینہ طیبہ پر یلغار کی اسے دیکھ کر ہر شخص یہی کہتا تھا کہ چند دنوں ہی میں مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹ جائے گا، لیکن منشائے الٰہی کچھ اور ہی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پرستاروں کی سلامتی کا خود ضامن تھا۔ اس لیے بڑی سے بڑی ٹڈی دل فوج بھی انہیں نیست و نابود نہیں کر سکتی تھی۔ مروی ہے کہ ابو سفیان وادی عقیق سے گزرتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے جبل احد کے قریب پہنچ گیا۔

Marfat.com

خندق کی کھدائی:

نہتے مسلمان اتحادیوں کا مقابلہ محض انسانی طاقت کے بل بوتے پر نہیں کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ انہوں نے غور وخوض کے بعد فیصلہ کیا کہ محصور ہو کر ہی دشمن سے نمٹا جا سکتا ہے۔ مدینے کے تین رخ تو قلعوں، ٹیلوں اور نخلستانوں سے گھرے ہوئے تھے لیکن جنوبی مشرقی رخ (شامی رخ) بالکل غیر محفوظ تھا۔ حضرت سلمان فارسی نے مشورہ دیا کہ اس رخ کے سامنے خوب گہری و چوڑی خندق کھودی جائے جس کے کنارے مستعد ہو کر تیر انداز مجاہد دن رات گشت لگاتے رہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورے کو سراہا اور مجاہدوں کو خندق کھودنے پر لگا دیا۔ آپ نے تین ہزار مجاہدوں کو دس دس کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ہر ایک ٹولی کو دس دس گز زمین کھود کر خندق بنانے کا حکم دے دیا۔ طبری کے مطابق دس دس آدمیوں نے مل کر چالیس چالیس گز خندق کھودی تھی۔ ویٹ کے مطابق یہ خندق چھ روز میں مکمل ہوئی۔ دوسری روایتوں کے مطابق مسلسل بیس روز تک کام ہوتا رہا، پھر کہیں جا کر پانچ گز گہری، پانچ گز چوڑی اور تین ہزار گز لمبی خندق تیار ہو گئی اور ابھی یہ خندق مکمل ہوئی تھی کہ اتحادیوں کا سیلاب امنڈتا ہوا نظر آیا۔

اسلامی جذبہ تعاون:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مجاہدوں کے ساتھ عام مزدوروں کی طرح برابر کام کیا۔ سب کے ساتھ مل کر مٹی کھودتے اور پیٹھ پر لاد لاد کر پھینکے جاتے تھے۔ جہاں کہیں کوئی سخت چٹان نظر آ جاتی تو فوراً کدال و پھاوڑا لے کر پہنچ جاتے اور تائید ایزدی سے ایک ہی ضرب میں اس کے پرخچے اڑا دیتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ کھودتے کھودتے ایک چٹان آ گئی۔ بہت کوشش کی لیکن نہیں ٹوٹی۔ آخر آپ خود پھاوڑا لے کر نیچے اترے اور تین ضربوں میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر مرتبہ تیز چمکدار شعلہ نکلتا تھا جسے دیکھ کر انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

> ''یمن، شام، مغرب اور مشرق (فارس) کی کلید فتح مجھے عطا ہوئی ہیں۔ اس لیے وہ دن دور نہیں جب قیصر و کسریٰ کے خزانے مسلمانوں کے تصرف میں ہوں گے۔''

امام طبری کے مطابق آپ نے یہ خوش خبری سنائی کہ نہ صرف روم و مدائن بلکہ حیرہ و صنعا کے محلات پر بھی مسلمان قابض ہو جائیں گے۔

مجاہد متواتر فاقے کرتے پھر بھی کام میں دن بھر لگے رہتے۔ آپ ان کا ہاتھ بٹاتے اور ان کے حق میں دعائے برکت و مغفرت بھی مانگتے جاتے تھے:

اللھم انه لا خیر الا خیر الاخرة فبارك فی الانصار والمهاجرة

> ''اے اللہ! آخرت کی خیر و سلامتی اصل ہے۔ اس لیے تو انصار و مہاجرین کو اپنی برکتوں سے مالا مال کر دے۔''

مجاہدین بھی اسی آخرت کو سنوارنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے نام پر شب و روز خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ تین تین دن سے بھوکے تھے پھر بھی ان کا جوش و ولولہ سرد نہیں ہوا اور وہ برابر تن دہی کے ساتھ مٹی کھودنے، ڈھونے اور پھینکنے میں لگے

Marfat.com

رہے۔ پیکر عمل اور رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے دکھ میں برابر سے شریک تھے۔ تین دن کا فاقہ تھا اور شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مگر اسی سرگرمی سے وہ مجاہدوں کے ساتھ برابر کام کرتے رہے۔ وہ آپ کے جذبہ خلوص سے اس قدر متاثر تھے کہ ہم آواز ہو کر زور زور سے کہتے جاتے:

نحن الذين بايعوا محمدا　　على الاسلام ما بقينا ابدا

''ہم وہی ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ جب تک دم میں دم ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیے جائیں گے۔''

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق آپ ابن رواحہ کے یہ اشعار زور زور سے پڑھتے جاتے تھے:

اللهم !لو لا انت ما اهتدينا　　ولا تصدقنا ولا صلينا

فانزل سكينة علينا　　وثبت الاقدام ان لاقينا

ان الا عداء قد بغوا علينا　　اذا ارادوا فتنة ابينا

''بار الہا! اگر تو ہمیں راہ ہدایت پر نہیں لگاتا تو پھر ہم صدقہ کیسے دیتے اور نماز کیسے پڑھتے؟ تو ہمارے دلوں کو سکون و استقلال عطا فرما اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رکھ۔ دشمن تو اپنے ظلم کا نشانہ بنانے کیلئے ہم پر حملہ کرتے ہیں۔ وہ فتنہ پرداز ہیں لیکن ہمیں فتنہ و فساد کی باتیں پسند نہیں۔''

وہ اس کے ساتھ ہی بارگاہ الٰہی میں دعا مانگتے جاتے تھے:

''اے رب العالمین! ہماری تعداد بہت ہی کم ہے۔ ہمارے پاس اسلحہ بھی نہیں ہے۔ مگر دشمن ہمیں کچلنے کیلئے آگے بڑھا چلا آرہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے دین سے پھر جائیں۔ مگر اے رب کریم! پھر بھی ہم کسی طور تجھ سے پھر نہیں سکتے۔ اس لیے کہ تو ہی برحق و برتر ہے۔''

شہری دفاع کا بندوبست:

شہر میں عورتوں، بچوں اور معذوروں کے علاوہ کوئی مسلمان بھی موجود نہیں تھا۔ صرف یہودی دور سے جنگ کا تماشا دیکھنے کیلئے اپنے قلعوں میں رہ گئے تھے۔ وہ دل سے مسلمانوں کے دشمن تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملائے رکھا۔ اسی لیے آپ نے خندق کھودنے کے اوزار ان سے حاصل کئے تھے۔ وہ شہر کے اندرونی حالات سے پوری طرح واقف تھے۔ عسکری و دفاعی لحاظ سے کمزور و حساس مقامات کا پتہ بھی انہیں معلوم تھا۔ وہ آسانی سے کافروں کو اندر بلا کر شہر ان کے حوالے کر سکتے تھے۔ آپ نے ان ممکنہ حرکتوں کا سد باب کرنے کیلئے حضرت سلمہ بن اسلم کی سرکردگی میں دو سو مجاہدوں کا دستہ شہر میں متعین فرمایا۔

ابن ہشام و ابن اسحاق کے مطابق:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر فرما کر عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں (آطام) میں پہنچا دیا۔''

Marfat.com

مجاہدوں کا گشتی دستہ ان کی دیکھ بھال کرتا اور یہودیوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھتا تھا۔

مدینے کا محاصرہ:

ابھی مسلمان دفاعی تیاروں سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اتحادیوں کا لشکر نقارے ودبابے بجاتا سیلاب کی طرح بڑھتا ہوا نظر آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مدینے کو اپنی لپیٹ میں لے کر پوری طرح غرق کر دے گا، لیکن توحید کے متوالوں کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ خندق نے بند کا کام کیا اور اس سیلاب کو نہ صرف آگے بڑھنے نہیں دیا بلکہ اسے تھام کر واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ اتحادیوں نے خندق کی صورت زندگی بھر نہیں دیکھی تھی۔ ان کے جانوروں کو بھی ایسی خندق سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اس لیے جوں ہی وہ خندق کے پاس پہنچے، اس نے ان کی بے بسی کا مذاق اڑایا۔ گھوڑے بدک گئے اور اونٹ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ سوار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خندق کو دیکھ رہ تھے اور پیدل ہانپ ہانپ کر اپنی بیچارگی کا ماتم کر رہے تھے۔ آخر کار انہوں نے مجبور ہو کر وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ اب مسلمان اور اتحادیوں کے مابین صرف یہی خندق حائل تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سلع'' پہاڑی کو پشت پناہ بنا کر مجاہدوں کو خندق کے کنارے متعین کر دیا۔ انہوں نے اتحادیوں کا استقبال تیروں اور پتھروں سے کیا اور پھر مستعدی کے ساتھ دن رات ہر وقت ان کی نقل وحرکت کا پیچھا تیروں اور سنگریزوں سے کرتے رہے۔ اسی عالم میں بیس سے زیادہ راتیں محاصرے کی حالت میں بیت گئیں مگر وہ خندق پار کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں:

((فاقام رسول الله ﷺ وقام عليه المشركون بضعاً و عشرين ليلة قريباً من شهر، لم تكن بينهم حرب الا الرميا بالنبل والحصار))

''تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ برقرار رہا۔ تین ہزار مجاہد بھی ''سلع'' پہاڑی پر ڈٹے رہے۔ وہ ہر اس کافر کو اپنے تیروں کو نشانہ بنا لیتے جو خندق پار کرنے کی کوشش کرتا۔''

واقدی کے مطابق یہ محاصرہ ۸ ذیعقدہ ۵ ہجری مطابق ۳۱ مارچ ۶۲۷ء سے شروع ہوا اور تقریباً بیس پچیس روز تک جاری رہا۔

مسلمانوں نے فاقے پہ فاقے کیے اور توازن قائم رکھنے کیلئے پیٹ پر پتھر تک باندھ لیے مگر اتحادیوں کو خندق کے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔ ایک دن صحابہ کرام نے اپنے شکم کھول کر آپ کو دکھائے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک کھول کر دکھایا تو ایک نہیں دو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اسی عالم میں آپ نے تین دفعہ اعلان فرمایا:

''کوئی ہے جو چکر لگا کر دشمنوں کی خبر لائے۔؟''

مروی ہے کہ ہر دفعہ حضرت زبیر بن عوام کے علاوہ کسی نے جواب نہیں دیا۔ اس خدمت کے صلے میں آپ نے انہیں اپنا ''حواری'' بنالیا۔ سب فاقوں سے نڈھال ہو رہے تھے اور ان میں چلنے پھرنے کی سکت تک نہیں تھی۔ پھر بھی ہر وقت ان کی نظریں دشمن کا پیچھا کرتی رہیں اور کافران کے

Marfat.com

بلند حوصلوں سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ پورے مہینے میں صرف ایک مرتبہ خندق پار کرنے کی کوشش کی اور اس میں بھی انہیں مایوس ہو کر واپس لوٹنا پڑا۔

مجاہدین خندق کا شعار (نعرہ):

ابن ہشام کے مطابق ''معرکہ احزاب'' کے دوران اصحاب کرام نے ''حم! حم!'' کو اپنے شعار (نعرہ) کے طور پر اپنا کر ثابت کر دیا کہ وہ اپنے رب کی تائید و نصرت سے استقامت کے ساتھ ''جبل سلع'' کی طرح دشمن کا مقابلہ ڈٹ کر کریں گے مگر انہیں خندق پار کرنے میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

بنو قریظہ کی غداری:

ابن اسحاق کے مطابق دشمن الٰہی حیی بن اخطب نضری بنو قریظہ سے ملنے گیا، لیکن ان کے رئیس کعب بن اسد نے قلعے کا پھاٹک کھولنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہہ دیا:

''محمد نے ہمیں کبھی دھوکہ نہیں دیا بلکہ سچائی اور وفاداری سے پیش آتے رہے، پھر کیوں ہم اپنا عہد توڑ کر تم سے بات کریں۔''

لیکن حیی بن اخطب نے منت سماجت کی، مذہب کے نام پر غیرت دلائی اور اپنی چرب زبانی سے اسے رام کر لیا۔ اس نے کہا:

''میں سارے عرب کو محمد کے خلاف اٹھا لایا ہوں۔ اس لیے تم بھی ہمارا ساتھ دو! ورنہ پھر کبھی اس سے بہتر موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔''

اس نے یہ بھی عہد کیا کہ اگر بنو قریش و بنو غطفان انہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تو وہ آخر دم تک ان کا ساتھ دے گا۔ بنو قریظہ اس کی باتوں میں آ گئے اور انہوں نے اتحادیوں سے گٹھ جوڑ کر لیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتمامِ حجت کے لئے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ اور دوسرے بارہ سو انصار کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ وہ واپس آ کر اشارے کنائے میں حالات سے مطلع کریں تا کہ مجاہدوں میں بددلی نہ پھیلنے پائے۔ انہوں نے بنو قریظہ سے بات چیت کی تو انہیں شر و فساد پر آمادہ پایا۔ انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ رسول اللہ آخر کون ہیں.....؟ ہم تو نہیں پہچانتے اور نہ ہی ہم میں اور محمد میں کوئی معاہدہ یا سمجھوتہ ہوا ہے؟

مروی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ اور غدار یہودیوں میں تلخ کلامی تک ہوئی۔ پھر وہ خاموشی سے واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ''عضل و قارہ جیسا حال ہے'' یعنی جس طرح رجیع میں عضل و قارہ نے مسلمانوں کو دھوکا دیا تھا بالکل اسی طرح یہودی غدای پر اتر آئے ہیں۔

اس واقعے کے بعد بنو قریظہ نے مسلمانوں کے خلاف نقل و حرکت شروع کر دی۔ انہوں نے کافروں سے عہد کیا تھا کہ جوں ہی وہ خندق پار کرنے کیلئے دھاوا بولیں گے، وہ بھی شہر کے اندر بھگدڑ مچا دیں گے۔ یہ خبر سن کر مجاہد اور چوکنا ہو گئے اور مسلم خواتین اور بھی مستعدی و چوکسی سے قلعوں کی حفاظت و پاسبانی میں لگ گئیں۔ مروی ہے کہ ایک یہودی اس قلعے تک پہنچ گیا تھا جس میں حضرت صفیہ تھیں۔ وہ حضرت زبیر بن عوام کی والدہ اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ اس قلعے میں

Marfat.com

حضرت حسان بن ثابت بھی تھے، مگر بیمار ہونے کی وجہ سے وہ بالکل معذور ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ خود اٹھیں اور خیمے کی چوب اکھاڑ کر یہودی کے سر پر دے ماری۔ پھر اس کا سر قلم کر کے باہر پھینک دیا۔ اس سے یہودی سمجھنے لگے کہ قلعوں میں بھی مجاہد موجود ہیں۔ اس خیال سے پھر کبھی وہ ان قلعوں کے پاس نہیں پھٹکے۔

خوف و دہشت کا عالم:

اتحادیوں نے بنو قریظہ کو ملا کر مسلمانوں کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ اوپر، نیچے، دائیں، بائیں ہر طرف دشمن ہی دشمن تھے۔ منافقوں کی غداری کی وجہ سے حالات اور بھی نازک ہو گئے۔ معتب بن قشیر تو یہاں تک کہنے لگے:

''محمد نے تو ہم سے وعدہ کیا تھا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ہمارے تصرف میں ہوں گے لیکن آج کل تو یہ عالم ہے کہ ہم بے خوف ہو کر حاجت ضروریہ سے بھی فارغ نہیں ہو سکتے۔''

یہ بھی مروی ہے کہ معتب منافق نہیں تھے بلکہ ان کا شمار ''اہل بدر'' میں ہوتا ہے۔ انہوں نے برملا یہ کہنا شروع کر دیا:

''ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، ہمیں واپس جانے کی اجازت دی جائے۔''

اوس بن قیظی اور دوسرے منافقوں نے یہ عذر پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے بتا دیا:

''وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور دراصل وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر بھاگنا چاہتے ہیں۔''

مسلمانوں کیلئے یہ ''آزمائش و ابتلا'' کا دور تھا۔ اتحادیوں کی یلغار سے مدینے کی سرزمین دہل گئی۔ انہوں نے اوپر نیچے سے حملہ کیا تو مسلمانوں کو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، کلیجے منہ کو آ گئے اور اللہ کے بارے میں طرح طرح کے وسوسے دل میں آنے لگے۔ اس طرح مومنوں کو آزمائش میں ڈال دیا گیا اور دل دہلا دینے والا زلزلہ آ گیا۔ اس منظر کو سورۂ احزاب کی اس آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے:

((اذجآء وکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحنا جر و تظنون باللہ الظنونا o ھنالك ابتلی المومنون و زلزلوا زلزالا شدیدا))

''جب تمہارے پاس اوپر اور نیچے سے دشمن آ پہنچا اور آنکھیں ٹیڑھی ہو گئیں اور دل حلق تک پہنچ گئے اور تم اللہ کے بارے میں برا گمان کرنے لگ گئے۔ اس وقت مومنوں کو آزمایا گیا اور انہیں شدید آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔''

منافقوں کے دل تو دہشت کے مارے دہل گئے، انہیں اپنی جانوں کی فکر لگ گئی اور وہ موقع پا کر بھاگنے کی تاک میں لگے رہے، لیکن مسلمانوں کو اپنی زندگی اللہ اور رسول کے سامنے ہیچ معلوم ہوئی۔ انہوں نے تو خود کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کیلئے وقف کر دیا تھا۔ اس لیے دشمنوں کا لشکر دیکھ کر وہ نہایت ہی اطمینان سے کہنے لگے:

((ولمارا المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللّٰہ ورسولہ وصدق اللّٰہ و رسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما))

Marfat.com

''اور جب مومنوں نے لشکر دیکھے تو کہا: اس کی خبر تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے پہلے ہی سے دے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ ہی تو کہا تھا۔ اس لیے ان کے ایمان کو تقویت پہنچی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے آگے تسلیم خم کر دیا۔''

سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ان جذبات کو سراہا ہے۔

بنو غطفان سے مذاکرات:

یہودیوں اور منافقوں کی غداری سے حالات انتہائی نازک صورت اختیار کر گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غطفان کو توڑنے کی کوشش کی۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ اگر وہ اتحادیوں سے الگ ہو جائیں تو انہیں مدینے کے باغوں کی تہائی پیداوار مل جائے گی۔ بنو غطفان بھی محاصرے کی طوالت سے تنگ آ چکے تھے۔ انہوں نے اسی میں خیریت سمجھی اور آپ کی شرائط تسلیم کر لیں۔ دستاویز تیار ہو چکی تھی کہ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ نے آپ سے عرض کیا:

''اگر یہ قدم اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر اٹھایا گیا ہے تو پھر کوئی بات نہیں ورنہ ہم اس تجویز سے خوش نہیں ہیں۔ بت پرستی کے دور میں بھی ہم نے انہیں ایک کھجور تک نہیں چھونے دی۔ وہ مول لے کر کھاتے یا پھر مہمان بن کر کھا جاتے تھے، ورنہ ان کی مجال نہیں کہ وہ ہاتھ تک لگا سکیں اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی برکتوں سے مالا مال کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی وجہ سے ہمیں عزت حاصل ہو گئی ہے، ہم انہیں اپنا مال کیوں دیں؟ واللہ یہ بات تو نہیں ہو سکتی! اب تو تلوار ہی سے ہم دونوں فریقوں میں فیصلہ ہو سکتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جذبات کو سراہتے ہوئے مذاکرات ختم کر دیئے۔ مروی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ نے وہ دستاویز لے کر پھاڑ دی اور دشمن کے حوصلے پست کر دیئے۔

اتحادیوں کی یلغار:

ابوسفیان نے تنگ آ کر ایک دن اپنی فوج کو ہلا بولنے کا حکم دے دیا۔ وہ خندق پار کر کے حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے محض تیر و پتھر کی بارش کرتے رہے۔ اتفاق سے ایک جگہ خندق کم چوڑی تھی، وہیں سے چند کافر اپنے گھوڑوں کو مہمیز لگا کر اس پار پہنچ گئے۔ ان میں سے عکرمہ بن ابوجہل، عمرو بن عبدد اور نوفل بن عبداللہ نے مسلمانوں کو دو بدو مقابلے کیلئے للکارا۔ نوے سالہ عمرو بن عبدد مانا ہوا شہ سوار تھا اور ہزار ہزار جواں مردوں سے تن تنہا مقابلہ کر سکتا تھا۔ حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس سورما کے مقابلے میں جم گئے۔ انہوں نے اس سے کہا:

''سنا ہے کہ تم درخواست کرنے والے کی تین باتوں میں سے ایک ضرور مان لیتے ہو۔ تم مسلمان ہو جاؤ یا مقابلہ کیے بغیر واپس چلے جاؤ یا لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔''

اس نے آخری بات مان لی۔ حضرت علی نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر وار کیا تو ذوالفقار کی چمک ہی سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا۔

عمرو بن عبدود کے قتل سے بھگدڑ مچ گئی۔ نوفل خندق میں گر پڑا۔ حضرت علی نے پیچھا کر کے اسے بھی قتل کر دیا۔

Marfat.com

کافروں نے دس ہزار درہم کے بدلے میں اس کی لاش مانگی مگر ''مجسمہ رحمت'' نے یوں ہی دے دی۔ عکرمہ بن ابو جہل، ضرار بن خطاب اور دوسرے کافر بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس روز ہر طرف سے اتحادیوں نے دباؤ ڈالا۔ وہ دن بھر تیروں اور پتھروں کا مینہ برساتے رہے۔ اس لیے مسلمانوں نے لمحہ بھر کے لئے بھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا اور مسلسل چار وقت کی نمازیں قضا ہو گئیں۔ مروی ہے کہ لگا تار کئی دنوں تک اسی طرح یورش ہوتی رہی اور مسلمانوں کو سانس لینے تک کی فرصت نہ مل سکی، لیکن صحابہ کرام نے اس قدر مستعدی اور بہادری سے اپنا دفاع کیا کہ کفار آخر وقت تک خندق پار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت سعد بن معاذ کی شہادت:

اسی دوران حضرت سعد بن معاذ بھی زخمی ہو گئے تھے۔ ابن اسحاق نے حضرت عائشہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ انہیں حبان بن قیس ابن العرقہ نے اپنے تیروں سے زخمی کر دیا اور اکحل کی رگ کٹ گئی۔ زخمی حالت میں وہ اس وقت حسن بنی عارثہ میں حضرت عائشہ کے زیر نگرانی مقیم تھے۔ حضرت رفیدہ نے ان کا علاج کیا مگر زخم مہلک ثابت ہوا اور بنو قریظہ کے خلاف فیصلہ سنانے کے بعد انہوں نے شہادت پائی۔

اتحادیوں میں اختلاف وانتشار:

اتحادیوں کے طاقتور عناصر بنو قریش، بنو غطفان اور بنو نضیر (یہودی) تھے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسری جماعت پر ذرا سا بھی بھروسہ نہ تھا اور وہ ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مسلمانوں سے مذاکرات شروع ہو جانے کے بعد بنو غطفان ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ بنو قریظہ بھی شش و پنج میں گرفتار تھے، انہیں سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ اتحادیوں کے بھاگ جانے کے بعد ان کا حشر کیا ہوگا۔ یہ ماحول تھا جب حضرت نعیم بن مسعود اشجعی نے ان میں پھوٹ ڈال دی۔ وہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن اتحادیوں کو اس بات کی خبر نہیں تھی۔ انہوں نے سوچا کہ ان تینوں میں اختلاف پیدا ہو جانے سے مسلمانوں کو ان سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے بنو قریظہ کو مشورہ دیا کہ وہ قریش و غطفان کے دو چار اشراف کو اپنے پاس بطور یرغمال رکھ لیں، ورنہ وہ کسی نہ کسی دن انہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ وہ یہودیوں کے ندیم رہ چکے تھے، اس لیے ان پر انہیں مکمل اعتماد تھا۔ اس نیک صلاح سے وہ بہت ہی مشکور ہوئے اور وعدہ کیا کہ وہ کسی کو ان کا نام نہیں بتائیں گے۔

بنو قریظہ سے ملنے کے بعد حضرت نعیم بنو قریش اور بنو عطفان کے پاس گئے اور انتہائی رازداری کے ساتھ انہیں بتایا کہ مدینے کے یہودی تو مسلمانوں سے ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان سے معافی بھی مانگ لی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہارے آدمیوں کو بطور یرغمال حاصل کر کے ان کے حوالے کر دیں گے۔ یہ سن کر وہ بہت گھبرائے اور باہمی صلاح مشورے کے بعد یہ طے کیا کہ صبح سویرے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑی جائے اور بنو قریظہ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ بھی ساتھ ہی ساتھ شہر کی طرف سے دھاوا بول دیں۔ اتفاقاً وہ ہفتہ کی صبح تھی جس دن (یوم السبت) یہودیوں کے نزدیک جنگ تو کیا کوئی کام بھی کرنا حرام تھا۔ اس لیے انہوں نے انکار کر دیا اور یہ بھی مطالبہ کیا کہ وہ اپنے آدمی یرغمال میں ان کے حوالے کر دیں، ورنہ وہ کبھی بھی مسلمانوں کے خلاف ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اس جواب سے کافروں کا شک یقین میں بدل گیا، متحدہ محاذ

Marfat.com

ٹوٹ گیا، کافر اتحادیوں کا شیرازہ منتشر ہوگیا اوران کے جوانوں پر بزدلی طاری ہوگئی۔

اتحادیوں کی حالت زار:

طویل محاصرے سے کافر اتحادی تنگ آچکے تھے۔وہ کھلے میدان میں مسلمانوں کو کھلی شکست دے کر چند گھنٹوں میں مدینے پر قبضہ کرنا چاہتے تھے،لیکن خندق کی اس انوکھی چال نے انہیں مات دے دی۔ادھر سامان رسد بھی ختم ہو چکا تھا۔ ''معرکہ احد'' کے موقع پر فصل کھڑی تھی جس سے انہوں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھالیا تھا لیکن اس دفعہ تو ان کی آمد سے ایک ماہ پہلے ہی فصل کٹ چکی تھی۔کسی اور طرف سے بھی سامان رسد ملنے کا امکان نہیں تھا۔اس لیے بھوک کے مارے ان کے آدمی اور جانور مرنے لگے۔

موسم نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا۔کھلے میدان میں ہفتوں پڑے رہنے کی وجہ سے انہیں سردی لگ گئی اوران کے جانور مرنے لگے۔مسلمانوں کو ہرانے کی کوئی سبیل بھی نظر نہیں آئی۔مال غنیمت کی رہی سہی امید بھی جاتی رہی۔تو پھر جوانوں کے حوصلے بھی بالکل پست ہوگئے۔ان پر تین دشمنوں نے یکے بعد دیگرے حملہ کردیا۔

شدت جوع (بھوک کی شدت):

سامان رسد ختم ہوگیا تو بھوک نے ان پر حملہ کردیا۔مسلمانوں کی طرح وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے بے تاب نہیں تھے۔انہیں خاطر خواہ خوراک نہیں ملی تو وہ اور بھی حواس باختہ ہوگئے۔

شدتِ برد (سردی کی شدت):

پھر سردی نے حملہ کردیا تو ان کے اعضاء اور بھی شل ہوکر رہ گئے اوران پر کپکپی طاری ہوگئی۔

شدت خوف:

مسلمانوں کی جواں مردی کی دھاک بیٹھ گئی،ان کی غیر معمولی شجاعت سے اتحادیوں کے دل خوف و دہشت سے کپکپانے لگے۔

سرد طوفانی ہواؤں کا حملہ:

محاصرے کی آخری رات تھی،کڑاکے کی سردی پڑی تھی۔کافر اپنے خیموں میں بیٹھے کپکپا رہے تھے۔ہر طرف آگ سلگ رہی تھی،لیکن اس کی گرمی بھی بے اثر ہوکر رہ گئی تھی۔یکا یک سرد طوفانی ہواؤں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔گرد و غبار کے طوفانی بگولوں نے فضا کو اور بھی آلودہ اور مکدر بنا دیا۔خیمے الٹ گئے،آگ ٹھنڈی ہوگئی اور چولہوں پر چڑھی ہوئی دیگچیاں اوندھی ہوگئیں۔گھوڑے اور اونٹ بھی رسیاں توڑ توڑ کر ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے لگ۔اس افراتفری کے عالم میں موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔برق و باراں سے ان کی آنکھیں خیرہ اوران کے حواس معطل ہوگئے۔یکا یک بھگدڑ مچ گئی اور ہر ایک بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑا ہوا۔

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رات ان کے منتشر ہونے کی بشارت دی تھی۔پھر آپ نے حضرت حذیفہ بن یمان کو ان کا حال معلوم کرنے کیلئے بھیج دیا۔انہوں نے سارا حال خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بیان کیا ہے۔ابو سفیان نے اپنی فوج سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

Marfat.com

''لوگو! گھوڑے مرر رہے ہیں، بنو قریظہ نے عین موقع پر دھوکہ دے دیا ہے، طوفانی ہواؤں نے جو کچھ کیا ہے وہ بھی دیکھ ہے ہو۔ ہانڈی چولہے پر نہیں ٹھہرتی، آگ جلتی نہیں، اور خیموں کی رسیاں ٹوٹ ٹوٹ کر سارے لشکر کو تباہ کر رہی ہیں۔ اس لیے تم کوچ کرو، میں بھی کوچ کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر ابوسفیان گھوڑے پر سوار ہوا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ بنو غطفان اور دوسرے قبیلوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ صبح ہوئی تو مطلع صاف اور میدان دشمنوں سے خالی تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اتحادیوں کی پسپائی کو بہت بڑی نعمت قرار دیا۔ وہ سورۂ احزاب میں فرماتا ہے:

((یاایھا الذین امنوا اذکروا نعمة الله علیکم اذجآء تکم جنود فارسلنا علیھم ریحاو جنودا لم تروھا و کان الله بما تعملون بصیرا))

''اے مومنو! وہ دن یاد کرو جب بہت سی فوجوں نے تم پر حملہ کر دیا تھا تو اللہ کی نعمت تم پر نازل ہوگئی۔ پھر ہم نے ان پر آندھیاں اور فوجیں بھیج دیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکے اور اللہ تعالیٰ ہر بات ہر عمل سے واقف ہے۔''

دشمن اتحادیوں کی حالت زار و زبوں پر ان کے ردعمل کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((ورد الله الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیرا و کفی بالله المومنین القتال و کان الله قویا عزیزا))

''اللہ نے کافروں کو غصے میں بھرا ہوا واپس لوٹا دیا۔ ان کی کوئی مراد بھی پوری نہیں ہوئی اور اللہ ہی جنگ میں مسلمانوں کے لئے کافی تھا اور اللہ تو بہت ہی قوی و زبردست ہے۔''

احزاب اتحاد جماعتوں کو کہتے ہیں، چونکہ قریش، یہودی اور دوسرے کافر قبیلوں نے متحد ہو کر مدینے پر حملہ کیا تھا، اس لیے اس معرکے کا نام ''غزوۂ احزاب'' ہوگیا۔ اس موقع پر مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کیلئے خندق کھودی تھی، اس لیے اسے ''غزوۂ خندق'' بھی کہتے ہیں۔ ابن ہشام کے مطابق غزوۂ خندق شوال ۵ ہجری لیکن واقدی کے مطابق ذی قعدہ ۵ ہجری میں ہوا تھا۔

معرکہ احزاب کی اہمیت:

اس معرکے میں حق و باطل کی کشمکش آخری مرحلے میں پہنچ گئی۔ ہجرت نبوی کے بعد اسلامی تحریک کو کچلنے کیلئے بنو قریش نے تین مرتبہ مدینے پر چڑھائی کی۔ ''معرکہ احزاب'' اس سلسلے کی آخری کڑی تھا۔ سرد طوفانی ہواؤں نے ان کی قسمت پر مہر لگا دی۔ مسلمانوں کو ابھرنے کا موقع ملا اور ان کی طاقت مستحکم ہوگئی۔ لیکن اتحادیوں کا شیرازہ منتشر ہوگیا اور ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی بقا و سلامتی کی فکر میں لگ گیا۔ اس طرح معرکہ احزاب سنگ میل کی حیثیت رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی معرکے میں مسلمانوں پر اپنی برکتیں نازل فرمائیں، انہیں دشمنوں سے محفوظ رکھا، نہ صرف انہیں محفوظ رکھا بلکہ اپنی ماورائی

Marfat.com

فوجیں بھیج کر اتحادیوں میں بھگدڑ مچادی۔ اسی نے سرد ہوائیں چلا کر ان کے کیمپ میں سراسیمگی اور دہشت پھیلا دی۔ وہ سردی سے کپکپانے لگے، ان کے خیمے اکھڑ کر گرنے لگے اور ان کی ہانڈیاں اوندھی ہوگئیں۔ وہ اس قدر سراسیمہ ہوگئے کہ انہیں صرف میدان سے بھاگنے میں ہی اپنی نجات نظر آئی۔

مشہور مستشرق ویت معرکہ احزاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''بنوقریش محمد سے نمٹنے میں بری طرح ناکام ہوئے۔ اتحادیوں کا گٹھ جوڑ ختم ہوگیا تو انہیں اپنی ناکامی کا احساس اور بھی ستانے لگے۔ اب انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ انہوں نے آپ کو مدینے سے نکالنے کیلئے طاقت کے سارے ذرائع استعمال کیے مگر آپ وہیں ہے اور متحدہ محاذ ٹوٹنے کے بعد تو آپ کا اثر واقتدار پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا۔ شام سے بنوقریش کی تجارت بند ہوگئی اور ان کے وقار کو بھی بہت ٹھیس پہنچی۔ اس کے بعد اگر محمد ان پر حملہ نہ بھی کرتے تب بھی وہ اپنی امارت و ثروت کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ انہوں نے آپ کے استیصال کے لئے بے حد کوشش کی لیکن اب تو آپ خود فوجی طاقت استعمال کر کے ان کا قلع قمع کر سکتے تھے۔ یہ انوکھی بات ہوتی اگر مکے کے با عمل اور حقیقت پسند لوگ اس مسئلے پر غور نہ کرتے کہ آیا محمد اور آپ کا دین قبول کرنا ان کے حق میں بہتر ہوگا۔''

معرکہ احزاب میں بھی کافروں کا حشر عبرت انگیز ہوا۔ انہیں بھی طوفانی ہواؤں نے منتشر کر دیا۔ وہ انسانوں سے لڑ سکتے تھے مگر عناصر قدرت سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے، اللہ تعالیٰ کی مشیت سے طوفانی ہواؤں اور بارشوں نے انہیں پراگندہ و منتشر کر دیا اور وہ بھی آرمیڈا کی طرح مجاہدوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئے۔

معرکۂ احزاب سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

اگرچہ غزوۂ احزاب یا جنگ خندق سیاسی، فوجی اور دوسرے اعتبار سے بہت اہم مرحلہ ہے، بلکہ تاریخ اسلام میں ایک نقطہ انقلاب ہے، تاہم غنیمت کے لحاظ سے اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، کیونکہ اس میں مسلمان مجاہدوں کو نقد جنس پر مشتمل کوئی مال نہیں ملا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض مسلم مجاہدوں کو انفرادی معرکوں یا مبارزت کے مظاہروں میں اپنے مفتوح یا مقتول دشمن سے ساز وسامان حاصل ہوا لیکن وہ بہت زیادہ نہ تھا۔ اس کی زیادہ سے زیادہ مالیت دو تین ہزار درہم لگائی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مالی فائدہ بھی چند مسلمانوں تک محدود رہا تھا، کیونکہ اس غزوۂ میں شریک تین ہزار مسلم مجاہدین میں سے وہ صرف چند فاتح نبرد آزماؤں کا ہی حصہ قرار پایا تھا۔ اس سے مسلم امت کو مجموعی طور سے یا اسلامی حکومت کو خاص طور سے کوئی مالی یا اقتصادی فائدہ نہیں ہوا تھا۔

بنوقریظہ کے خلاف تادیبی کارروائی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے یہودیوں سے رواداری کا سلوک کیا مگر انہوں نے ہمیشہ غداری کی۔ آپ نے انہیں گلے سے لگایا مگر انہوں نے مسلمانوں کا گلا کاٹنے کی کوشش کی۔ آپ نے یہودیوں اور مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھا مگر انہوں نے خود کو مسلمانوں سے ممتاز سمجھا اور جب مسلمانوں نے ان کے خلاف ضروری کارروائی کی تو ان کے دو

Marfat.com

قبیلے شہر چھوڑ کر چلے گئے، لیکن تیسرے قبیلے بنوقریظہ کے یہودیوں نے عہد نامے کی تجدید کی اور دوبارہ عہد و پیمان کیا کہ وہ آئندہ ایسی کوئی بھی حرکت نہیں کریں گے جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہو۔ پھر بھی وہ اپنے عہد سے پھر گئے اور معرکہ احزاب میں کافروں سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس سے بڑھ کر غداری اور بدعہدی کی مثال تاریخ میں نہیں ملے گی۔ اتحادی ناکام و نامراد ہو کر واپس چلے گئے تو دشمن اسلام حیی بن اخطب کو انہوں نے اپنے قلعے میں پناہ دے دی۔

معرکہ احزاب کے محرک و بانی کو پناہ دے کر وہ دوسرے سنگین جرم کے مرتکب ہو گئے۔ واقدی کے مطابق حیی کی نیت خراب تھی۔ وہ مناسب موقع پر کافروں اور یہودیوں کی مدد سے مسلمانوں پر ایک اور حملہ کرنا چاہتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خطرے سے واقف تھے، اسی لیے آپ نے اتحادیوں کی پسپائی کے بعد صبح ہوتے ہی قلعہ بنوقریظہ کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ پھر حضرت سعد بن معاذ کو انہوں نے اپنا حکم اور ثالث بنالیا اور عہد کیا کہ وہ ان کے فیصلے کو بسر و چشم تسلیم کر لیں گے۔

حضرت سعد بن معاذ ان کے حلیف تھے لیکن وہ بھی ان کی غداری سے عاجز آ چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے یہودیوں کی مقدس کتاب تورات کے مطابق فیصلہ کیا:

1: مردوں کو قتل کر دیا جائے۔

2: ان کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد ضبط کر لی جائے۔

3: عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے۔

مستشرقین نے بنوقریظہ کے قتل کو وحشیانہ فعل قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں نے انہیں قتل کر کے انسانیت کو بدنام کر دیا، لیکن انہوں نے غداروں کی سازشوں اور ناپاک ارادوں پر خاک ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ دراصل یہ فیصلہ انسانی فیصلہ نہیں تھا۔ یہ تو یہودیوں کی مقدس کتاب کا مقدس فیصلہ تھا جس پر حضرت سعد بن معاذ نے عمل کیا۔ کسی قوم نے غداروں کو اس سے ہلکی سزا کبھی نہیں دی۔ فاتحوں نے مغلوب قوم کے ساتھ ہمیشہ وحشیانہ سلوک کیا ہے۔ خود اتحادی طاقتوں نے عالمی جنگ عظیم میں جرمنی، آسٹریا اور ہنگی کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ انسانیت پر ایک بدنما داغ ہے مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ رحم و عفو سے کام لیا۔ آپ نے ہمیشہ انتقام پر عفو کو ترجیح دی اور بڑے بڑے دشمنوں کو معاف کر دیا۔ بنوقریظہ نے خود کو آپ کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا بلکہ انہوں نے اپنے حلیف حضرت سعد بن معاذ پر بھروسہ کیا۔ وہ ان کی غداریوں سے تنگ آ چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ دو مرتبہ بنوقریظہ کو یوں ہی چھوڑ دیا گیا تب بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ بنونضیر کو صحیح سلامت مع مال و متاع جانے کی اجازت مل گئی تو انہوں نے اس احسان کا بدلہ یہ دیا کہ دس ہزار جواں مردوں کو لے کر مدینے پر حملہ کر دیا اور بنوقریظہ نے تو عین خطرے کے وقت مسلمانوں کو دھوکہ دے دیا۔ اس سے بڑھ کر سنگین جرم اور کون سا ہو سکتا ہے؟ وہ دو مرتبہ غداری کے جرم میں ماخوذ ہو چکے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں عبرتناک سزا دی اور مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان سے نجات مل گئی۔

Marfat.com

غزوہ بنوقریظہ سے حاصل ہونے والی غنیمت کا تخمینہ:

سن 5 ہجری کا غالباً جنگ خندق کے متصلاً بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے مسلم دشمن یہودی قبیلہ بنو قریظہ کے خلاف سرانجام دیا تھا۔ مدینہ منورہ کے پہلے دو معاند یہودی قبیلوں بنوقینقاع اور بنونضیر کی مانند بنوقریظہ نے بھی حملہ آور دشمن یعنی قریش مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف ساز باز کی اور معاہدہ شریعت کی خلاف ورزی کی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار کیا تھا۔ اس لیے جنگ خندق کے خاتمہ کے فوراً بعد ان کا محاصرہ کرلیا اور جب انہوں نے پہلے دو یہودی قبیلوں کی طرح غیر مشروط طور سے ہتھیار ڈالے تو ان کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائدادیں اسلامی حکومت کے قبضہ میں آگئیں۔

عام روایات کے مطابق بنوقریظہ سے ملنے اموال غنائم میں اسلحے، اونٹ، مویشی، گھریلو سامان ضرورت جیسے برتن، کپڑے وغیرہ متعدد چیزیں شامل تھیں۔ ہتھیاروں کی تعداد واضح طور سے بیان کی گئی ہے۔ ان میں پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہ بکتر، دو ہزار نیزے اور پندرہ سو آہنی اور پارچہ جاتی ڈھالیں (ترس وحجفہ) بتائی گئی ہیں۔ دوسرے اسباب اور ساز وسامان کی تعداد ومقدار کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ابھی تک مشہور عام اور سند قبولیت رکھنے والی روایات کا اصرار ہے کہ بنو قریظہ کے تمام بالغ اور قابل جنگجوئی مردوں کو قتل کر دیا گیا تھا اور ان کے تمام عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر عرب وشام کے مختلف بازاروں میں بیچ دیا گیا تھا۔ ان کی آمدنی بھی مال غنیمت کا ایک بڑا حصہ تھی۔ ہمارے مآخذ کی بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض انصاری صحابہ کی سفارش پر بنوقریظہ کے بعض خاندانوں کو نہ صرف معاف کر دیا تھا بلکہ ان کے اموال اور جائدادیں بھی ان کو واپس کر دی تھیں۔ بعض یہودی خاندان/افراد اسلام لے آئے تھے۔ لہٰذا ان کے اموال، جائیدادیں، اراضی اور غیر منقولہ اسباب وسامان ان کے قبضہ وتصرف ہی میں رہنے دیئے گئے تھے۔ ان واقعات کو مدنظر رکھا جائے تو بنوقریظہ کے اموال غنیمت میں کمی آنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

دور جدید کی مدلل ومفصل تحقیقات واضح کرتی ہیں کہ بنوقریظہ کے تمام بالغ جنگ مردوں کو قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف ان کے چند مجرم سرداروں اور باغی سرغنوں کی سرکوبی کی گئی تھی۔ اسی طرح ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر بیچا گیا تھا نہ ان کے نقد اموال واسباب اور منقولہ جائیدادوں پر قبضہ کیا گیا تھا۔ ان کو بنونضیر کے قبیلہ کی مانند مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

اگر یہ تحقیقات تسلیم کر لی جائیں تو بنوقریظہ کے اموال غنیمت میں صرف ہتھیار واسلحہ ''نقد جنس ومال'' میں، اور اراضی وجائیداد وغیرہ منقولہ مال میں رہ جاتی ہے جو اسلامی ریاست کے قبضہ میں بطور فے اراضی آئی تھی۔ اس طرح ان سے حاصل ہونے والی غنیمت کی قیمت اور مالیت کافی کم ہو جاتی ہے۔

اس غزوہ کے باب میں مآخذ ہی سے ایک روایت حسن اتفاق اور خوش بختی سے ایسی ملتی ہے جو بنوقریظہ کے مال غنیمت کی کل مالیت کا تخمینہ لگانے میں بہت مدد کرتی ہے۔ وہ روایت حضرت محمد بن مسلمہ اوسی انصاری کی سند پر ان کی چشم دید گواہی کے ساتھ بیان ہوتی ہے، کیونکہ حضرت موصوف اس غزوہ کے اہم مجاہد بھی تھے اور انہوں نے اس میں خاصا اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہسوار مسلم مجاہد کا حصہ غنیمت (سہم) مجموعی طور سے پینتالیس

Marfat.com

دینار تھا۔اس رقم میں تمام اسباب نقد وجنس مویشی اور اراضی میں اس کے حصہ کی رقم شامل تھی۔

اس معیاری حصہ غنیمت کی بنیاد پر اگر ہم تین ہزار پیادہ سپاہ، چھتیس گھوڑوں اور اسلامی ریاست کے خمس پر مشتمل مال غنیمت کا تخمینہ لگائیں جو اس غزوہ میں شریک تھے تو ان کا کل میزان ستاون ہزار چھ سو دینار بنتا ہے۔وہ چھ لاکھ اکیانوے ہزار دو سو درہم کے برابر تھا۔اس میزان میں اسلاب کے ہتھیاروں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی کی قیمت شامل نہیں ہے۔ایک منصفانہ تخمینہ یہ ہے کہ بنو قریظہ کے غزوہ سے حاصل ہونے والی کل غنیمت کی مالیت تقریباً سات لاکھ بیس ہزار درہم ہوئی۔یہ خاصا محتاط تخمینہ اور قابل اعتماد اندازہ ہے جو زیادہ سے زیادہ مالیت کے عنصر کی رعایت کرتا ہے۔

پانچویں سال ہجرت کو اہم اموال غنیمت کا سال بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس برس اسلامی امت اور اسلامی حکومت کو مجموعی طور سے لگ بھگ دس لاکھ درہم کی مالیت کا سامان اور اموال ملے۔غزوات ومہمات میں اصل مال غنیمت تو غزوۂ مریسیع / بنوالمصطلق اور اس سے زیادہ غزوۂ بنی قریظہ سے حاصل ہوا۔باقی مہمیں تو برائے نام مال لائی تھیں۔

اموال غنیمت لانے والی مہموں میں سب سے زیادہ اہمیت غزوۂ قریظہ کی ہے۔صرف اس بنا پر نہیں کہ وہ سب سے زیادہ مال غنیمت لایا تھا بلکہ اس بنا پر کہ اس کی غیر منقولہ جائیداد اور زرعی اراضی مسلمانوں کی آبادکاری، کاروبار اور اسلامی حکومت کا ایک مستقل ذریعہ آمدنی بنی تھی۔جس طرح ان سے پہلے دو اور یہودی قبیلوں بنوقینقاع اور بنونضیر کی اراضی اور غیر منقولہ جائیدادیں مستقل آمدنی اور دائمی مالیت کی غنیمت بنی تھی، بشرطیکہ ہم جدید تحقیقات سے کلیۃً صرف نظر کرلیں۔

یہاں دو اور نکتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔عام طور پر ہمارے جدید سیرت نگار اور مورخین مسلمان اہل قلم یہ لکھ دیتے ہیں کہ بنوقریظہ کے خاتمہ کے بعد مدینہ منورہ سے یہودی آبادی بالکل ختم ہوگئی تھی یا زیادہ سے زیادہ صرف چند یہودی افراد رہ گئے تھے، یہ بالکل غلط ہے۔مدینہ منورہ میں لگ بھگ دو درجن یہود کے چھوٹے بڑے قبیلے تھے جو ہمیشہ مدینہ میں رہے اور بعد میں مسلمان ہوگئے یا نقل وطن کر گئے۔مذکورہ بالا تین یہودی قبیلے اس لیے اہم بن گئے تھے کہ انہوں نے اسلامی حکومت سے غداری کی، جنگ کی اور نکالے گئے۔

غزوہ احزاب اور صلح نامہ حدیبیہ کے درمیانی واقعات

کافروں کی تخریبی سرگرمیاں:

''معرکہ احزاب'' کے شکست خوردہ اتحادیوں نے لوٹ مار اور دھوکہ دہی سے مسلمانوں میں دہشت پھیلانے کی مہم چلائی، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی موثر دفاعی پالیسی اختیار کی۔اس لیے انہیں اپنے ناپاک ارادوں میں ہر دفعہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔آپ نے ان کی تخریبی سرگرمیوں کے خلاف موثر انداز میں جوابی کاروائی کی۔آپ خود تشریف لے جاتے یا کسی صحابی کی قیادت میں مجاہدوں کو بھیج دیتے تھے۔مجاہدوں کو دیکھ کر کافر منتشر ہو جاتے اور پہاڑوں اور وادیوں میں چھپ جاتے تھے۔اتحادیوں کو سزا دینے کیلئے آپ نے کئی مرتبہ فوجی کارروائی کی۔ربیع الثانی ۶ ہجری (اگست ۶۲۷) میں حضرت محمد بن مسلمہ کی قیادت میں مجاہدوں کی فوج محارب، ثعلبہ اور انمار کے خلاف بھیجی گئی۔وہ موقع پا کر مدینے کی چراگاہوں میں گھس گئے تھے۔مجاہدوں نے انہیں عبرت خیز سزا دی اور انہیں حدود مدینہ سے نکال دیا۔بنوبکر بن کلاب کے خلاف بھی فوجی کارروائی اسی وجہ سے کی گئی تھی۔

Marfat.com

غزوۂ بنولحیان (ربیع الاول ۶ ہجری بمطابق جولائی ۶۲۷ء):

بنولحیان نے دھوکہ دے کر رجیع میں مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا۔ان مظلوم شہیدوں کا انتقام لینے کیلئے دوسو مجاہدوں کو لے کر آپ خود روانہ ہو گئے۔آپ چاہتے تھے کہ اچانک حملہ کر کے انہیں نرغے میں لے لیا جائے۔اس لیے آپ شامی راستوں سے ہوتے ہوئے ان کی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

ابن اسحاق کے مطابق بنولحیان کی منزل امج وغسفان کے درمیان ''وادی غران'' میں واقع تھی۔وہاں آپ پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے ہی ڈر کے مارے بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے تھے۔اس لیے آپ واپس غسفان آ گئے اور چند شہسواروں کو ''کراع الغمیم'' بھیج دیا جو مکے سے چند میلوں کے فاصلے پر واقع تھی، پھر صحابہ کرام کے ہمراہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔اس اقدام سے مکے والوں کو احساس ہو گیا کہ مسلمان ان پر بھی حملہ کر سکتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر یا غزوہ سے واپسی پر یہ دعا ورد فرماتے تھے:

((ائبون تائبون ان شآ اللہ لربنا حامدون اعوذ باللہ من وعاء السفرو کاتبہ المنقلب وسوء النظر فی الاھل و المال))

غزوہ قرد (ربیع الثانی ۶ ہجری بمطابق اگست ۶۲۷ء):

عیینہ بن حصن فزاری طاقتور اور جنگجو قبیلے غطفان کا رئیس تھا۔معرکہ احزاب میں اس نے سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔بعد میں بھی وہ مسلمانوں کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مشغول رہا۔مسلمانوں کی سرکاری چراگاہ ''غابہ'' میں تھی جہاں محافظوں کی نگرانی میں اونٹوں کی پرورش ہوتی تھی۔عیینہ نے چالیس سواروں کی مدد سے ''غابہ'' پر چھاپہ مار کر حضرت ابوذر غفاری کے صاحبزادے کو قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کر لیا، اور بیس ''دودھیل'' اونٹنیاں لوٹ کر بھاگ گیا۔سب سے پہلے اس حادثے کی خبر سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی کو ہوئی۔''ثنیۃ الوداع'' پر چڑھ کر انہوں نے شور مچایا اور اس کا تعاقب بھی کیا۔پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ مجاہدوں کو حضرت سعد بن زید کی قیادت میں ان کے پیچھے روانہ کیا۔انہوں نے دشمن کے چار آدمی قتل کر دیئے۔غفاری خاتون اور دس اونٹنیاں بھی واپس مل گئیں۔آپ نے ابن ام کلثوم کو عامل مقرر کیا۔تین سو مجاہدوں کا دستہ حضرت سعد بن عبادہ کی نگرانی میں شہر میں متعین کیا اور خود پانچ سو یا سات سو مجاہدوں کو لے کر عیینہ کو سزا دینے کیلئے روانہ ہوئے۔آپ نے ''ذی قرد'' میں قیام فرمایا اور مشرکوں کو عبرتناک سزا دی۔پھر فے میں سے، سو سو مجاہدوں میں ایک ایک اونٹ تقسیم کر دیا اور واپس مدینے تشریف لے آئے۔

غزوۂ فدک (شعبان ۶ ہجری بمطابق جنوری ۶۲۸ء):

بنوبکر و بنوسعد مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔وہ یہودیوں کے اشارے پر مسلمانوں کے خلاف تخریبی سرگرمیوں میں نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔کافر اتحادیوں کے ساتھ وہ بھی معرکہ احزاب میں شریک ہوئے تھے۔بعد میں بھی ان کی اسلام دشمن سرگرمیاں جاری رہیں۔مروی ہے کہ وہ مدینے پر حملہ کرنے کیلئے فوجی تیاری کر رہے تھے کہ آپ کی ہدایت پر حضرت علی نے دوسو مجاہدوں کو لے کر حملہ کر دیا۔غزوہ فدک میں انہیں شکست ہوئی اور مال غنیمت میں پانچ سو اونٹ اور د

Marfat.com

ہزار بھیڑیں ہاتھ آئیں۔اب انہیں بخوبی معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کے خلاف یہودیوں اور بنوقریش کا ساتھ دینے والوں کا حشر کیا ہوتا ہے۔

بنوعرینہ (عقل) کی غداری (شوال ۶ ہجری بمطابق مارچ ۶۲۸ء):

بنوعرینہ کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوگئی۔مگر مدینے کی آب وہوا انہیں موافق نہیں آئی اور وہ بخار اور خارش میں مبتلا ہوگئے۔اس لیے آپ نے انہیں اپنی چراگاہ میں بھیج دیا۔وہاں افراط سے دودھ پینے کو مل گیا اور وہ خوب تنومند ہوگئے،لیکن ان کے دل کفر ونفاق سے سیاہ ہوچکے تھے۔اس لیے انہوں نے موقع پاکر محافظوں کو مار ڈالا اور پندرہ اونٹ لے کر بھاگ گئے۔آپ کے حکم پر حضرت کرز بن خالد نے تعاقب کیا اور غداروں کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کردیا،انہیں غداری کے جرم میں قتل کردیا گیا۔بنوعرینہ اس وقت بنوکلاب کی بستی میں آباد تھے۔

دوستانہ تعلقات میں وسعت:

ان فوری اقدامات سے بنوقریش اور ان کے اتحادی بے بس ہوکر رہ گئے اور مسلمانوں کی طاقت مستحکم ہوتی گئی۔انہیں یہ موقع متحدہ محاذ ٹوٹ جانے کے بعد حاصل ہوا۔پھر انہوں نے پڑوسی قبیلوں سے دوستانہ تعلقات بھی قائم کیے۔خاص طور پر شام جانے والے راستے پر آباد قبیلوں کو اپنی طرف ملالیا۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے شعبان ۶ ہجری (جنوری ۶۲۷ء) میں سات سو مجاہدوں کے ہمراہ بنوکلب کی بستی دومۃ الجندل کا دورہ کیا،اس مہم میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی اور بنوکلب کے رئیس نے مسلمانوں سے سمجھوتہ کرلیا۔اس سے پہلے جمادی الثانی ۶ ہجری (نومبر ۶۲۸ء) میں جذام نے مسلمانوں سے دوستی کرلی۔اسی طرح دوسرے قبیلوں نے بھی قریش کا ساتھ چھوڑ دیا اور مسلمانوں سے تعلقات قائم کرلیے۔

اسی زمانے میں آپ نے عیسائیوں سے بھی دوستانہ تعلقات قائم کیے۔سینٹ کیتھرائن کے پادریوں اور تمام عیسائیوں کو آپ نے ایک دستاویز عطا فرمائی جو مذہبی رواداری کی بے نظیر مثال سمجھی جاتی ہے۔یہ دستاویز وسعت خیال اور آزادی عقائد کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔اس کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کو ایسے حقوق ومراعات عطا فرمائیں جو انہیں عیسائی حکومتوں کے ماتحت بھی حاصل نہ تھیں۔یہ تاریخی دستاویز مندرجہ ذیل دفعات پر مشتمل ہے:

1: عیسائیوں پر کسی قسم کا ناجائز دباؤ نہیں ڈالا جائے گا۔

2: ان کے کلیساؤں کی حفاظت کی ذمے داری مسلمانوں پر ہوگی،کسی بشپ یا راہب کو کسی عبادت گاہ یا خانقاہ سے نہیں نکالا جائے گا۔کلیسا یا خانقاہ کی مرمت کیلئے امداد کی ضرورت ہوگی تو اسے مسلمان مہیا کریں گے۔

3: کسی عیسائی کو اپنے مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

4: کسی عیسائی زائر کو اپنے سفر سے روکا نہیں جائے گا۔

6: اگر کسی بیرونی عیسائی طاقت اور مسلمانوں میں جنگ ہوگی تو اسلامی ریاست کے عیسائی باشندوں کو مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا جائے گا۔جو بھی مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف

Marfat.com

ورزی کا مرتکب اور اسلام کو بدنام کرنے والا متصور قرار دیا جائے گا۔

اشاعت اسلام:

معرکہ احزاب کے بعد اسلام تیز رفتاری سے پھیلنے لگا۔ صرف دو سال کے قلیل عرصے میں اس قدر کثرت سے اہل عرب مسلمان ہوئے کہ ''فتح مکہ'' کے موقع پر کم از کم دس ہزار مسلمانوں کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ جنوبی عرب میں بھی اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ یمامہ کے رئیس شہامہ بن اثال گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے گئے لیکن توفیق الٰہی سے وہ مسلمان ہو گئے تو آپ نے انہیں رہا کر دیا۔ انہوں نے واپس یمامہ جا کر مکے کو غلہ بھیجنا بند کر دیا۔ بنو قریش نے عاجز آ کر آپ سے شکایت کی تو آپ نے ثمامہ کو ہدایت بھیجی کہ غلہ بدستور مکے بھیجا جائے۔ آپ بدی کا بدلہ بدی سے دے سکتے تھے مگر آپ نے رحم وعفو سے کام لیا اور اسلامی رواداری کا مظاہرہ کر کے اپنی عظمت و بزرگی کا سکہ دشمنوں کے دل پر بٹھا دیا۔

اسلام ابن ابی حقیق کا قتل (مئی ۶۲۶ء):

ابو رافع سلام ابن ابی حقیق بنو نضیر کا سرغنہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ اس نے معرکہ خندق کے موقع پر اتحادیوں کو ایک محاذ پر جمع کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ کعب بن اشرف کی طرح اس نے بھی مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی تھی۔ مروی ہے کہ قبیلہ اوس کے آدمیوں نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا تھا۔ اس لیے خزرج قبیلے کے معزز مسلمانوں نے ان کے برابر شرف حاصل کرنے کیلئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو رافع سلام ابن ابی حقیق کے قتل کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی تو ان کے پانچ یا آٹھ خزرجی مجاہد حضرت عبداللہ بن عتیک کی قیادت میں سیدھے خیبر گئے اور اس کے محل میں گھس کر اسے قتل کر دیا۔ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ حضرت حسان بن ثابت نے اپنے اشعار میں کعب بن اشرف اور اسلام بن ابی حقیق کا تذکرہ کیا ہے۔

شامی راستے کی ناکہ بندی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قتل وخونریزی کا بازار گرم کر کے مکے پر قبضے نہیں کرنا چاہتے تھے، بلکہ آپ نے تو اہل مکہ کو چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی تاکہ وہ بے بس ہو کر مسلمانوں سے صلح کر لیں۔ مکے سے شام جانے والے راستے کی ناکہ بندی بھی اسی مقصد سے کی گئی تھی۔ آپ نے اس راستے گشتی دستے مقرر کیے جو مکے سے آنے والے تجارتی قافلوں کو روکنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ انہوں نے مجبور ہو کر متبادل راستے اختیار کر لیے لیکن مسلمانوں نے انہیں بھی معلوم کر لیا۔ ان کا ایک تجارتی قافلہ براستہ عراق شام سے واپس آ رہا تھا۔ حضرت زینب کے شوہر حضرت ابوالعاص بن ربیع میر کارواں تھے۔ سامان تجارت میں صفوان بن امیہ کی چاندی بھی شامل تھی۔ مسلمانوں کو اس قافلے کی نقل وحرکت کا پتہ چل گیا۔ آپ کے حکم پر حضرت زید بن حارثہ ایک سو ستر مجاہدوں کو لے کر گئے اور کافروں کو گرفتار کر کے سامان تجارت پر قبضہ کر لیا، لیکن حضرت ابوالعاص کو بی بی زینب نے پناہ (جوار) دے دی تو پھر آپ بھی خاموش ہو گئے اور مسلمانوں نے ان کا سامان واپس کر دیا۔

Marfat.com

اس فیاضانہ سلوک سے حضرت ابوالعاص بہت ہی متاثر ہوئے۔ مکے جا کر انہوں نے لوگوں کا سامان ان کے حوالے کیا اور خود مسلمان ہو گئے۔ مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں سے کہا:

''میں اس لیے گھر واپس آیا تھا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں سب کا مال دبا کر مدینے میں بیٹھ گیا۔ اب میں اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر اسلام لاتا ہوں تا کہ کوئی محمد پر انگلی نہ اٹھا سکے۔''

مسلمان ہونے کے بعد ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدمت اسلام میں مصروف ہو گئے۔

مذکورہ حالات و واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی اور فراست پر مبنی حکمت عملی سے بنو قریش خود اپنی طاغوتی چالوں میں پھنس کر رہ گئے۔ اپنی بے بسی پر جھنجھلاتے ہے مگر پھر بھی انہیں مدینہ منورہ کی اسلامی دینی ریاست کے خلاف جارحانہ سازشیں کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی لیے میدان خندق سے روانہ ہوتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو یہ خوشخبری سنائی:

((لن تغزو كم قريش بعد عامكم هذا ولئكم تغزونهم فلم تغزهم قريش بعد ذلك و كان هو الذى يغزوها، حتى فتح الله عليه مكة))

''اب اس سال کے بعد قریشی کبھی بھی تم پر حملہ نہیں کریں گے لیکن تم ان کے خلاف فوج کشی کرو گے اور ہوا بھی یہی کہ قریش میں اس کے بعد ان سے مقابلے کی جرات نہیں ہوئی بلکہ آپ ہی نے ان کے خلاف فوجی کارروائی کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح مکہ کی سعادت عطا فرمائی۔''

اس طرح قریشی فرعونوں کو مذہبی، سیاسی، معاشی اور عسکری محاذ پر بری طرح مات ہوئی اور وہ پھر کبھی ''مدینہ طیبہ'' پر حملہ کی جرات نہ کر سکے۔

صلح نامہ حدیبیہ

مہاجروں کا آبائی وطن مکہ معظمہ تھا۔ وہ اسی مقدس شہر میں پیدا ہوئے، پلے، بڑھے اور جوان ہوئے تھے، لیکن اسلام کی خاطر انہوں نے اپنا گھر بار لٹا دیا اور پیارے وطن کو خیر باد کہہ کر مدینے چلے گئے، پھر بھی مادر وطن کی یاد انہیں ستاتی رہی۔ مروی ہے کہ وطن کی یاد میں حضرت بلال حبشی رونے لگتے اور اشعار پڑھ کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے تھے۔ صحیح بخاری میں جو اشعار ان کی طرف منسوب ہیں ان میں وہ اپنی دیرینہ آرزو ظاہر کر کے باحسرت ویاس کہتے ہیں:

''اے کاش! پھر وہ دن آجاتا جب میں اپنے پیارے وطن مکہ مکرمہ میں ایک رات بسر کر سکوں۔''

سارے عرب خانہ کعبہ کو مقدس مانتے تھے۔ وہ ہر سال نہایت ہی اہتمام کے ساتھ اس کی زیارت کرتے اور حج و طواف کی رسمیں ادا کرتے تھے۔ بین العرب قوانین کے مطابق شہری و مذہبی حقوق میں سب سے زیادہ اہمیت زیارت کعبہ کو حاصل تھی۔ یہ ان کا سب سے مقدس فریضہ تھا اور اس حق سے کسی کو محروم کر دینے کا کھلم کھلا مقصد یہ ہوا کہ اسے عرب قومیت

Marfat.com

سے نکال دیا گیا۔قریش خانہ کعبہ کے متولی تھے۔اس مقدس اعزاز کی بدولت انہیں مذہبی، سیاسی اور معاشی امور کی اجارے داری حاصل ہوگئی تھی۔ان کی نگرانی ہی میں مراسم حج ادا ہوتے اور وہ جسے چاہتے اسے ان میں شریک ہونے سے روک دیتے تھے۔

اسلامی تحریک نے بت پرستی کے خلاف محاذ قائم کر کے مکے میں انقلاب برپا کر دیا، لیکن وہ بت پرستی کے علم بردار تھے۔اس لیے انہوں نے اسلام کے شیدائیوں کو شکنجے میں کس دیا۔عاجز آ کر مظلوم مسلمان ہجرت کر کے مکے سے مدینے چلے گئے، تو وہاں بھی انہیں سکون سے رہنے نہیں دیا۔انہوں نے مسلمانوں کو باغی و مرتد قرار دے دیا، انہیں زیارت کعبہ سے محروم کر کے ان کے قومی و مذہبی حقوق چھین لیے۔پھر ان کا نام و نشان مٹانے کیلئے مدینے پر تین مرتبہ چڑھائی کی مگر بے نیل و مرام اور ناکام و نامراد ہو کر انہیں پیٹھ موڑ کر بھاگنا پڑا۔مسلمان زیارت کعبہ کے بنیادی حق کو حاصل کرنے کیلئے بے تاب تھے۔وہ اس دن کا انتظار بے چینی سے کر رہے تھے، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں قریش ان کے اس حق کو تسلیم کر کے آزادی سے خانہ کعبہ کی زیارت کرنے دیں گے۔

اسلام نے ابراہیمی شریعت کو دوبارہ زندہ کیا۔خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا اور حج کعبہ کو ارکان دین میں شامل کر لیا۔صاحب استطاعت مسلمانوں پر حج کرنا فرض ہو گیا، لیکن وہ اس فرض کو ادا نہیں کر سکتے تھے۔خانہ کعبہ تو سرمایہ پرست مشرکوں کی تحویل میں تھا جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ایسی حالت میں وہ اس مقدس فریضے کو کیسے ادا کر سکتے تھے۔مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دور اندیشی و بالغ نظری میں سب سے افضل تھے، پھر بھلا آپ اس وقت تک چین سے کیسے بیٹھ سکتے تھے جب تک ہر مسلمان کو ادائیگی حج کا بنیادی حق نہ مل جاتا۔

بشارت حج:

واقدی کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ حج ادا کیا، بال منڈوائے اور خانہ کعبہ کی کلید اپنے قبضے میں لے لی۔ابن ہشام اور ابن سعد نے اس خواب کا حوالہ نہیں دیا، قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس قسم کا خواب ضرور دیکھا تھا۔اس خواب کا تذکرہ خاص طور سے سورۂ فتح میں کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا:

((لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين))

''یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو سچا برحق خواب دکھایا کہ انشاء اللہ وہ ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوں گے۔''

آپ نے صحابہ کرام سے اپنا خواب بیان فرمایا اور اسے ہدایت ربانی سمجھ کر عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکے جانے کا اعلان فرما دیا۔ابن اسحاق کے مطابق آپ نے پڑوسی قبیلوں کو بھی زیارت کعبہ کی دعوت دی، چند قبیلوں نے معذرت چاہی، باقی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ابن اسحاق کے مطابق آپ کے ہمراہ سات سو مسلمان قربانی کے ستر جانور لے کر خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔مختلف روایتوں میں تیرہ سو، چودہ سو، پندرہ سو اور سولہ سو افراد کی تعداد بھی مذکور ہے۔ابن

Marfat.com

اسحاق کے مطابق حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ''اصحاب حدیبیہ'' کی تعداد چودہ سو تھی۔''

سیرت نگاروں نے عام طور سے چودہ سو کی تعداد کو صحیح قرار دیا ہے۔

مدینے سے روانگی (۶ھ مارچ ۶۲۸ء):

حضرت عروہ کے مطابق آپ رمضان ۶ ہجری میں مدینے سے روانہ ہوئے اور شوال ۶ ہجری میں مکے پہنچ کر حدیبیہ میں قیام فرمایا، لیکن ابن اسحاق کے مطابق آپ ذی قعدہ میں مدینے سے عمرے کی نیت سے روانہ ہوئے تھے۔

ابن قیم نے اسی قول کو صحیح مانا ہے۔ الغرض چودہ سو یا سولہ سو مسلمان قربانی کے ستر اونٹ لے کر آپ کی امارت میں عمرے کی نیت سے روانہ ہوئے۔ کسی کے پاس تلوار اور تیر و کمان کے علاوہ کوئی اور اسلحہ نہیں تھا۔ پھر بھی آپ نے ہر ایک کو حکم دے دیا تھا کہ تلوار نیام میں رہے۔ ''ذوالحلیفہ'' پہنچ کر سب نے احرام باندھا، اونٹوں کی گردنوں میں قربانی کے نعل لٹکائے اور ان کے کوہان شق کر دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی شامل تھا جو معرکہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

ابھی آپ عسفان پہنچے ہی تھے کہ بنو کعب یا بنو خزاعہ سے پتہ چلا کہ بنو قریش کسی مسلمان کو بھی شہر میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ امام زہری کے مطابق بشر بن سفیان کعبی نے آپ کو بتایا کہ بنو قریش ''ذوطوی'' میں اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ مقیم ہیں۔ انہوں نے تیندوے کی کھال پہن کر قسم کھائی ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی مسلمانوں کو مکے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ نیز حضرت خالد بن ولید اور حضرت عکرمہ بن ابوجہل (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) دو سو جوانوں کو لے کر ان کی پیش قدمی روکنے کیلئے ''کاع الغمیم'' پہنچ گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ سوچ میں پڑ گئے۔ آپ نے بشر بن سفیان سے فرمایا:

''قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ وہ تھوڑی سی مدت کے لئے صلح کر لیں اور ہمارا معاملہ عربوں پر چھوڑ دیں۔''

پھر آپ نے غیر مانوس راستے پر چلنے کا حکم دے دیا تا کہ دشمن سے کسی جگہ بھی مڈبھیڑ نہ ہونے پائے۔ پہاڑی کے دشوار گزار پتھریلے علاقوں کو روندتے ہوئے ''حدیبیہ'' پہنچے جو مکے سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کی اونٹنی ''قصوا'' وہیں بیٹھ گئی۔ آپ نے اسے مشیت ایزدی سمجھ کر مسلمانوں کو وہیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا۔

مذاکرات کا آغاز:

اسی تاریخی مقام حدیبیہ میں خود سربنو قریش نے اپنے چار بار سوخ اور صاحب الرائے آدمیوں کو حالات معلوم کرنے کی غرض سے آپ کی خدمت میں بھیجا۔

بدیل بن ورقاء خزاعی:

امام زہری کے مطابق بدیل بن ورقاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ ولم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا عندیہ معلوم کیا۔ اس نے واپس جا کر قریش کو سمجھایا کہ آپ لڑنے کی نیت سے تشریف نہیں لائے، بلکہ آپ تو محض خانہ کعبہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر وہ اور بھی ناراض ہوئے اور بدیل کا مذاق اڑا کر اسے خاموش کر دیا۔

Marfat.com

مکرز بن حفص:

پھر انہوں نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ اسے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا:

''یہ تو بڑا فریبی انسان ہے۔''

اس کے سامنے بھی آپ نے وہی بات دہرا دی جو آپ نے بدیل سے کہی تھی۔ اس نے واپس جا کر بنو قریش کو سارے حالات سے خبردار کر دیا۔

حلیس بن علقمہ:

پھر انہوں نے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو بھیجا جو حق پرست اور منصف مزاج آدمی تھا۔ مسلمانوں کے پاس پہن کر اس نے عجب منظر دیکھا۔ قربانی کے ستر اونٹ ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے اور ہر شخص احرام میں ملبوس خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے بے چین نظر آ رہا تھا۔ اس پر امن مظاہرے سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ آپ سے ملے بغیر خاموشی سے واپس چلا گیا۔ پھر غصے کے عالم میں اس نے قریش سے کہا:

''مسلمانوں کو زیارت کعبہ کے مقدس فریضے سے روکنے میں ہم تمہارا ساتھ کبھی بھی نہیں دیں گے اور نہ ہی ہم نے اس بات پر تم سے کوئی معاہدہ کیا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم نے محمد کو روکا تو پھر میرے قبیلے کا ایک بچہ بھی تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔''

یہ سن کر قریش بگڑ گئے، انہوں نے جواب دیا:

''حلیس! بکواس بند کرو، بدو سیاسی چالوں کو نہیں سمجھ سکتے، ہم اپنی مرضی سے جو چاہیں گے کریں گے، کوئی ہمارے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔''

عروہ بن مسعود ثقفی:

امام زہری کے مطابق عروہ بن مسعود ثقفی قریش میں سب سے معمر اور سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے دنیا دیکھی تھی، سبھی اس کی بزرگی کے قائل تھے اور اسے اپنے باپ کے برابر سمجھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اسی کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت حضرت ابوبکر اور حضرت مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ اس نے آتے ہی کہنا شروع کر دیا:

''قریش نے تیندوے کی کھال پہن کر عہد کیا ہے کہ وہ کبھی بھی آپ کو شہر میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ پھر اگر آپ نے ان سے جنگ کی تو آپ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائیوں کو تباہ کریں گے، لیکن اگر آپ مغلوب ہو گئے تو یہ ساری جماعت گردوغبا کی طرح آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائے گی۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق سے رہا نہ گیا اور غصے میں آ کر جواب دیا:

''واللہ! یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔''

وہ بات کرتے کرتے اپنے ہاتھ آپ کی ریش مبارک تک لے جاتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اسے ٹوکا اور تنبیہ کی کہ دوبارہ ایسی حرکت کی تو اس کے ہاتھ قلم کر دیئے جائیں گے۔ صحابہ کرام کے

Marfat.com

اس رویے سے وہ بہت ہی مرعوب ہوا۔اس نے دیکھا کہ وہ آپ پر قربان ہوئے جاتے ہیں، آپ وضو فرماتے ہیں تو زمین پر گرتے ہوئے پانی کو اٹھا کر وہ اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں، موئے مبارک گرتا ہے تو اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیتے ہیں اور تھوکتے ہیں تو آپ کا لعاب معطر اٹھا کر اپنے منہ پر لگا لیتے ہیں۔ جمال و جلال کا یہ عالم ہے کہ اگر آپ کچھ بیان فرماتے ہیں تو ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے۔ادب سے کوئی بھی نظر بھر کر آپ کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ ہر وقت آپ پر جان و مال تک قربان کرنے کیلئے ہر ایک تیار رہتا ہے۔خلوص و محبت، اطاعت و فرمانبرداری اور عقیدت و جاں نثاری کا یہ ناقابل فراموش منظر دیکھ کر وہ قریش کے پاس واپس گیا تو بے اختیار ہو کر کہنے لگا:

''میں کسری، قیصر اور نجاشی کے دربار میں گیا ہوں اور وہاں کی شان و شوکت کو دیکھا ہے لیکن جس جوش و ولولے سے محمد کے اصحاب اپنے آقا کی اطاعت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں بے تاب نظر آتے ہیں، اس کی مثال کسی قوم میں نہیں آتی۔وہ ایسی صورت میں کبھی بھی آپ کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتے، خواہ تم کچھ بھی کر ڈالو۔''

امام طبری کے مطابق عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا:

((واللہ انی رأیت ملکاً قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد محمد))

''واللہ! میں نے کسی درباری کو اپنے بادشاہ کی تعظیم اس انداز میں کرتے نہیں دیکھی جس والہانہ انداز میں محمد کے اصحاب محمد پر وارفتہ نظر آئے۔''

قاصد رسالت مآب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کے پاس انہیں سمجھانے کیلئے اپنے آدمی بھیجے۔دراصل آپ خونریزی سے ہر قیمت پر بچنا چاہتے تھے۔اس لیے آپ نے حتی الامکان مصالحت و موانست کے سارے ذرائع استعمال فرمائے۔

حضرت خراش بن امیہ خزاعی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت خراش بن امیہ خزاعی کو ان کے پاس بھیجا۔وہ آپ کے اونٹ (ثعلب) پر بیٹھ کر مکہ مکرمہ گئے تو ظالموں نے اسے زخمی کر دیا۔خود ان کی زندگی بھی خطرے میں تھی مگر احابیش نے بیچ میں پڑ کر انہیں چھڑایا اور وہ مشکل سے جان بچا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارے حالات سے آپ کو آگاہ کر دیا۔

قریش کی فتنہ پردازی:

جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ و خونریزی سے بچنا چاہتے تھے، اسی قدر قریش فتنہ و فساد پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے چالیس، پچاس جواں مردوں کو بھیجا کہ وہ چاروں طرف چکر لگائیں اور موقع ملے تو مسلمانوں کے پڑاؤ میں گھس کر انہیں گرفتار کر لیں۔کہا جاتا ہے کہ وہ رات کے وقت وہاں گھس آئے اور مسلمانوں پر تیروں اور سنگ ریزوں سے حملہ کر دیا۔اتفاقاً اس وقت حضرت محمد بن مسلمہ پہرہ دے رہے تھے۔انہوں نے سب کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ

Marfat.com

نے عفوودرگزر سے کام لے کرانہیں چھوڑ دیا۔

بعض ارباب السیر لکھتے ہیں کہ آپ نے حضرت عثمان غنی کے بدلے انہیں چھوڑ دیا تھا، لیکن اکثریت اس بات کو صحیح نہیں مانتی ہے۔ سچ بات تو یہی ہے کہ آپ نے فیاضی سے کام لیا اور انہیں یوں ہی بلا معاوضہ چھوڑ دیا۔

حضرت عثمان غنی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتمامِ حجت کی غرض سے حضرت عمر فاروق کو روانہ کرنا چاہا لیکن انہوں نے معذرت چاہی۔ دراصل ان کے خاندان بنوعدی کا کوئی فرد بھی مکے میں موجود نہیں تھا جس کی پناہ میں وہ قریش سے مذاکرت کرتے۔ البتہ حضرت عثمان کے خاندان بنوامیہ کے معزز حضرات مکے ہی میں رہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے درخواست کی کہ حضرت عثمان کو بھیج دیا جائے۔ یہ سن کر آپ نے حضرت عثمان کو ابوسفیان اور اشراف قریش کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ انہیں پوری طرح باور کرادیں کہ آپ جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہیں بلکہ خانہ کعبہ کے طواف وزیارت اور اس کی حرمت و تقدس کے مظاہرے کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔

شہادت عثمان کی افواہ:

ابن اسحاق کے مطابق حضرت عثمان اپنے رشتے دار ابان بن سعید کی پناہ میں ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے حضرت عثمان سے کہا:

''تمہارا دل چاہے تو طواف کرلو، لیکن کسی دوسرے کو مکے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔''

حضرت عثمان نے جواب دیا:

''میں تو کبھی بھی اپنے آقا ومولا کے بغیر طواف نہیں کرسکتا۔''

قریش نے انہیں نظر بند کردیا لیکن مسلمانوں تک یہ خبر یوں پہنچی کہ وہ شہید کردیئے گئے۔

بیعت رضوان (بیعۃ الشجرہ):

شہادت عثمان کی اندوہناک خبر پھیلتے ہی مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت زیادہ رنجیدہ ہوگئے۔ ہر ایک حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کیلئے بے تاب ہوگیا۔ آپ نے بھی فرمایا:

''خون عثمان کا بدلہ لینا ہم سب پر فرض ہے۔''

یہ کہہ کر ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ کرام نے آپ کے مقدس ہاتھوں پر بیعت کی کہ خون عثمان کا بدلہ لیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ علماء کی رائے میں یہ ''بیعت موت'' تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ مرجائیں گے مگر خون عثمان کا بدلہ لیے بغیر واپس نہیں جائیں گے، لیکن حضرت جابر بن عبداللہ کے خیال میں ''یہ بیعت موت'' نہیں تھی، بلکہ صحابہ کرام نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ کسی حالت میں بھی پیٹھ موڑ کر راہ فرار اختیار نہیں کریں گے، بلکہ استقلال وثابت قدمی کے ساتھ آخر دم تک دشمنوں سے لڑیں گے۔ اس طرح ''عدم فرار'' اور 'کمال ثبات'' کے لئے یہ بیعت ہوئی تھی۔

اس بیعت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان اجتماعی زندگی کے ساتھ انفرادی زندگی کی اہمیت کے بھی قائل تھے۔ وہی

Marfat.com

مسلمان جنہوں نے خونریزی سے بچنے کیلئے حملہ آوروں کو چھوڑ دیا تھا، اب وہی محض ایک فرد کی خاطر قربان ہونے اور قاتلوں ں کوقرار واقعی سزا دینے کیلئے بے قرار تھے۔سب نے تلواریں سونت لیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں نثار ہونے کیلئے تیار ہو گئے۔ایسا نظر آتا تھا کہ چند لمحوں میں میدان حدیبیہ ''میدان کارزار'' بن جائے گا۔مگر تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کچھ اور ہی تھی۔عین اسی وقت حضرت عثمان آتے ہوئے دکھائی دیئے اور چاروں طرف مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیعت ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر لی تھی۔اسی مناسبت سے تاریخ اسلام میں یہ ''بیعۃ الشجرہ'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔سورۂ فتح میں اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عھد اللہ فسیوتیہ اجرا عظیما))

''جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی، گویا انہوں نے اللہ سے بیعت کی۔اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔پھر جس نے عہد توڑ ڈالا تو عہد توڑنے کا مزا اسی کو بھگتنا پڑے گا اور جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا تو اسے عنقریب اجر عظیم مل جائے گا۔''

اسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ''بیعۃ الشجرہ'' میں شریک ہونے والے مسلمانوں کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا:

((لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحا قریبا ○ و مغانم کثیرۃ یا خذونھا و کان اللہ عزیزا حکیما))

''اللہ ان مومنوں سے خوش ہوا جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی تو وہ ان کے دلی جذبات سے واقف ہوگیا۔اس لیے اس نے انہیں سکون بخشا اور بہت ہی جلد فتح عطا فرمائی اور ثواب میں بہت سا مال غنیمت بھی انہیں حاصل ہوگیا اور اللہ تو غالب وحکمت والا ہے۔''

اسی مبارک آیت کی یاد میں ''بیعۃ الشجرہ'' کو ''بیعت الرضوان'' بھی کہتے ہیں یعنی وہ بیعت جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے خوش ہوگیا اور ظاہری وباطنی نعمتوں سے انہیں مالا مال کر دیا۔

سہیل بن عمرو سے مذاکرات:

حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ قریش جارحانہ عزائم رکھتے ہیں۔اس لیے وہ مسلمانوں کو کسی حالت میں بھی خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے نہیں دیں گے، لیکن اسی عرصے میں انہیں ''بیعت رضوان'' کا سارا حال معلوم ہو چکا تھا۔وہ مسلمانوں کے جزبہ ایثار وقربانی کو دیکھ کر گھبرا گئے اور سہیل بن عمرو کو آپ کی خدمت میں بھیج کر مصالحت کی بات چیت شروع کر دی۔باہمی مذاکرات اور تبادلہ خیالات کے بعد صلح نامے کی شرطیں طے ہوئیں اور حضرت علی نے اس کا متن لکھنا شروع کیا۔اس موقع پر آپ نے بے مثال رواداری اور بردباری کا ثبوت دیا۔سہیل نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

Marfat.com

لکھنے پر اعتراض کیا تو آپ نے اس کی خواہش پر ''باسمک اللھم'' لکھوا دیا۔ پھر اس نے آپ کی پیغمبری سے انکار کرتے ہوئے اصرار کیا کہ آپ کے نام کے ساتھ ''رسول اللہ'' نہ لکھا جائے۔ آپ نے اس کی یہ بات بھی مان لی اور حضرت علی سے فرمایا کہ اسے مٹا دیں۔ مگر آداب رسالت سے مجبور ہو کر انہوں نے معذرت چاہی تو آپ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور قاضی عیاض کے مطابق اس کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دیا۔ ایسی فراخ دلی اور رواداری کی مثال تاریخ عالم کے کسی دور میں نہیں ملے گی۔

صلح نامہ حدیبیہ کی شرطیں:

ابن ہشام اور امام طبری کے مطابق صلح نامے کی شرائط یہ ہیں:

1: دس سال تک دونوں فریق ایک دوسرے سے نہیں لڑیں گے اور بے خوف وخطر آپس میں آمد و رفت شروع کر دیں گے۔

2: قریش کا کوئی آدمی اپنے ولی وسرپرست کی مرضی کے بغیر محمد کے پاس آئے گا تو آپ اسے واپس ان کے حوالے کر دیں گے لیکن اگر آپ کا کوئی ساتھی ان کے پاس پناہ لے گا تو وہ کبھی بھی اسے آپ کے حوالے نہیں کریں گے۔

3: دونوں فریق پچھلی باتوں کو بھول جائیں گے، ان کے دلوں میں کدورت باقی نہیں رہے گی، وہ خیانت اور دغابازی سے کام نہیں لیں گے اور نہ ہی کسی کے مال کو لوٹیں گے۔

4: اس سال مسلمان عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ البتہ آئندہ سال عمرادا کرنے کیلئے آسکتے ہیں مگر وہ صرف سوار فوج کے اسلحہ (سلاح الراکب) ساتھ لائیں گے یعنی ہر ایک کے پاس صرف ایک تلوار ہوگی اور وہ بھی نیام میں۔ وہ تین دن سے زیادہ مدت تک شہر میں نہیں رہیں گے اور اس عرصے میں قریش اسے خالی کر کے پہاڑیوں پر چلے جائیں گے۔

5: بلاذری کے مطابق جو مسلمان حج، عمرہ یا تجارت کی غرض سے مکے آئے گا تو اس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمے داری قریش پر ہوگی۔ اس کے عوض وہ امن وسلامتی کے ساتھ براستہ مدینہ مصر وشام کا سفر کر سکتے ہیں۔

6: قبیلوں کو آزادی حاصل ہوگی کہ وہ قریش یا اسلامی ریاست مدینہ میں سے کسی بھی فریق سے معاہدہ کر کے اس کے حلیف بن جائیں۔

7: قربانی کے جانور حدیبیہ ہی میں رہیں گے۔ انہیں وہیں حلال کر دیا جائے گا اور مکہ مکرمہ میں لانے کی کوشش کوئی مسلمان نہیں کرے گا۔

8: فریقین کے حقوق وواجبات مساوی ہوں گے۔

صحابہ کرام کا ردعمل:

حضرت عمر فاروق نے ان شرطوں کے خلاف احتجاج کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اونچ نیچ اور آغاز و انجام پہ نظر کس کی پہنچ سکتی تھی۔؟ ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ خود سہیل بن عمرو کے صاحبزادے حضرت ابو جندل پاؤں میں بیڑیاں پہنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پناہ مانگی۔ مسلمان ہونے کے جرم میں وہ تعذیب وایذا میں مبتلا تھے اور

Marfat.com

کافروں کے پنجے سے نکل کر آپ کے دامن میں پناہ لینا چاہتے تھے۔ مگر شرائط کے مطابق آپ انہیں اپنی پناہ میں نہیں لے سکتے تھے۔ اس لیے آپ نے ان سے فرمایا:

''ابو جندل! صبر وضبط سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہارے ساتھ دوسرے بے کس مسلمانوں کی نجات کے لئے کوئی سبیل ضرور نکالے گا۔ ہم نے قوم سے معاہدہ کرلیا ہے اور اللہ کو بیچ میں ڈال دیا ہے۔ اس لیے ہم معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔''

حضرت ابو جندل مایوس ہو کر واپس چلے گئے تو مسلمان اور بھی افسردہ خاطر ہو گئے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں:

''اس وقت جو حالت میری ہوئی تھی اس کے بعد ویسی کبھی بھی نہیں ہوئی۔''

انہوں نے آپ سے عرض کیا:

''بشارت الٰہی کے مطابق طواف کر کے ہی ہم یہاں سے واپس چلیں اور اللہ تعالیٰ کا سہارا لے کر دشمن سے دوٹوک فیصلہ کرنے کے بعد ہی میدان سے کوچ کرنے کا ارادہ کریں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا:

''اللہ تعالیٰ نے بشارت تو دی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسی سال طواف وزیارت کرنا ضروری ہے۔ ذرا صبر کرو، ہم سب انشاء اللہ خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کریں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ نے جو کچھ خواب میں دیکھا تھا وہ حقیت پر مبنی ہے۔ سب لوگ امن وامان کے ساتھ بلاخوف وخطر مسجد حرام کی زیارت کریں گے، سر منڈوائیں گے اور بال کٹوائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے واقف ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔''

مروی ہے کہ صحابہ کرام اس قدر افسردہ خاطر ہو گئے کہ انہوں نے نہ تو رسم قربانی ادا کی اور نہ ہی سر منڈوائے۔ آپ نے انہیں ہدایت بھی فرمائی مگر ان کا دل مائل نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر آپ نے ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ کے مشورے سے خود پہل کی، قربانی ادا کی اور سر منڈوایا اور انہوں نے بھی آپ کی اتباع میں رسم قربانی ادا کی۔

حضرت ابن عباس کے مطابق آپ نے ابو جہل کا وہ اونٹ قربان کیا جس کی ناک میں سونے کا چھلا پڑا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر کافر اور بھی غیض وغضب میں آ گئے، لیکن اب خاموشی کے سوا ان کے لئے کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔ صلح نامے کے بعد آپ نے تین روز تک حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر واپس مدینے روانہ ہو گئے۔

فتح مبین:

صلح نامے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ پھر مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ امام زہری کے مطابق ابھی آپ مکہ ومدینہ کی درمیانی منزل میں ہی پہنچے تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنائی کہ صلح حدیبیہ کی بدولت مسلمانوں کو کھلی کھلی اور فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

((انا فتحنالك فتحا مبينا))

Marfat.com

''درحقیقت ہم نے تمہیں فتح مبین عطا کی۔''

آپ نے سب کو بلا کر یہ خوشخبری سنائی۔ مسلمانوں کے چہرے خوشی سے دمکنے لگے اور انہیں دلی سکون واطمینان حاصل ہوگیا۔ مروی ہے کہ آپ نے حضرت عمر کو بلا کر سورۂ فتح سنائی۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ آیا یہ فتح ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! ہمیں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر فتح عطا فرمائی ہے۔''

یہ سن کر حضرت عمر فاروق مطمئن ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلے پر آپ سے جو بحث کی تھی، اس پر انہیں زندگی بھر افسوس رہا۔ اس کے کفارے میں خیرات کی، غلام آزاد کیے، روزے رکھے اور نمازیں پڑھیں۔

رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ فتح کے الوہی اعلامیے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آج کی رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔''

صلح نامہ حدیبیہ کی اہمیت:

صلح نامہ حدیبیہ تاریخ عالم کے بین الاقوامی معاہدوں میں امتیازی مقام رکھتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی نظیر نہیں مل سکتی کہ فاتح قوم نے بظاہر دب کر مغلوب قوم سے نرم شرائط پر صلح کر لی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکست خوردہ قریش کی ہر بات مان لی، ان کی دل جوئی کی اور چشم پوشی سے کام لے کر بظاہر مغلوبانہ شرائط پر صلح کر لی۔

الغرض یہ سفر بہت ہی خیر و برکت کا موجب ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاندین کے ساتھ معاہدہ کرنے میں فیاضی، حزم، دور بینی اور حملہ آور دشمنوں کی معافی میں عفو اور ''رحمۃ اللعالمین'' کے انوار کا ظہور دکھایا۔

یہی وہ صلح ہے کہ جسے عہد نبوی کی سیاست کا شاہکار سمجھنا چاہیے۔

بوڈلے بھی تسلیم کرتے ہیں:

''درحقیقت صلح نامہ حدیبیہ سیاست محمدیہ کا شاہکار نمونہ ہے۔ یہ تو آپ کو بہت بڑی شاندار فتح حاصل ہوئی۔ ایک زمانہ تھا جب قریش نے آپ کے خلاف بہت بڑا محاذ بنایا۔ وہ مار پیٹ اور سنگ باری پر اتر آئے تو آپ نے ہجرت کر کے غار میں پناہ لی۔ کسی نے یہ بات اس وقت سوچی بھی نہیں ہوگی کہ آپ اپنے ستر صحابہ کے ساتھ کس طرح خطرہ مول لے کر اپنے وطن سے چلے گئے تھے۔ موجودہ اور گزشتہ دور میں کس قدر زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ ناقابل یقین اور حیرت میں ڈال دینے والا فرق۔ یہ تو بالکل خلاف توقع بات تھی کہ قریش نے محمد سے بات کرنا گوارا کی۔ آپ کی حیثیت کم از کم ایسے فریق کے برابر مان لی جس کی باتوں کی طرف توجہ مبذول کی جا سکے اور پھر آپ کو عرب کے ایک طبقے نے امت مسلمہ کا حاکم مان لیا۔ یہ لوگ وہی تھے جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ آپ کو زندہ گرفتار کر لیں گے یا پھر نعوذ باللہ جان سے مار ڈالیں گے۔ اب ان لوگوں پر ہی محمد نے ذاتی و شخصی فتح حاصل کی اور پھر اپنی بالغ نظری سے اس صلح کے دور رس نتائج کا اندازہ بھی لگا لیا، اس وقت جبکہ کسی

Marfat.com

مسلمان کی نظر وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔''

مشہور مستشرق ویٹ لکھتا ہے:

''حدیبیہ کی مہم اور صلح نامے سے محمد نے نئے دور کا افتتاح کیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ کی سرگرمیوں سے قریش چڑھ گئے تھے۔ انہوں نے آپ کے خلاف جو بھی اقدامات کیے ان میں بری طرح ناکامی ہوئی۔ اب بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ آپ اپنی کامیابیوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا کر اہل مکہ کے اقتدار کو خاک میں ملا دیں گے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کے بجائے آپ نے بالکل نئی اور انوکھی پالیسی اختیار کی۔''

حدیبیہ کی صلح اسلام کی فتح کا نقاہ تھی۔ اب تک مسلمان جس اصول کی خاطر قریش سے مقابلہ کر رہے تھے وہ یہ کہ اسلام کو اپنی اشاعت کی آزادی کا حق ملے اور قریش اس راہ کے روڑے نہ بنیں۔ قریش کو اس کے ماننے سے انکار تھا۔ حدیبیہ کی صلح نے اس اصول کو منوالیا اور اسلام کو اپنی اشاعت کی آزادی کا حق مل گیا اور یہ اس کی جیت تھی۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیت اتاری، انا فتحنا لک فتحا مبینا ''ہم نے تجھے کھلی فتح عنایت کی ہے۔

حدیبیہ میں قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاست خارجہ کی ایک واقعی ''فتح مبین'' اور ''نصر عزیز'' تھی جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرۂ ہائے عرب کو اپنا مطیع بنالیا اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات خارج کر کے ایک ایسی مستحکم حکومت قائم کر دی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں میں پھیل گئی اور جو اس سے ٹکرایا، پاش پاش ہو کر رہ گیا اور جس نے سر تسلیم خم کیا وہ اسلام کی رنگ و زبان سے بالاتر قومیت میں برابری کے حصے کے ساتھ شریک ہو گیا۔

صلح نامہ حدیبیہ کو دنیا کے تمام معاہدوں اور صلح ناموں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس معاہدے سے غالب ہونے والی قوم نے دشمن کی وہ تمام شرطیں مان لیں جو بظاہر اس کے مفاد کے خلاف تھیں۔ اس معاہدے سے دنیا میں عظیم انقلاب آیا۔ اس کی بدولت نئے دین اور نئی سیاست کی مالک چھوٹی سی قوم کو نہ صرف عربوں پر غلبہ حاصل ہو گیا بلکہ اس وقت کی بڑی بڑی طاقتیں زوال کے پنجوں میں دب کر ختم ہو گئیں اور عالمی سیاست کی باگ اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس معاہدے کے بعد قریش سرنگوں ہو گئے۔ اب وہ مسلمانوں کی زندگی سے نہیں کھیل سکتے تھے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمان مکے کی فضا میں سانس تک نہیں لے سکتے تھے لیکن اب وہی مسلمان عزت و طاقت کے مالک تھے۔ بنو قریش نے ان کی قومیت کو تسلیم کر لیا اور انہیں شہری، سیاسی اور مذہبی آزادی مل گئی۔ بنو قریش کا دعویٰ تھا کہ عرب میں بت پرستی کے علاوہ کوئی اور مذہب رائج نہیں ہو سکتا لیکن صلح نامہ حدیبیہ کی رو سے انہوں نے دین اسلام کی قانونی حیثیت کو تسلیم کر لیا۔

انسائیکلو پیڈیا برٹیانیکا کے مطابق:

''اس معاہدے سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا اور کافروں کو متواتر نقصان اٹھانا پڑا۔ دو سال کے عرصے میں بنو قریش کی ساکھ جاتی رہی لیکن اسلام دن بدن ترقی کرتا گیا۔''

حدیبیہ کی صلح اسلام کی فتح کا نقارہ تھی۔ غرض تو یہ تھی کہ لڑائی بھڑائی دور ہو، دشمنی اور عداوت کا جذبہ ٹھنڈا ہو اور مخالفت

Marfat.com

کا رنگ پھیکا پڑے اور لوگوں کو اسلام کے روحانی انقلاب کے دیکھنے اور اسلام کی تعلیم سمجھنے کا موقع ملے۔ حدیبیہ کی صلح نے یہ موقع بہم پہنچایا۔ کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے، ان کی باتوں کے سننے اور ان پر غور کرنے کا موقع ملا تو نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس کے اندر اندر مسلمانوں کی تعداد دوگنی ہوگئی۔ خود مکہ کے ہر گھر میں اسلام پہنچ گیا تھا۔

حضرت ابوبکر بیان کرتے ہیں:

''صلح نامہ حدیبیہ سے زیادہ کسی فتح کو اہمیت حاصل نہیں۔ اس سے پہلے مسلمانوں اور کافروں میں تعصب کی وسیع خلیج حائل تھی۔ صلح نامہ حدیبیہ نے باہمی اعتماد کا جذبہ پیدا کیا، امن وامان بحال ہوگیا اور لوگوں کو تبادلہ خیال کا موقع مل گیا۔ باہمی رابطے کی وجہ سے صلح نامہ حدیبیہ کے بعد بائیس مہینوں میں جتنے کافر مسلمان ہوئے، اتنے گزشتہ سالوں میں ملا کر کبھی بھی نہیں ہوئے تھے۔''

حضرت ابن مسعود کی رائے بھی یہی ہے، وہ کہتے تھے:

''لوگ فتح مکہ کو حقیقی فتح شمار کرتے ہیں لیکن دراصل صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت قریش پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ سے قریش کی کمر ٹوٹ گئی، تعصب کی وجہ سے جو قومیں مسلمانوں کے خلاف تھیں، اب وہی اسلام کی طرف جھک گئیں، اسلام کی اشاعت تیزی سے ہونے لگی اور قبیلوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت قبول کر لی۔''

امام زہری فرماتے ہیں:

((فما فتح فی السلام فتح قبله كان اعظم معه انما كان القتال حيث التقى الناس فلما كانت الهدنة و وضعت الحرب ، و آمن الناس كلهم بعضهم بعضا فالتقوا و تفاوضوا فی الحديث و المنازعة فلم يكلم احد بالاسلام يعقل شيئا الا دخل فيه، ولقد دخل فی تينك السنتين فی الاسلام مثل ما كان فی السلالم قبل ذلك او اكثر))

''اسلام میں حدیبیہ سے پہلے ایسی شاندار فتح نہیں حاصل ہوئی۔ جنگ وجدال کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے مل جل نہیں سکتے تھے۔ مگر جب صلح ہوگئی اور جنگ بند ہوگئی اور امن وامان کا ماحول پیدا ہوگیا تو لوگ آپس میں مل کر تبادلہ خیالات کرنے لگے۔ جو بھی اسلام کے بارے میں سوچ سمجھ کر گفتگو کرتا وہی آخر کار مسلمان ہو جاتا۔ چنانچہ دو سال کے عرصے میں صلح نامہ حدیبیہ سے فتح مکہ تک اس کثرت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے کہ پہلے کبھی بھی نہیں ہوئے تھے۔''

امام زہری تائید میں ابن ہشام لکھتے ہیں:

''حضرت جابر بن عبداللہ کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو مسلمانوں کو لے کر حدیبیہ

Marfat.com

گئے تھے۔ پھر دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ہمراہ دس ہزار مسلمان تھے۔''

اس طرح صلح نامہ حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں سات گنا سے بھی زیادہ اضافہ ہوا۔ اس لحاظ سے یہ صلح نامہ موجب خیر و برکت اور باعث اشاعت و غلبہ اسلام ثابت ہوا۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك و ما تأخر ويتم نعمة عليك و يهديك صراطا مستقيما o وينصرك الله نصرا عزيزا))

''اے محمد! ہم نے آپ کو کھلی کھلی اور فیصلہ کن فتح عطا فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے وسیلے سے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دے اور اپنی نعمتیں آپ پر پوری پوری نازل فرما دے اور آپ کو راہ راست پر گامزن رکھے اور اللہ غالب امداد سے آپ کی مدد فرمائے گا۔''

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صلح نامہ حدیبیہ سے مسلمانوں کو صرف سیاسی غلبہ ہی حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے نہ صرف دینی و دنیوی اور روحانی و مادی نعمتوں سے مسلمانوں کو مالا مال کر دیا بلکہ ان کے اگلے پچھلے گناہ بھی معاف ہو گئے۔ نعمت پوری پوری مرحمت ہو گئی، راہ مستقیم پر گامزن رہنے کی سعادت مل گئی اور نصرت ایزدی سے دشمنوں پر تسلط و غلبہ حاصل ہو گیا۔ گویا صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت ''مسلمانوں پر ظاہری و باطنی نعمتوں اور برکتوں کی بارش ہونے لگی تو پھر مومنوں کو دلی سکون مل گیا اور ان کا ایمان پختہ ہوتا گیا اور آسمان و زمین کی ساری طاقتوں کے پیچھے اللہ ہی کا ہاتھ ہے۔ وہی اللہ جو علم و حکمت کا سرچشمہ ہے۔

اسی لیے اس نے سیاسی فتح و نصرت کو مسلمانوں کے لئے منتہی و مقصود قرار نہیں دیا بلکہ ''اصلی کامیابی'' فوز عظیم تو یہی ہے کہ اللہ انہیں ہمیشہ رہنے والی جنت مرحمت فرمائے گا اور برائیوں سے بچا کر حیات ابدی سے نوازے گا۔

الغرض سیاسی و تاریخی پہلو سے جو کام حدیبیہ کی بظاہر مغلوبانہ صلح نے کیا، وہ بڑی سے بڑی فتح بھی سرانجام نہیں دے سکتی تھی۔ اس لحاظ سے یہ محض صلح و معاہدہ نہیں بلکہ ''فتح مبین'' اور ''نصر عزیز'' ہے جس کی بدولت حق کو باطل پر غلبہ حاصل ہوا، قریشی سیادت خاک میں مل گئی اور عدل و انصاف قائم کرنے والی امت مسلمہ نے نہ صرف عرب بلکہ عالمی قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی۔ اسی لیے حضرت ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام کہتے تھے:

''تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو لیکن ہم حدیبیہ کی صلح کو فتح شمار کرتے ہیں۔''

صلح نامہ حدیبیہ کے نتائج:

سورۂ فتح میں صلح نامہ حدیبیہ کی برکتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ببول کے درخت کے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمانوں نے رضائے الٰہی حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا تو انہیں قلبی و روحانی سکون (سکینہ) مل گیا۔ قریش نے جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کر دیئے تو جنگ کے بادل چھٹ گئے اور خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں کو قریش کی طرف سے اطمینان ہوا تو وہ دوسرے دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں پے در پے اور یکے بعد دیگے شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔ انہیں جنگ خیبر میں یہودیوں پر غلبہ حاصل

Marfat.com

ہوا، لڑائی بھڑائی کے بغیر مکے پر ان کا قبضہ ہو گیا اور معرکہ حنین میں ہوازن وثقیف کی طاقت خاک میں مل گئی۔ اس طرح صلح نامہ حدیبیہ کے بعد تقریباً دو سال کے عرصے میں مدینے کی اسلامی ریاست کو قریش، یہودی، ہوازن اور ثقیف کی امن دشمن سرگرمیوں سے نجات مل گئی۔ حجاز میں سب سے زیادہ طاقتور قبائل یہی تھے اور مسلمانوں نے انہیں مغلوب کر کے اپنی ریاست کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔ پھر نصرت و کامیابی کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ عرب کے علاوہ دوسرے ملک بھی ان کے اقتدار میں آ گئے۔

''عہد وسطیٰ'' کی بڑی بڑی طاقتوں نے ہار مان کر ہتھیار ڈال دیئے اور عراق، ایران، مصر، شام اور فلسطین ریاست مدینہ کا جزو لاینفک بن گئے۔ ان شاندار فتوحات میں قیصر و کسریٰ کے خزانے ہاتھ آئے۔ ان زرخیز ملکوں کے مادی ذرائع پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ یہ سب کچھ صلح نامہ حدیبیہ کے بعد بیس سال کے قلیل عرصے میں ''بین الاقوامی اسٹیج'' پر رونما ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مظلوم نہتے امتی اس عرصے میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت اور اقوام عالم کی قسمت کے مالک بن گئے۔ سورۂ فتح میں اسی حقیقت کی پیش گوئی بیس سال پہلے اللہ تعالیٰ نے کر دی تھی۔ اس نے پہلے ہی سے خوشخبری سنا دی:

> ''جب مومن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، اللہ ان سے خوش ہو گیا۔ ان کے دل خلوص و محبت سے لبریز تھے۔ اللہ اس بات سے پوری طرح واقف تھا اس لیے اس نے انہیں قلبی سکون (سکینہ) عطا فرمایا۔ انہیں بہت ہی جلد نمایاں فتح سے ہم کنار فرمایا اور بہت سی نعمتیں بھی مرحمت فرمائیں اور اللہ ہی تو حکمت و طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں کثرت سے مال غنیمت ملے گا تو اس نے اپنا وعدہ بہت جلدی پورا کر دیا اور تم سے لوگوں کے ہاتھ روک دیئے، تاکہ مومن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھ لیں اور سب اس کی رہنمائی میں راہ مستقیم پر چلتے رہیں اور ان نعمتوں کے علاوہ دوسری بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں۔ وہ نعمتیں جنہیں حاصل کرنا تمہارے بس سے باہر تھا لیکن وہ سب تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں تھیں اور اللہ تو ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔''

امن وامان کی خوشگوار فضا:

معاہدے کی رو سے دس سال کے لئے قریش اور اسلامی ریاست مدینہ کے درمیان جنگ بندی ہو گئی تو عربوں نے اطمینان کی سانس لی اور مسلمان و کافر بلا خوف وخطر ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ مسلمانوں کے اخلاق و کردار سے کافر بہت ہی متاثر ہوئے اور اسلامی شریعت کو ٹھنڈے دل سے سمجھنے اور اسے قبول کرنے کا موقع انہیں مل گیا۔ تعصب اور ہٹ دھرمی کی فضا چھٹ گئی اور وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔

صلح نامہ سے پہلے مسلمانوں کی ساری توجہ قریشی حملوں سے بچنے پر مرکوز تھی۔ صلح نامے کے بعد اس خطرے سے نجات مل گئی اور قریش کی جارحانہ کارروائیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((وھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم ببطن مکۃ من

Marfat.com

بعد.....ان یبلغ محلہ))

''وہی ذات (اللہ ہی کی) تو ہے جس نے تمہیں کافروں پر فتح یاب کرنے کے بعد وادی مکہ کے قلب میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے بعد اس کے کہ اس نے تمہیں ان پر ظفر یاب کیا تھا اور اللہ تو تمہارے اعمال کا شاہد ہے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا اور قربانیوں کے لئے موقوف جانور کو اس کے مقام پر پہنچنے سے روکے رکھا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ہی یہ بات بھی واضح طور سے بتا دی تھی کہ مصالحت کی جائے، اگر وہ جنگ کرنے کی حماقت کرتے تو پھر مقابلے میں کافروں کو ضرور شکست ہوتی اور وہ بھاگ کھڑے ہوتے:

((ولو قاتلکم الذین کفروا لو لوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا))

''اگر تم سے کافر لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ پھر انہیں کوئی بھی یار و مددگار نہ ملتا۔''

لیکن اللہ تعالیٰ کی منشا یہی تھی کہ جنگ نہ ہو اور امن و امان کی خوشگوار فضا پیدا ہو جائے، اس لیے اس نے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ تصادم ہوتے ہوتے رک گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی ہر شرط مان کر ان سے مصالحت کر لی۔ اس صلح کل کی پالیسی کا اثر ان پر ہوا اور وہ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

عمرہ قضا یا عمرہ قصاص

(ذی قعدے ہجری بمطابق مارچ ۶۲۹)

عمرہ کی ادائیگی:

صلح نامہ حدیبیہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ منورہ چلے گئے اور پھر دوسرے سال عمرے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے۔ ابن قیم نے حضرت موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ ذی قعدے ہجری میں مدینہ طیبہ میں حضرت عویف بن اضبط الدیلی کو اپنا نائب (عامل) متعین فرما کر عمرہ قضا کی نیت سے آپ مکے تشریف لے گئے تھے۔ تقریباً دو ہزار مسلمان آپ کے ساتھ تھے۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ کے ساتھ سو مسلمانوں کو بھیج کر معلوم کر لیا کہ کہیں قریش دھوکہ تو نہیں دے رہے ہیں۔ مروی ہے کہ شہر سے آٹھ میل دو 'بطن یاجج'' میں سارا اسلحہ دو مسلمانوں کی نگرانی میں چھوڑ دیا گیا۔ باقی ہر ایک کے پاس نیام کے اندر صرف ایک تلوار تھی۔ اسی عالم میں آپ صحابہ کرام کو لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اس شان سے کہ عبداللہ بن رواحہ آپ کی اونٹنی کی باگ (خطام) تھامے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے۔

اہل مکہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر پہاڑیوں پر چڑھ گئے تھے۔ وہاں سے انہوں نے ایک عجیب و غریب مسحور کن

Marfat.com

منظر دیکھا۔ دو ہزار مسلمانوں نے احرام باندھ کر ایک ساتھ طواف کیا، آپ کے پیچھے ایک ساتھ نماز ادا کی اور عمرے کی دوسری رسمیں بھی ادا کیں۔ ''اللھم لبیک'' کی صدا سے مکے کی فضا گونجنے لگی، اللہ واحد کی تکبیر سے بت پرستی کے آثار ہلنے لگے اور قریش کے دماغوں میں یہ بات نقش ہو کر رہ گئی کہ بت پرستی مٹ جائے گی اور اسلام زندہ رہے گا۔ مروی ہے کہ اسی کے بعد قریشی اسلام کی طرف جھکنے لگے۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عثمان بن طلحہ، حضرت ابان بن سعید اور حضرت جبیر بن مطعم قریش کے وہ ممتاز افراد تھے جو اسی دور میں مسلمان ہوئے اور پھر اسلام کی خاطر انہوں نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ چونکہ صلح نامہ حدیبیہ کے تحت عمرہ قضا ادا کرنے کیلئے ۷ ہجری میں آپ مکہ مکرمہ بطور قصاص دوبارہ تشریف لائے اس لیے اسے ''عمرہ القصاص'' بھی کہتے ہیں۔

((فاقتص رسول الله، صلى الله عليه وسلم منهم))

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آیت ''والحرمات قصاص'' اسی لیے نازل ہوئی تھی۔

عیص میں مسلم نو آبادی کا قیام:

معاہدے کی رو سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکے کے مسلمانوں کو پناہ نہیں دے سکتے تھے۔ اسی لیے آپ نے حضرت ابو جندل کو واپس لوٹا دیا تھا۔ حضرت ابو بصیر عتبہ بن اسید بھی بھاگ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں بھی پناہ نہیں دی۔ اخنس بن شریق اور ازہر بن عبد عوف نے اپنا خط دے کر بنو عامر کے ایک آدمی کو آپ کے پاس بھیجا۔ وہ اپنے غلام کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاہدے کا احترام کرتے ہوئے آپ نے حضرت ابو بصیر کو اس کے حوالے فرما دیا۔ انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! آپ تو ہمیں مشرکوں کے حوالے فرما رہے ہیں۔؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''ابو بصیر! جاؤ! اللہ مسبب الاسباب ہے۔ وہی تمہارے لیے اور تمہارے جیسے دوسرے بے بس و بے کس مسلمان (مستضعفین) کی فلاح و نجات کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔''

مجبور ہو کر وہ عامری کے ساتھ روانہ ہوئے اور مدینے سے چھ سات میل دور ''ذوالحلیفہ'' میں سب نے کھانا کھایا اور دیوار کے کنارے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے عامری کی تلوار کی تعریف کی اور دیکھنے کیلئے مانگی۔ تلوار ہاتھ آ گئی تو انہوں نے اسی سے عامری کا سر قلم کر دیا۔ مدینے آ کر آپ نے سارا واقعہ بیان کیا مگر پھر بھی آپ نے انہیں پناہ نہیں دی اور فرمایا:

((ویل امه محش حرب لو كان معه رجال))

اگر لوگ اس کا ساتھ دے دیں تو پھر یہ جنگ کی آگ بھڑکا سکتا ہے۔ مایوس ہو کر وہ مدینے سے چل دیئے اور ''سیف البحر'' میں ''عیص'' کے مقام پر آباد ہو گئے۔ امام طبری کے مطابق ''عیص'' سمندر کے کنارے ''ذومردہ'' کے نواح میں شام کی طرف جانے والی گزرگاہ پر واقع تھا۔ حضرت ابو جندل اور مکے کے دوسرے مظلوم و بے کس مسلمان (مستضعفین) بھی قریش کی قید و بند سے نکل کر وہاں

Marfat.com

آباد ہو گئے۔ کچھ عرصے ہی میں تقریباً ستر مسلمانوں کی بستی عیص میں آباد ہو گئی جو قریشی قافلوں کو لوٹ لیتی اور کسی کافر کو اس راہ سے گزرنے نہیں دیتی تھی۔ تنگ ہو کر قریش آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے التجا کی کہ ''عیص'' کے مسلمانوں کو آپ مدینے بلا لیں۔

اس طرح وہ شرط جو بظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھی قریش کیلئے دردسر بن گئی اور ان کی بدولت ان مظلوم مسلمانوں کو نجات مل گئی جو محض اسلام لانے کے جرم میں قریش کے پنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔ قرآن حکیم میں ان بے کس مسلمانوں کو ''مستضعفین'' کے لقب سے نوازا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ آپ نے حضرت عمر سے یہی فرمایا تھا کہ کوئی مسلمان مدینے سے بھاگ کر قریش کے پاس نہیں جا سکتا۔ اگر کوئی ایسی حرکت کرے گا بھی تو وہ مسلمان نہیں منافق ہوگا۔ اس لیے ایسے تخریب پسند عناصر کا جانا ہی بہتر ہے، لیکن جو مظلوم و بے کس مسلمان قریش کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں، وہ کافر نہیں بن جائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ خود ہی ان کی حفاظت کرے گا اور انہیں نجات دلائے گا۔ اس حکم سے آپ کی بالغ نظری کا قائل ہر ایک ہو جاتا ہے۔ مروی ہے کہ آپ نے مکے سے آنے والی مسلم خواتین کو قریش کے حوالے نہیں کیا۔ عقبہ بن ابی معیط کی لڑکی ام کلثوم اور دوسری مسلم خواتین مدینے آئیں تو انہیں آپ نے پناہ دی اور قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ شرائط صرف مردوں کے لئے مخصوص تھیں اور عورتیں اس سے بالکل مستثنیٰ تھیں۔

فتح خیبر

(محرم ۷ ہجری مئی، جون ۶۲۸ء)

صلح نامہ حدیبیہ کے بعد سورۂ فتح نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

((واثابهم فتحا قريبا و مغانم كثيرة يا خذونها و كان الله عزيزا حكيما))

''عنقریب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی اور کثرت سے مال غنیمت ہاتھ آئے گا اور اللہ و غالب حکمت والا ہے۔''

مفسرین کے مطابق یہاں ''فتح قریب'' سے فتح خیبر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ دراصل صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت یہود و قریش کا گٹھ جوڑ ختم ہو گیا۔ اب وہ یہودیوں کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ نہیں کر سکتے تھے۔ بنو غطفان کو اپنی سلامتی کی فکر تھی۔ وہ بھی یہودیوں کا ساتھ دینے سے معذور ہو گئے۔ اس لیے مسلمانوں کے لئے میدان صاف ہو گیا اور وہ آسانی سے دشمنوں کے سب سے بڑے مرکز خیبر پر حملہ کر سکتے تھے۔

ابن ہشام کے مطابق آپ نے نمیلہ بن عبداللہ لیثی کو مدینے کا حاکم مقرر کیا، حضرت علی مرتضیٰ کو علم عطا فرمایا جس کا نام ''بیضاء'' تھا۔ پھر چودہ سو مسلمانوں کو لے کر آپ خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس زمانے میں خیبر ناقابل تسخیر قلعوں کا شہر

Marfat.com

تھا، مگر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے کئی قلعے فتح کر لیے تو یہودیوں نے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیے اور مصالحت کر لی۔ صلح نامہ خیبر کی رو سے سرسبز کھیت اور باغ مسلمانوں کی ملکیت میں آ گئے اور قیمتی خزانہ اور دوسرا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اس طرح صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت مسلمانوں کو طاقتور دشمن پر فتح حاصل ہوئی اور کثرت سے مال غنیمت بھی مل گیا۔ مذکورہ آیت میں ان ہی دونوں نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

غزوۂ خیبر سے حاصل ہونے والا مال غنیمت

غزوۂ خیبر:

غزوہ خیبر سن 7 ہجری کا پہلا غزوہ تھا جس میں مسلمانوں کو نقد و جنس وغیرہ پر مشتمل مال و اسباب کے ساتھ ساتھ غیر منقولہ جائیدادوں اور زرعی اراضی پر مشتمل قیمتی غنیمت بھی ملی تھی۔ اسباب اور ساز و سامان میں کھانے پینے کی چیزیں، گھریلو سامان، زیورات، مویشی، نقد رقوم، اسلحہ اور ہتھیار وغیرہ شامل ہیں۔ بعض قیدی بھی ہاتھ آئے تھے۔

اسلحے اور ہتھیار:

واقدی اور بعض دوسرے مورخین کے مطابق مسلمان فاتحوں کو صرف قلعہ (حصن) العطاۃ سے روایتی ہتھیاروں تلواروں، نیزوں خودوں وغیرہ کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ ایک ٹوٹی ہوئی منجنیق بھی ملی جس کی فوری مرمت کر کے نہ صرف قابل استعمال بنا لیا گیا تھا، بلکہ اس کو جنگی تدبیر کے مطابق ایک مفتوحہ قلعہ کی دیوار پر نصب بھی کر دیا گیا تا کہ دوسرے غیر مفتوحہ قلعوں پر خود سپردگی کے لیے دباؤ ڈالا جا سکے۔ روایت ہے کہ اس سے ایک بھی پتھر نہیں پھینکا گیا مگر دشمن پر اتنا رعب پڑ گیا کہ اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ منجنیق کے علاوہ محاصرہ شکن اور محاصروں اور قلعہ بندوں کی دفاعی طاقت توڑنے والے دو آلے بھی ملے جن کو دبابہ کہا جاتا تھا۔ مسلمان مجاہدوں نے ان کو اگرچہ باقاعدہ استعمال نہیں کیا تاہم دباؤ ڈالنے کے لیے نصب ضرور کر دیا تھا۔ قلعہ شکن آلات کی تعداد تو مذکور ہوئی ہے مگر روایتی ہتھیاروں کی تعداد کا ذکر کم از کم قلعہ نطاۃ کی حد تک ہمارے مآخذ میں نہیں ملتا۔

قلعہ قموص کے حوالے سے البتہ ہتھیاروں پر مشتمل مالِ غنیمت کی مقدار و تعداد کا ذکر بہت مفصل ملتا ہے۔ اس میں ایک سو زرہ بکتر چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں مع اپنے ترکشوں کے شامل تھیں۔ تیسرے یہودی قلعہ ''الصعب بن معاذ'' سے بھی ہتھیاروں پر مشتمل ایک کافی بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا۔ اس میں ایک منجنیق کے علاوہ متعدد ''دبابات'' اور بہت بڑا حربی ذخیرہ شامل تھا۔ ان دونوں قلعوں کے علاوہ قلعہ الکتیبہ سے بھی ہتھیاروں کی غنیمت کا ذکر ملتا ہے مگر ان کی تعداد کا حوالہ نہیں ملتا۔ دوسرے یہودی قلعوں سے ہتھیاروں کی غنیمت ملنے کا ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ ہتھیاروں اور اسلحہ پر مشتمل مال غنیمت کا تخمینہ لگانے کے لیے متعدد قرینے موجود ہیں۔

اول یہ کہ مستند روایات کے مطابق خیبر کے قلعوں کے چھ گروپوں (مجموعوں) میں یہودی افواج کی تعداد دس ہزار نفوس بیان کی گئی ہے جو ہر طرح سے تربیت یافتہ، مسلح اور کیل کانٹے سے لیس تھی۔ یعقوبی کی شاذ روایت کے مطابق یہودی سپاہ کی تعداد بیس ہزار تھی مگر اس کو مستند نہیں سمجھا جاتا۔

Marfat.com

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ خیبر کے صرف چند قلعے ہی فتح کیے گئے تھے اور بقیہ نے صلح کے معاہدے کے تحت خود سپردگی کی تھی۔ تیسرے یہ کہ تمام یہودی ہتھیار مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں آئے تھے کیونکہ خود سپردگی اور ہتھیار ڈالنے کے معاہدے میں اسلحہ اور ہتھیار حوالے کرنے کا ذکر نہیں ملتا جیسا کہ مدنی یہودی قبیلوں، بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کے معاہدوں کے حوالے سے مآخذ میں آتا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ خیبر سے ملنے والے یہودی ہتھیاروں سے ایک چھوٹی فوج کو بآسانی لیس کیا جاسکتا تھا۔

مویشی:

خیبر کے مختلف قلعوں سے مویشیوں پر مشتمل مال غنیمت بھی کافی مقدار میں ملا تھا۔ قلعہ الصعب بن معاذ کے بارے میں صراحت کی گئی ہے کہ دوسرے سامان کے علاوہ مویشیوں میں گائیں، بھیڑ بکریاں اور گدھے بھی ہاتھ آئے تھے۔ مگر ان کی تعداد کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح بلا تعیین تعداد قلعہ ابی سے مویشی کی غنیمت ملنے کا ذکر آیا ہے۔ غالباً دوسرے قلعوں سے جانوروں کی خاصی تعداد حاصل ہوئی تھی۔ دوسرے قلعوں سے خاص کر قلعہ سلالم سے چارہ کا بہت بڑا ذخیرہ ملا تھا جو مویشیوں اور اونٹوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے ایک بڑی مدت تک کفایت کرسکتا تھا۔

سامان رسد:

چونکہ خیبر کے یہودیوں نے قلعہ بند ہوکر لڑنے کا فیصلہ کر رکھا تھا تو اس لیے انہوں نے کھانے پینے کی چیزوں اور دوسرے سامان رسد کی بہت بڑی مقدار جمع کر رکھی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کو مختلف قلعوں سے بہت زیادہ سامان رسد ملا۔ ''شراب ناب'' کا ایک بڑا ذخیرہ قلعہ الصعب بن معاذ سے ملا، جسے ضائع کر دیا گیا مگر ان کے برتن رکھ لیے گئے۔ کھانے پینے کی دوسری چیزوں میں جو، گھی، شہد، تیل، مکھن اور کئی دوسری اشیاء شامل تھیں۔ قلعہ ابی نامی سے پکا ہوا کھانا اور غلہ کافی مقدار میں ملا تھا، لیکن روایات سے بہرحال یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں کا ذخیرہ کردہ تمام سامان رسد مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں آیا تھا کیونکہ قلعہ ابی تو بہت چھوٹا تھا جہاں سپاہ بھی کم تھی اور ان کا سامان رسد بھی۔ البتہ قلعہ الصعب بن معاذ سے اس کی زیادہ مقدار ہاتھ لگی تھی لیکن وہ بھی تمام ذخیرہ پر مشتمل نہ تھی، پھر یہودی سپاہ اور افسر صورت حال ناخوشگوار پاتے تو قلعہ چھوڑنے سے پہلے اس کا مال ومتاع دوسرے محفوظ قلعوں میں منتقل کر دیتے تھے۔

گھریلو سامان:

خیبر کے متعدد مفتوحہ قلعوں سے گھریلو استعمال کی بہت بڑی مقدار بھی غنیمت میں ملی تھی ان میں اثاث (سامان ضرورت) کے عمومی ذکر کے علاوہ متعدد چیزوں کا خاص بیان موجود ہے۔ چمڑے کی چٹائیوں کے علاوہ سونے چاندی، تانبے اور مٹی کے برتن کا حوالہ ہے۔ اوپر شراب کے مٹکوں اور برتنوں کا حوالہ آچکا ہے۔ قلعہ الصعب بن معاذ سے بیس تھان یمنی زردوزی کے کام والے، ریشمی کپڑے اور پندرہ سو چادریں بھی ملی تھیں۔ ان کے علاوہ بعض دوسری گھریلو چیزیں بھی تھیں۔ قلعہ الکتیبہ میں کپڑے اور دوسرا قیمتی ساز وسامان بھی پایا گیا تھا اور یہ سامان بعض دوسرے مفتوحہ قلعوں سے بھی ملا تھا۔ بقیہ قلعوں کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔

Marfat.com

زیورات اور نقدی:

اموال غنیمت میں طلائی اور نقرئی سکے اور زیورات کے علاوہ بعض مدفون خزینے اور دفینے بھی شامل تھے۔ایک یہودی خاندان بنوابی الحقیق کا گراں بہا دفینہ قلعہ سلالم میں پایا گیا جس میں کنگن، کڑے، پازیبیں، چھوٹی انگوٹھیاں، بڑی انگوٹھیاں، بچھوٹے، سونے کی بالیاں، موتیوں کے ہار اور دینار و درہم پر مشتمل خاصی بڑی مقدار تھی۔

قلعہ الصعب بن معاذ میں موتی و مانگے بھی کافی مقدار میں ملے تھے۔ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس مسلم عورتوں کو دیناروں کا عطیہ دیا گیا تھا جو خیبر کے اموال غنیمت کا حصہ تھا۔

قیدی:

خیبر کے مختلف قلعوں سے یہودی اور عرب قیدیوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مال غنیمت میں مسلمانوں کو ملی تھی۔ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو ایک باندی بطور غنیمت ملی تھی جسے مدینہ کے ایک یہودی مہاجن کے ہاتھ کافی بڑی قیمت پر بیچ دیا تھا۔قلعہ الشق کے تمام یہودی خاندانوں یا عورتوں بچوں اور قلعہ الصعب بن معاذ کے بعض سپاہیوں کو قیدی بنالیا گیا جب کہ ان کی ایک بڑی تعداد کو قلعہ الزبیری میں پناہ لینے کا موقع دیا گیا تھا۔بعد میں قلعہ الزبیر کی فتح کے بعد ان میں سے کئی کو غالباً قید بھی کرلیا گیا تھا، لیکن واقدی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ النزار کے مجموعہ میں پائے جانے والے یہودی بچوں، عورتوں اور سپاہیوں کو قید کیا گیا تھا لیکن العطاۃ اور الشق کے قلعہ جات کے مجموعہ میں ایسا نہیں کیا گیا تھا۔

کنانہ بن ابی الحقیق اور اس کے بھائی کے خاندان کو قیدی ضرور بنالیا گیا تھا جو الکتیبہ کے مجموعہ کے ایک قلعہ سلالم میں ملے تھے۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی ایک چچازاد بہن قید کی گئی تھیں۔بعد میں حضرت صفیہ رضیہ اللہ عنہا کو آزاد کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی سعادت ملی تو دو ہزار قیدیوں کو بلا معاوضہ رہا کر دیا گیا۔

عمومی تبصرہ:

اگرچہ ہم نے وضاحت کی خاطر خیبر کے اموال غنیمت کو مختلف خانوں میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے تاہم مآخذ کی روایات میں ان کا ملا جلا بیان ملتا ہے۔واقدی کے مطابق مسلم فاتحوں نے گھریلو سامان، ریشمی کپڑوں، چادروں، ہتھیار، مویشیوں، سامان رسد اور چمڑے کی چادروں، چٹائیوں پر مشتمل مال غنیمت پایا تھا۔ایسی ہی روایات بعض دوسرے مآخذ میں بھی ملتی ہیں۔

مآخذ میں کچھ ایسی روایات ملتی ہیں جو خیبر کے یہودی ذخیروں کے مختلف قلعوں میں جمع کرنے اور ایک سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور خود سپردگی یا فرار کے عالم میں ان کو دفن کرنے کی حکمت عملی کو واضح کرتی ہیں مگر اسی کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ لگنے والے اموال غنیمت کی مجموعی تصریح بھی کرتی ہیں۔مثلاً: واقدی کی ایک اور روایت ہے کہ یہود خیبر نے اگر سب نہیں تو بیشتر ہتھیار، غذائی اجناس یا سامان رسد، روغنیات اور محاصرہ شکن آلات یعنی منجنیق و دبابہ وغیرہ متعدد قلعوں، خاص طور سے قلعہ العطاۃ میں اکٹھے کر لیے تھے، جب وہ مسلم فتوحات سے خوفزدہ ہوئے اور قلعہ العطاۃ کے زوال کا خطرہ سر پر منڈلانے لگا تو انہوں نے نہ صرف قلعہ الشق میں پناہ لی جہاں انہوں نے پہلے سے اپنے اہل عیال کو رکھ چھوڑا تھا بلکہ تمام ہتھیار اور آلات حرب کے خاص قسم کے غاروں میں دفن کر گئے تاکہ فتح کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگیں،

Marfat.com

لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ قلعہ الطاۃ فتح ہونے کے بعد ایک یہودی قیدی نے تمام مدفون خزینوں کی نشاندہی کر دی اور وہ سارا مال مسلم حقداروں کو مل گیا۔ ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر سے غذائی اجناس اتنی مقدار میں ملی تھیں کہ چودہ سو سپاہ پر مشتمل مسلم فوج کے ایک ماہ کے قیام خیبر کے دوران ان کی ضرورت کے لیے کافی ہوئی تھی۔

بہر حال اس امر کا قوی امکان ہے کہ خیبر کے مال غنیمت میں بعض دوسری چیزیں بھی شامل تھیں جو ہمارے ابتدائی مؤلفین سیرت اور تاریخ دانوں کی نظر سے چوک گئیں۔ اس امکان سے قطع نظر مذکورہ بالا اموال غنیمت کی مختلف النوع حیثیت ان کی وسیع مالیت کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

خیبر کے اموال غنیمت کے بارے میں ایک اہم عمومی تبصرہ ان کی تقسیم یا عدم تقسیم سے متعلق ہے۔ ہمارے تقریباً تمام مآخذ یا واضح طور سے بیان کرتے ہیں کہ ہتھیار، غذائی اجناس، چارہ اور چمڑے کی چٹائیاں مسلم مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئی تھیں۔ دوران جنگ ان کو جتنے ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی وہ صاحب المغانم (اموال غنیمت کے افسر اعلیٰ) یا ریاستی حربی ذخیرہ سے مستعار لیتے، ضرورت ختم ہونے پر ان کو واپس ذخیرہ حربی میں جمع کرا دیتے۔ اس ضمن میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ انتظام وقتی تھا یا مستقل۔ آیا ہتھیاروں کو بعض دوسرے غزوات کی مانند دوسرے اموال غنیمت کے ساتھ مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تھا یا ان کو اسلامی حکومت و ریاست یا امت اسلامی کی مجموعی ملکیت قرار دیا گیا تھا اور استعمال کے بعد سرکاری بیت المال میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ اندازہ یہی ہے اور بعض قرآئن و اشارات سے اس کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ خاتمہ کے بعد ہتھیاروں کو بھی خیبر کے غزوہ کے شریک مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہمارے مآخذ میں ابھی تک کوئی ایسا قرینہ یا حوالہ نہیں مل سکا ہے جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ عہد نبوی میں اسلامی ریاست کا اپنا کوئی سرکاری حربی ذخیرہ تھا جو وقت ضرورت مسلم مجاہدین کی آلات حرب کی ضرورت کی کفالت کرتا ہو۔

خیبر کے اموال غنیمت کا تخمینہ:

اگرچہ خیبر کے اموال غنیمت کا بالکل صحیح تخمینہ لگانا مشکل ہے تاہم ناممکن نہیں کیونکہ خوش قسمتی سے مآخذ میں کچھ ایسی روایات و اشارات ملتے ہیں جو ایک موٹا اندازہ لگانے میں ہماری معاونت کرتے ہیں۔ واقدی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہسوار مسلم مجاہد کا حصہ غنیمت ساڑھے گیارہ دینار یا ایک سو اڑتالیس درہم تھا جبکہ ایک پیادہ فوجی کا حصہ اس کا ایک تہائی تھا۔

ابن اسحاق کے حساب یعنی ''عرض'' کے مطابق ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی وہ تعداد جس میں خیبر کی اراضی تقسیم کی گئی اور جس میں سوار و پیادہ دونوں شامل تھے، اٹھارہ سو تھی۔ ان میں چودہ سو پیادہ تھے اور دو سو سوار۔

اس بنیاد پر تقسیم ہونے والے تمام اموال غنیمت کے تمام حصوں (غیر منقولہ جائیداد) کی مالیت سات ہزار نو سو دینار ہوتی ہے۔ یعنی کل مالیت چورانوے ہزار آٹھ سو درہم (94800) اور کل منقولہ اموال غنیمت کی جن میں اسلامی ریاست کا خمس اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی بھی شامل تھی، کل مالیت دس ہزار دینار (ایک لاکھ بیس ہزار درہم) بنتی ہے۔

اس تخمینہ میں ہتھیاروں، غذائی اجناس یا سامان رسد، چارے اور غالباً چمڑے کی چٹائیوں کی قیمت شامل نہیں ہے۔ اگرچہ ان کی قیمت کا تخمینہ آسان نہیں ہے تاہم پانچ ہزار دینار (ساٹھ ہزار درہم) کی رقم کا اندازہ مناسب تخمینہ معلوم

Marfat.com

ہوتا ہے کیونکہ اس کے لگ بھگ بلکہ اس سے کہیں کم اجتماعی قیمت یا مالیت رہی ہوگی۔ ان اعداد وشمار کی بنا پر ہم کسی قدر قطعیت کے ساتھ کہتے ہیں کہ دوسرے غزوات وسرایا کے مقابلہ میں غزوۂ خیبر کے اموال غنیمت بہت زیادہ تھے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ مسلم مجاہدین اور شرکائے جنگ کی روز افزوں تعداد کے لحاظ سے بھی کثیر اور وقیع تھے یا نہیں۔

اگر چہ غزوۂ خیبر کے اموال غنیمت سے متعلق تمام روایات بھی ہیں جن کو اس موقع پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا تعلق روایات کے اختلاف یا مؤرخین کا نقطہ ہائے نظر کے اختلاف سے ہے۔ ہمارے ابتدائی مآخذ میں شہسوار اور پیادہ سپاہی کے حصہ غنیمت کے باہمی تناسب سے متعلق روایات مختلف ملتی ہیں۔ خیبر کے ضمن میں جیسا کہ ہم نے اوپر ملاحظہ کیا دونوں کے حصوں میں ایک اور تین کا تناسب تھا یعنی پیادہ کے ایک حصہ کے مقابلہ میں شہسوار کو تین حصے ملے تھے، ایک اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے، لیکن بعض روایات ایسی ہیں جن کا اصرار ہے کہ ان کے باہمی حصوں میں ایک اور دو ہی کا فرق تھا یعنی شہسوار کو پیادہ کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملتا تھا، یعنی ایک حصہ سپاہی کا اور ایک حصہ اس کے گھوڑے کا۔

اگر اول الذکر اصول/روایت کے مطابق خیبر کے اموال غنیمت میں سوار و پیادہ کے حصے مقرر کیے جائیں تو تمام منقولہ مال غنیمت کی مالیت میں تقریباً سولہ ہزار درہم کا اضافہ ہو جائے گا اور کل مالیت کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ درہم کے قریب ہوگا اور مجموعی مالیت کا میزان دو لاکھ درہم سے متجاوز ہو جائے گا۔ مگر یہاں دو اشکالات کا سامنا ہے۔

اول یہ کہ اس تخمینہ کا سارا دارو مدار محض ظن وگمان پر ہے، جب کہ پہلے حساب کی بنیاد ایک مضبوط روایت پر قائم ہے۔

دوم یہ کہ سوار و پیادہ کے حصوں میں تین اور ایک کا فرق بعض غزوات وسرایا خصوصاً ابتدائی مہموں میں ملحوظ رکھا گیا تھا تاکہ سوار فوج کی ترقی ہو اور مجاہدوں کو گھوڑوں کی خریداری یا حصول کے لیے ایک وجہ ترغیب فراہم کی جائے۔ جب اس ''سرکاری حوصلہ افزائی'' کی پالیسی سے سوار فوج کی طاقت خاطر خواہ بن گئی تو سوار و پیادہ کے حصوں کے فرق کو تین اور ایک گھٹا کر دو اور ایک کر دیا گیا، لیکن یہ دلیل اس وقت قبول کی جا سکتی ہے جب اس کا وقت معلوم ہو اور خیبر کے حوالے سے اس کا پتہ لگانا مشکل ہے۔

خیبر کی پیداواری مالیت:

خیبر کی فے اراضی جس کو اصطلاح میں اموال بھی کہا جاتا ہے، کھجور کے باغات، اناج اور سبزی کے کھیتوں پر مشتمل تھی۔ مالیت اور مستقل نفع کے اعتبار سے بلاشبہ غنیمت کا سب سے قیمتی جز وتھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر سے جو معاہدہ صلح کیا تھا اس کے مطابق تمام اراضی انہی کے قبضہ وتصرف میں چھوڑ دی گئی، مگر اس کی ملکیت اسلامی قانون کے مطابق مسلم مجاہدین اور اسلامی حکومت کی قرار دی گئی تھی۔ اس معاہدے کی دوسری شق یہ تھی کہ وہ اس مسلم مفتوحہ ومملوکہ اراضی پر ایمانداری اور محنت کے ساتھ کاشت کرتے رہیں گے اور کل پیداوار کو مسلم مالکوں اور یہودی کاشت کاروں میں آدھا آدھا بانٹ دیا جائے گا، جسے بٹائی یا شراکت کا اصول قائم کر دیا گیا تھا۔ یہودی کاشکاروں کو ان کی محنت اور بیج وغیرہ کے عوض آدھا حصہ ملتا تھا اور مسلم مجاہدین/مالکوں اور اسلامی ریاست کو ان کی حق ملکیت کے سبب دوسرا آدھا حصہ ملتا تھا۔

Marfat.com

مآخذ میں خیبر کی کل پیداوار کا ذکر بڑی قطعیت کے ساتھ ملتا ہے۔اس کے مطابق پیداوار یا فصلوں کی تفصیل یوں ہے:

1: کھجور (تمر) چالیس ہزار وسق۔ 2: جو (شعیر) پندرہ ہزار صاع۔

3: نوی (گٹھلی) پانچ ہزار صاع۔

اس میں سے مسلم حصہ آدھا تھا یعنی بیس ہزار وسق کھجور، ساڑھے سات ہزار صاع جو اور ڈھائی ہزار صاع نوی۔ بقول مورخین قلعہ الکتیبہ کی نصف پیداوار اسلامی ریاست کے خمس میں آتی تھی۔اس کی کل پیداوار تھی، آٹھ ہزار وسق کھجور، تین ہزار صاع جو اور ایک ہزار صاع نوی۔اس پانچویں حصے کو ضرب دی جائے تو کل پیداوار کا میزان وہ آتا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔شق، نطاۃ وغیرہ دوسرے قلعے اور ان کی پیداوار نصف نصف مسلمان مجاہدوں اور یہودی کاشتکاروں میں تقسیم ہوتی تھی۔

ایک بار پھر ہمیں زمینی پیداوار اور کل مفتوحہ اراضی کی مالیت متعین کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں، مگر خوش قسمتی سے غزوۂ خیبر کے حوالے سے مآخذ میں کئی ایسے قرینے، اشارے اور حوالے مل جاتے ہیں جو غیر منقولہ اراضی کے حصص کی قیمت اور اس کی بنیاد پر کل اراضی کی مالیت متعین کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غفار کے ایک مجاہد کا حصہ غنیمت جو اموال منقولہ اور جائیداد غیر منقولہ دونوں میں اس کے سہم پر مشتمل تھا، دو اونٹوں کے عوض خرید لیا تھا۔ایک دوسری دلچسپ روایت سے خیبر میں ملنے والے اونٹوں کی قیمت کے تعین میں مدد ملتی ہے۔اس کے مطابق خیبر کے خمس میں سے ایک اونٹ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیہ مجاہدہ حضرت ام سنان رضی اللہ عنہا کو جو بنو اسلم کی فرد اور ایک ماہر طبیب و جراح تھیں اور اسی حیثیت سے غزوۂ خیبر میں شریک ہوئی تھیں بطور تحفہ / انعام عطا فرمایا تھا کہ خواتین کو غنیمت سے حصہ نہیں بلکہ انعام و عطیہ ملتا تھا۔صحابیہ موصوفہ نے خیبر سے واپسی پر وہ اونٹ سات دینار یا چوراسی درہم میں فروخت کر دیا تھا۔غزوۂ خیبر میں شریک ایک اور مجاہد حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ بن عبید کو بطور حصہ غنیمت ایک ہار (قلادہ) ملا تھا جس کو انہوں نے نے آٹھ دینار یا چھیانوے درہم میں بیچ دیا تھا۔ان میں سب سے زیادہ واضح، اہم اور دلچسپ روایت حضرت غزیہ بن عمرو انصاری سے متعلق ہے جس کے مطابق انہوں نے خلافت عثمانی میں کسی وقت قلعہ الشق میں واقع کسی کے تین حصے صرف تیس دینار یعنی تین سو ساٹھ درہم میں خرید لیے تھے۔

ان تمام روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک مسلم معیاری حصہ غنیمت کی مالیت سات سے دس دینار تک تھی۔احتیاط کے طور پر ہم آخری حد کو اختیار کر لیتے ہیں یعنی ایک معیاری حصہ دس دینار کا تھا جو ایک سو بیس درہم کے مساوی تھا۔اگر اس بنیاد پر اموال خیبر کے تمام اٹھارہ سو مسلم حصوں کی مالیت متعین کریں تو وہ اٹھارہ ہزار دینار یا دو لاکھ سولہ ہزار درہم بنتی ہے۔اس میں خمس کی قیمت یا مالیت چار ہزار پانچ سو دینار اور چون ہزار درہم جوڑے جائیں تو خیبر سے حاصل ہونے والی غنیمت کے تمام حصوں، خمس اور صفی وغیرہ کی مجموعی مالیت بائیس ہزار پانچ سو دینار یا دو لاکھ ستر ہزار درہم بنتی ہے۔

بعض دوسرے فوائد یا حساب میں کمی بیشی یا نقص وغیرہ کے احتمالات کو بھی مدنظر رکھا جائے تو مجموعی مالیت کل پچیس

Marfat.com

ہزار دینار یا تین لاکھ درہم بہ آسانی متعین کی جاسکتی ہے۔ یہ اپنی جگہ محتاط و موزوں تخمینہ ہونے کے علاوہ اس معاوضہ سے بھی لگاؤ کھاتا ہے جو خلافت فاروقی میں یہود خیبر کو ان کی جلاوطنی کے بدلے ان کے نصف حصہ اراضی یا حصہ پیداوار کے عوض دربار خلافت سے دیا گیا تھا۔ بہر حال منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں پر مشتمل کل غنائم خیبر کی مالیت چالیس ہزار دینار یا چار لاکھ اسی ہزار درہم بنتی ہے جو ہر لحاظ سے قابل قبول ہے۔

خیبر کی نواحی بستیوں کی غنیمت:

نقد مال غنیمت کے اعتبار سے اس برس کی بقیہ مہمیں زیادہ اہم نہ تھیں لیکن اراضی یا غیر منقولہ جائیدادوں کے لحاظ سے بعض غزوات خیبر کی طرح کافی مالدار ثابت ہوئے' اگرچہ ان کے اموال کافی کم تھے۔ ان میں خاص مہمیں فدک، لیتما، اور وادی القریٰ کی نواحی بستیاں تھیں جو غزوۂ خیبر کے معاً بعد اسلامی ریاست کے قبضہ میں آئیں۔ بقیہ نجد، فدک، میفعہ اور الجناب کے چار سرایا تھے اور مؤخر الذکر تقریباً مال غنیمت سے خالی تھے۔

فتح مکہ

(رمضان المبارک ۸ ہجری بمطابق جنوری ۶۳۰ء)

اللہ تعالیٰ نے اسی سورۂ فتح میں ارشاد فرمایا:

((واخری لم قدروا علیها قد احاط الله بها))

''اللہ تعالیٰ نے دوسری بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں جنہیں مسلمان حاصل نہیں کر سکتے تھے لیکن وہ سب اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں تھیں۔''

مفسرین نے ان دوسری نعمتوں میں ''فتح مکہ'' کے علاوہ ان تمام فتوحات کو شامل کیا ہے جو روم اور ایران پر مسلمانوں نے حاصل کیں۔ بظاہر آسانی سے مسلمان مکے پر قبضہ نہیں کر سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال تھی تو پھر جدال و قتال کے بغیر ہی وہ اسلامی ریاست کا ایک حصہ بن گیا۔ صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت ایسی تاریخی فتح کے لئے ماحول سازگار ہو گیا تھا۔ صلح نامہ حدیبیہ کی رو سے ہر قبیلے کو اختیار مل گیا تھا کہ وہ بنو قریش اور امت مسلمہ میں سے کسی فریق کے حلیف و اتحادی بن سکتے تھے۔ اس شرط سے فائدہ اٹھا کر بنو بکر، بنو قریش کے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ بنو بکر اور بنو خزاعہ میں عرصے سے قبائلی دشمنی چلی آ رہی تھی، لیکن اس معاہدے کے مطابق ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ پھر بھی بنو بکر و بنو قریش دونوں مل کر اسی مذموم حرکت کے مرتکب ہو گئے۔ انہوں نے دھوکے سے چھاپے مار کر بنو خزاعہ کے سوتے ہوئے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ کچھ نے جان بچا کر حرم کعبہ میں پناہ لی مگر وہاں بھی ظالموں نے انہیں نہیں چھوڑا تو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی۔ آپ نے بنو قریش سے کہا کہ وہ قاتلوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں یا پھر خون بہا ادا کریں، ورنہ صلح نامہ حدیبیہ کو منسوخ سمجھا جائے گا۔ بنو قریش نے نہ تو خون بہا ادا کیا اور نہ ہی بنو بکر کا

Marfat.com

ساتھ چھوڑا۔اس لیے آپ نے مکے پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیا۔

''فتح مکہ'' کے بعد فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔معرکہ حنین و طائف میں ہوازن وثقیف کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ دوسرے قبیلوں نے آپ کی خدمت میں اپنے نمائندے بھیج کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔اس کے بعد رومیوں اور ایرانیوں سے بھی جنگ شروع ہوگئی اور مسلمانوں نے انہیں پے در پے شکست دے کر بیس سال کے قلیل عرصے میں عراق، ایران، مصر، شام اور فلسطین فتح کر لیے۔

وفود کی آمد (آٹھ تا دس ہجری):

قبیلوں پر صلح نامہ حدیبیہ کا نفسیاتی اثر بہت ہی گہرا پڑا۔عرب کے گوشے گوشے سے وفد پروانہ امن حاصل کرنے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔دوستانہ تعلقات استوار ہونے کی وجہ سے ان میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔فتح مکہ کے وقت گھر گھر میں اسلام کی کرنیں پھیل چکی تھیں اور ہر قبیلے میں مسلمانوں کی جماعت قائم ہو چکی تھی۔جن قبیلوں نے آپ سے سمجھوتہ کرلیا تھا ان میں مزینہ، سلیم، اسلم، غفار، جہینہ، اشجعہ، خزاعہ، ضمرہ، لیث اور سعد بن بکر وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ مروی ہے کہ یہ سب فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ساتھ تھے۔

پڑوسی طاقتوں کو دعوت اسلام (محرم ۷ ہجری مطابق مئی ۶۲۸ء):

صلح نامہ حدیبیہ کے بعد قریش کی جارحانہ سرگرمیاں بند ہوگئیں تو آپ نے عرب کی ریاستوں اور پڑوسی ملکوں میں اسلام کا پیغام بھیجا۔آپ نے بحرین، عمان، یمامہ، یمن، حبشہ، مصر، ایران اور شام کے امیروں اور بادشاہوں کو خطوط لکھے اور انہیں اسلام سے روشناس کرایا۔صلح نامہ حدیبیہ کے بعد اس اقدام سے عظیم انقلاب برپا ہوگیا۔اس نے نئے دین سے آراستہ چھوٹی سی امت کو نہ صرف سارے عرب پر غالب کر دیا بلکہ اسے دنیا کی عظیم طاقتوں میں روشناس ہونے کا موقع مل گیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ واپس آنے پر صلح نامہ حدیبیہ کے بعد اس لیے اس عالمگیر خواہش کی تکمیل چاہی کہ آپ کا دین اقوام عالم کو اپنی آغوش میں لے لے۔آپ نے ہمسایہ تاجداروں کو دعوت اسلام دینے کیلئے اپنے سفیر بھیجے۔

شامی سرحد پر ان سفیروں کو لوٹا گیا اور ان میں سے کچھ تو شہید بھی ہو گئے، اس لیے آپ نے مجبور ہو کر ظالموں کو سزا دینے کیلئے مجاہدوں کو بھیجا، لیکن ان سے مقابلوں میں رومیوں نے مجرموں کا ساتھ دیا اور غزوہ موتہ وغزوہ تبوک میں رومی شہنشاہ نے اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔اس لیے رومیوں اور مسلمانوں میں تصادم ناگزیر ہوگیا۔یہی حالت ایرانی سرحد پر پیدا ہوگئی اور مسلمانوں کو فارس کی ساسانی مملکت سے ٹکر لینا پڑی۔

اس طرح اس زمانے کی مانی ہوئی دو طاقتوں سے مسلمانوں نے مقابلہ کیا اور انہیں شکست دے کر عراق، ایران، مصر، شام اور فلسطین کو اسلامی ریاست میں مدغم کرلیا۔

مخلفون کی جماعت:

منافقوں نے ان مہموں میں شرکت نہیں کی جہاں انہیں مال غنیمت ملنے کا امکان نظر نہیں آیا۔اسی پالیسی کے مطابق وہ عمرہ ادا کرنے کیلئے آپ کے ساتھ مکہ مکرمہ نہیں گئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں ایسے منافقوں کو مخلفون کے نام سے

Marfat.com

پکارا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((سیقول لك المخلفون من الاعراب شغلتنا اموالنا واهلنا فاستغفرلنا))

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا راز فاش کر دیا کہ آپ کا ساتھ چھوڑنے والے ''اعرابی مخلفون'' آپ سے کہیں گے کہ ''مال و دولت اور اہل وعیال کی نگہداشت کی وجہ سے وہ آپ کے ساتھ نہیں جا سکے اس لیے انہیں معاف کر دیا جائے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں، وہ تو محض عذر بہانہ تلاش کر کے آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

اسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لا خزوها ذرونا نتبعكم تریدون ان یبدلو ا كلم الله قل لن تتبعونا كذلكم قال الله من قبل فسیقولون بل حسدو ننا بل كانوا لا یفقهون الا قلیلا))

''جب آپ مغانم لینے جائیں گے تو مخلفون بھی کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے۔ وہ تو اللہ کی بات کو بدلنا چاہتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے۔ اللہ نے تو پہلے سے ہی اس کی خبر دے دی ہے۔ پھر وہ کہنے لگیں گے کہ آپ تو ہم سے حسد کرتے ہیں۔ اصلی بات تو یہ ہے کہ وہ نہایت ہی کم سمجھ ہیں۔''

پھر جب وہ اپنے کیے پر بہت ہی زیادہ پشیمان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمادیا:

((قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونهم او یسلمون فان تطیعوا یوتكم الله..... یعدبكم عذابا الیما))

''آپ مخلفون سے کہہ دیجئے کہ تمہیں سخت جنگ جو قوم سے لڑنے کیلئے بھیجا جائے گا تو تم ان سے آخر دم تک لڑو گے یا پھر وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ تو اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا اجر عطا کرے گا اور اگر تم پہلے کی طرح منہ پھیر لو گے تو پھر تم پر دردناک عذاب نازل ہوگا۔''

مذکورہ آیات میں جنگ جو قوم (اولی باس) سے ہوازن وثقیف یا ایران وروم کی عظیم طاقتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس کے خیال میں اس سے اہل فارس مراد ہیں۔

حضرت عمر فاروق نے لڑنے کیلئے ان ''مخلفون'' کو دعوت بھی دی تھی۔ الغرض صلح نامہ حدیبیہ کا فوری اور دوررس نتیجہ یہ نکلا کہ قریش نے مسلمانوں کو ایک الگ قوم یا ملت تسلیم کر لیا اور انہیں اپنے دین کے مطابق خانہ کعبہ کی زیارت کا حق مل گیا۔ یہی سب سے بڑی فتح تھی جو حق کو باطل پر حاصل ہوئی اور اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ثابت ہو

Marfat.com

گیا۔اللہ تعالیٰ نے تو خود اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا:

((لقد صدق الله رسوله الرء يا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين مخلقين رؤسكم و مقصرين لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلك فتحا قريبا))

''بے شک اللہ نے رسول کو سچا اور صحیح خواب دکھایا۔اگر اللہ نے چاہا تو تم سب ضرور مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے اپنے سر منڈواؤ گے، بال کتراؤ گے اور کسی طرح کا خوف محسوس نہیں کرو گے۔ جو بات تم نہیں جانتے تھے، وہ اسے معلوم تھی تو اسی نے اس سے بہت ہی پہلے جلدی سے فتح عطا فرما دی۔''

اس طرح صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت ملت مسلمہ کو جو جو عسکری و معاشی فوائد حاصل ہوئے انہیں مستشرقین نے معجزاتی کرشمہ قرار دیا۔

ویٹ اور دیگر غیر متعصب مغربی مورخین نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ آپ نے غیر متزلزل ایمان وایقان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل وتنفیذ میں عزم صمیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے صلح نامہ حدیبیہ کے تحت مشرکوں کو نا قابل تلافی حد تک زد پہنچائی اور اسلام دینی وسیاسی قوت بن کر ساری دنیا پر چھا گیا۔

مکہ مکرمہ کی فتح:

ہجرت نبوی کے بعد ''مکہ مکرمہ'' سارے عرب میں اسلام کے خلاف فتنہ وفساد کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔ مکے کے سرمایہ پرست اور خود سر قریشی تاجروں نے اسلام کے خلاف تحریک شروع کی۔انہوں نے نہ صرف جارحیت سے کام لیا بلکہ یہودیوں اور کافروں کو اپنے ساتھ ملا کر اسلام کو مٹانے کیلئے سازشوں کا جال بچھا دیا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرکز کو توڑنے اور ان کے اتحادیوں کو منتشر کرنے کیلئے ٹھوس اقدامات اٹھائے۔صلح نامہ حدیبیہ کو اسی لیے سیاست نبوی کا شاہکار سمجھا جاتا ہے کہ اس کی بدولت قریش اور ان کے ساتھیوں کا متحدہ محاذ ٹوٹ گیا۔ان میں سے ہر ایک مفلوج و بے بس ہو کر رہ گیا اور آپ آسانی سے بھاری جمعیت کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے۔صلح نامہ حدیبیہ سے پہلے مسلمان چاروں طرف سے خطروں میں گھرے ہوئے تھے لیکن اس کے بعد دو سال کے عرصے ہی میں وہ اس قدر طاقتور ہو گئے کہ مکے سے مدینے تک کوئی قبیلہ بھی ان کے مقابلے میں آنے کی جرات نہیں کر سکا اور وہ لڑائی بھڑائی کے بغیر ہی مکے پر قابض ہو گئے۔

بنو بکر و بنو خزاعہ میں قبائلی عداوت:

اس طرح صلح نامہ حدیبیہ ہی فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔اسی صلح نامے سے فائدہ اٹھا کر بنو بکر و بنو خزاعہ بالترتیب بنو قریش اور مسلمانوں کے حلیف بن گئے تھے۔اس لیے معاہدے کے مطابق ان دونوں میں سے کوئی فریق بھی دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتا تھا۔مگر بنو بکر نے عہد شکنی کی اور یکا یک بنو خزاعہ پر دھاوا بول دیا۔ظالموں کو سزا دینے کیلئے آپ نے بنو قریش کے سامنے مطالبات پیش کیے مگر انہوں نے انہیں ٹھکرا دیا اور معاہدہ حدیبیہ کو توڑ ڈالا۔

Marfat.com

مجبور ہو کر آپ نے مکے پر حملہ کر دیا اور شہر والوں کو پروانہ امن عطا کر کے اسے اسلامی ریاست کا ایک حصہ بنا دیا۔

اس طرح بنو بکر و بنو خزاعہ کی پرانی دشمنی سے فتح مکہ کیلئے زمین ہموار ہوئی۔ دونوں میں دور جہالت ہی سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ ابن اسحاق کے مطابق مالک بن عباد حضرمی بنو بکر کے رئیس اسود بن رزن کا حلیف تھا۔ وہ تجارت کی غرض سے بنو خزاعہ کی بستی سے گزرا تو انہوں نے اس کا سامان لوٹ کر اسے قتل کر دیا۔ بنو بکر نے قصاص میں بنو خزاعہ کے آدمی کو مار ڈالا اور بنو خزاعہ نے بدلہ لینے کیلئے خود اسود کے بیٹوں سلمی، کلثوم اور ذویب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح دونوں میں انتقام و قصاص کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت یہ سلسلہ بظاہر بند ہو گیا تھا، لیکن بنو بکر نے موقع پاتے ہی بنو خزاعہ کے خون سے ہولی کھیلی اور انہیں جہاں پایا قتل کر ڈالا۔

بنو ہاشم کے خلاف بنو نوفل و بنو امیہ کا اتحاد:

عبدالمطلب کے دور میں قریش میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ بنو نوفل نے بنو امیہ اور بنو مخزوم کو ملا کر بنو ہاشم کے خلاف محاذ بنایا اور عبدالمطلب سے ہاشم کے سارے مکان چھین لیے۔ بنو امیہ، بنو مخزوم اور دوسرے خاندانوں نے عبدالمطلب کا ساتھ نہیں دیا، تو انہوں نے مجبور ہو کر اپنی والدہ کے خاندان بنو نجار سے مدد مانگی۔ ان کے رئیس ابو سعید بن عدس 80 سوار لے کر مدینے سے مکے آئے اور تلوار کے زور سے مکان حاصل کر کے عبدالمطلب کے حوالے کر دیئے۔ نوفل نے دب کر مکان تو دے دیئے مگر بنو ہاشم کے خلاف اور بھی مستعدی سے کام کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے بنو خزاعہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ دارالندوہ میں معاہدہ لکھا گیا اور دونوں نے مل کر بنو نوفل اور ان کے حامیوں کے مقابلے میں اپنا محاذ بنا لیا۔ مروی ہے کہ انہوں نے اسی پرانے معاہدے کا حوالہ دے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی اور وہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔

بنو بکر و بنو قریش دونوں کنانہ کی اولاد تھے۔ بنو خزاعہ نے عبدالمطلب کا ساتھ دیا تو بنو بکر ان کے حریف بنو نوفل و بنو امیہ سے مل گئے۔ صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر اسی اتحاد کی تجدید ہوئی اور بنو بکر نے بنو قریش سے معاہدہ کر لیا تا کہ دونوں مل کر بنو خزاعہ سے دل کھول کر انتقام لے سکیں۔ اس طرح بنو بکر و بنو خزاعہ کی پرانی دشمنی اور بنو ہاشم کے خلاف بنو نوفل، بنو امیہ اور بنو مخزوم کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے معاہدہ حدیبیہ دس سال تو کیا دو سال تک بھی برقرار نہیں رہا۔ بنو بکر کی خاطر بنو قریش نے معاہدہ توڑ دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے پر حملے کر کے اسے اسلامی ریاست میں شامل کر لیا۔

بنو خزاعہ کا قتل عام:

اسود بن رزن بنو بکر کے مشہور خاندان بنو الدیل کا رئیس تھا۔ ابن اسحاق کے مطابق اس کے گھرانے کو بنو بکر و بنو کنانہ میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ حتیٰ کہ دوسروں کے مقابلے میں ان کی دیت بھی دگنی تھی۔ اس لیے اس کے بیٹوں کا قصاص لینے کیلئے بنو بکر و بنو کنانہ متحد ہو گئے۔ ابھی وہ بنو خزاعہ سے انتقام لینے میں مشغول تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک و بت پرستی کے خلاف تبلیغ شروع کی۔ بنو قریش نے اسے اپنے آبائی مذہب پر حملہ تصور کیا اور آپ کے خلاف متحدہ محاذ تک بنا ڈالا۔ بنو بکر کا ایک شاعر تو آپ کے خلاف ہجویہ کلام پڑھتا تھا۔ بنو خزاعہ نے اس بدگو شاعر کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ تھیں۔ صلح نامہ حدیبیہ کی وجہ سے وہ قانونی طور سے مسلمانوں کے حلیف بن چکے

Marfat.com

تھے۔اس لیے بنوالدیل ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتے تھے، پھر بھی وہ باز نہیں آئے اور قریش سے خفیہ معاہدہ کر کے انہوں نے اسلحہ حاصل کیا اور بنوخزاعہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔

اندھیری رات تھی۔بنوخزاعہ اپنی بستی ''وتیر'' میں چشمہ کے پاس سو رہے تھے کہ اچانک بنوالدیل (بنوبکر) اور بنوقریش نے مل کر ان پر دھاوا بول دیا۔ابن سعد کے مطابق بنوقریش کے بڑے بڑے سرغنہ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابوجہل اور بنوعامر کے دو آدمی بھیس بدل کر لڑ رہے تھے۔ان سب نے بنوخزاعہ کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے دل کھول کر بدلہ لیا۔ابن اسحاق کے مطابق بنوخزاعہ کے دو آدمی تمیم اور منبہ اسی رات ''وتیر'' میں تھے۔منبہ ضعیف العمر تھے۔اس لیے انہوں نے تمیم سے کہا:

''تم تو جان بچا کر بھاگ جاؤ، میں قریب المرگ ہوں، بچ گیا تو خیر، ورنہ مارا ہی تو جاؤں گا۔''

مروی ہے کہ تمیم جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے، مگر ظالموں نے منبہ کو نہیں بخشا اور انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بنوخزاعہ نے جان بچا کر مکے کا رخ کیا اور بدیل بن ورقاء اور ان کے غلام رافع کے گھروں میں پناہ لی۔ابن خلدون کے مطابق بنوالدیل کا رئیس نوفل بن معاویہ اپنے آدمیوں کو لے کر ان کے گھروں میں گھس گیا اور مظلوموں کو بے دریغ تہ تیغ کرنے لگا۔انہوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی تو وہاں بھی نہیں چھوڑا۔خود اس کے ساتھیوں نے حرم کا واسطہ دے کر کہا:

''الهك ! الهك!''

''نوفل! اللہ کے واسطے انہیں چھوڑ دو۔اب تو وہ ہم حرم میں آ گئے ہیں۔''

لیکن ظالموں نے جواب دیا:

''لا اله اليوم''

''آج تو اللہ بھی کوئی چیز نہیں۔انتقام لو، دل کھول کر بدلہ لو، کیا تم حرم کا پاس کر کے یہ سنہرا موقع ہاتھ سے جانے دو گے؟''

یہ سن کر انہوں نے تلواریں بلند کیں اور حرم میں گھس کر بنوخزاعہ کے خون سے ہولی کھیلنے لگے۔مذہبی وقومی روایات کے مطابق حرم میں خونریزی حرام تھی، لیکن نوفل نے اس کا احترام بھی نہیں کیا اور حرم کے اندر گھس کر خون بہانے سے بھی نہیں ہچکچایا۔اس طرح قومی روایات کے مطابق بنوبکر سنگین جرم کے مرتکب اور صلح نامہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کے ذمہ دار بھی ہوئے۔اس لیے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض اولین بن گیا۔

حالات جنگ:

اس برے کام میں قریش برابر سے شریک تھے۔دراصل انہوں نے ہی بنوبکر کو اکسایا، اسلحہ فراہم کیا اور بھیس بدل کر خزاعہ کے قتل عام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اس لیے صلح نامہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کے ذمہ دار وہی ٹھہرے۔سہیل، عکرمہ اور صفوان نے اہم کردار ادا کیا۔ممکن ہے کہ ابوجہل اس سازش سے واقف نہ ہو مگر مخزوم کی دو بڑی شخصیتوں، حارث بن ہشام اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ کو سارا حال پہلے ہی سے معلوم تھا۔

Marfat.com

کہا جاتا ہے کہ خزاعہ کے صرف چالیس آدمی زندہ بچے، باقی مارے گئے۔ابن اسحاق کے مطابق ان بچے کھچے مظلوموں کا پیغام لے کر عمرو بن سالم خزاعی دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں یہ منظوم عرض داشت پر درد الفاظ میں پیش کی:

یا رب ابی ناشد محمدا　　حلف ابینا وابیه الاتلدا
فانصر هذاك الله نصرا اعتدا　　وادع عباد الله یا تو مددا
فی فیلق کالبحر یجری مریدا　　ان قریشا اخلفوك الموعدا
و نقضوا میثاقك الموکذا　　وجعولوا لی فی کزاء رصدا
وزعموا ان لست ادعواحدا　　وهم اذل و اقل عددا
هم بیونا بالوتیر هجدا　　و قلونا رکعا و سجدا

''اے رب! میں محمد کو وہ پرانا معاہدہ یاد دلاتا ہوں، جو ہمارے باپ اور آپ کے باپ (عبدالمطلب) میں ہوا تھا۔ اے ہادی برحق! ہماری مدد پوری طرح کیجئے اور اللہ کے بندوں کو ہماری مدد کیلئے بلایئے۔ بحر زخار کی طرح طاقتور لشکر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، یقیناً قریش نے آپ سے کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ انہوں نے آپ سے کیے ہوئے مضبوط معاہدے کو توڑ ڈالا اور ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ کوئی بھی ہماری امداد کو نہیں آئے گا، حالانکہ وہ تو سب سے زیادہ حقیر اور تعداد میں سب سے کم ہیں۔ انہوں نے وتیر میں بحالت خواب ہم پر حملہ کر دیا اور ہمیں رکوع وسجود میں بھی قتل کر ڈالا۔''

بنوقریش کی غداری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوخزاعہ کی المناک داستان سنی اور وعدہ فرمایا کہ آپ ان کی مدد ضرور کریں گے۔ مروی ہے کہ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

''دیکھو! یہ بادل کے ٹکڑے بھی ان کی مدد کے لئے بے چین نظر آ رہے ہیں۔''

اسی کے بعد بدیل بن ورقاء کی قیادت میں بنوخزاعہ کا دوسرا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بدیل نے بنوقریش و بنوبکر کی دھوکے بازی اور ہٹ دھرمی کا سارا حال سنایا۔ المیہ وتیر کے حالات تفصیل سے معلوم ہوئے تو آپ اور بھی متفکر ہو گئے۔ زقانی کے مطابق آپ نے قریش کے پاس حضرت ضمرہ کو بھیجا اور مطالبہ کیا کہ تین شرطوں میں سے کوئی ایک فوراً قبول کی جائے:

1: بنوقریش بنوبکر کی حمایت سے فوراً دست بردار ہو جائیں۔
2: یا مقتولوں کا خون بہا (دیت) ادا کیا جائے۔
3: یا اعلان کر دیں کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا۔

Marfat.com

ان شرائط پر غور کرنے کیلئے زعمائے قریش دارالندوہ میں جمع ہو گئے۔ سہیل نے مشورہ دیا کہ پہلی شرط مان لی جائے مگر اکثریت نے مخالفت کی۔ انہوں نے کوتاہ نظری سے کام لے کر پہلی دو شرطوں کو ٹھکرا دیا۔ پھر ان کے نمائندے قرطہ بن عمرو نے قاصد رسول کو مطلع کر دیا کہ ''انہیں تو صرف تیسری اور آخری شرط منظور ہے۔''

اس طرح بنو خزاعہ کے قتل عام سے ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ خود بنو قریش نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑنے کا اعلان کر دیا۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ آپ قریش کے خلاف فوجی کارروائی کریں اور مکے کو اپنی تحویل میں لے لیں۔ اسی لیے ابن اسحاق لکھتے ہیں:

((كان ذلك مما هاج فتح مكة))

''اسی واقعہ نے ہیجان بپا کر دیا اور فتح مکہ کے لئے ماحول پیدا ہو گیا۔''

واقدی کے خیال میں بھی اسی المیے سے متاثر ہو کر آپ سے حملہ کر کے مکہ مکرمہ فتح کر لیا۔

ابن خلدون کے مطابق:

''یہی واقعہ ''فتح مکہ'' کا سبب بنا اور قریش کو اپنے کیے پر ندامت ہوئی۔''

ابوسفیان بارگاہ رسالت میں:

بعد میں بنو قریش نے محسوس کیا کہ دراصل حالات بہت ہی نازک ہو گئے ہیں۔ وہ کسی حالت میں بھی مسلمانوں سے جنگ نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اب حقیقت پر مبنی فیصلہ کیا اور ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لئے آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ وہ سیدھے اپنی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ کے پاس پہنچے، لیکن قرب رسول اللہ کی وجہ سے وہ اب ام المومنین تھیں اور ان کا مرتبہ مسلمانوں کی نظر میں بہت ہی اونچا تھا۔ اس لئے باپ کی آمد پر انہوں نے اسلامی شان کا مظاہرہ کیا اور فوراً فرش ہٹوا دیا۔ باپ نے اس اقدام پر اعتراض کیا تو انہوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا:

''مشرک و کافر اس فرش پر نہیں بیٹھ سکتے جو رسول کے قدموں سے متبرک ہو چکا ہے۔''

یہ سن کر ابوسفیان ناراض ہو گئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر تجدید معاہدہ کی درخواست پیش کی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور سیدہ فاطمہ کے پاس گئے مگر انہوں نے بھی بیچ میں پڑنے سے انکار کر دیا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر حضرت حسن کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے:

''اگر یہ صاحبزادے اپنی زبان سے صرف اتنا کہہ دیں کہ انہوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا ہے تو پھر یہ آج سے سردار عرب کے لقب سے مشہور ہو جائیں گے۔''

اس وقت حضرت حسن کی عمر پانچ سال تھی۔ اس لیے سیدہ فاطمہ نے فرمایا:

''بچے ایسے معاملات میں کیا دخل دے سکتے ہیں۔؟ یہ اختیار تو صرف اور صرف رسول اللہ ہی کو حاصل ہے۔''

آخر میں وہ حضرت علی سے ملے۔ انہوں نے کہا:

Marfat.com

''رسول اکرم جو کچھ طے کر چکے ہیں اس کے خلاف کوئی بھی مشورہ نہیں دے سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ تم مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دو کہ میں صلح نامہ حدیبیہ کو پھر سے بحال کرتا ہوں۔''

انہوں نے حضرت علی کے مشورے پر یہی کیا، مسجد نبوی میں جا کر ''رسم جوار'' ادا کی اور اعلان کر دیا کہ انہوں نے قریش کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی ہے، لیکن یہ تو یکطرفہ کارروائی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے اس اعلان کا خیر مقدم نہیں کیا اور وہ مایوس ہو کر واپس مکہ مکرمہ چلے گئے۔

سارے حالات سن کر قریش اور بھی پریشان ہوئے۔ انہوں نے کہا:

''یہ نہ تو صلح ہے کہ بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں اور نہ ہی اعلان جنگ ہے کہ لڑائی کی تیاری کی جائے۔''

ابن اسحاق کے مطابق لوگوں نے پورا واقعہ سن کر پوچھا:

''کیا محمد نے تمہاری تجویز کو قبول کر لیا؟''

انہوں نے جواب دیا:

''نہیں تو۔''

اس پر سب نے کہا:

''یہ تو علی نے تمہیں بیوقوف بنا دیا۔''

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کیلئے تیاری کا حکم دے دیا۔ حلیف قبیلوں کے پاس بھی پیغام بھیج دیا کہ وہ بھی تیار ہو کر آ جائیں، لیکن آپ نے یہ ساری کارروائی اس قدر خاموشی سے کی کہ کسی کو کانوں کان خبر لگنے نہیں دی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے مطابق خود ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ کو معلوم نہیں تھا کہ کس علاقے پر حملہ ہونے والا ہے۔ آپ نے خاص طور سے اس راستے کی ناکہ بندی کر دی جو مکے کی طرف جاتا تھا۔

حضرت حاطب معزز صحابی تھے اور غازیان بدر میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کے اہل و عیال مکے میں تھے، جن کا محافظ و سرپرست وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے قریش کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے ان کے نام ایک خط لکھا کہ ''فوجی تیاری زور و شور سے جاری ہے، ہو سکتا ہے کہ مکے پر حملہ ہو۔ اس لیے تمہیں خبردار کیا جاتا ہے۔'' انہوں نے یہ خط ''سارہ'' کنیز کو دے کر مکہ مکرمہ بھیج دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خبر دے دی گئی۔

ابن اسحاق کے مطابق آپ نے حضرت علی اور حضرت زبیر کو سارہ کے تعاقب میں روانہ کیا لیکن صحیحین کے مطابق ان کے ساتھ حضرت مقداد بھی گئے تھے۔ زرقانی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ انہوں نے خلیفہ یا روضہ خاک میں اسے جا پکڑا، تلاشی لی تو خط برآمد نہیں ہوا۔ عاجز آ کر انہوں نے سختی کی تو اس نے سر کی چوٹی کھولی اور اس میں سے خط نکال کر دیا۔ اس سنسنی خیز خبر سے صحابہ کرام حیرت میں پڑ گئے۔ حضرت عمر فاروق نے تو حضرت حاطب کے قتل کی اجازت بھی مانگی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا بجھا کر سب کو خاموش کر دیا۔

حضرت حاطب معرکہ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر کے گناہوں کو بخش دیا، اس لیے

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چشم پوشی سے کام لے کر انہیں معاف کر دیا۔ پھر حضرت کلثوم بن حصین بن عتبہ غفاری کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کر کے صحابہ کرام کے ہمراہ عازم سفر ہو گئے۔

مکہ مکرمہ پر فوج کشی (۱۰ رمضان ۸ ھ مطابق یکم جنوری ۶۳۰ء):

فوجی تیاری مکمل ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدوں کو لے کر دس رمضان کو مدینے سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں دوسرے قبیلے اپنی فوجوں کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ آخر کار اسلامی علم کے نیچے دس ہزار جواں مرد جمع ہو گئے۔ ''معرکہ احزاب'' میں قریش نے اپنے اتحادیوں کو لے کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کیلئے مدینے پر دھاوا بول دیا تھا۔ اب خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی خاطر، مظلوموں کی حمایت میں اور بت پرستی کے گڑھ کو توڑنے کیلئے اپنے ساتھیوں کو لے کر مکے پر چڑھائی کی۔ معرکہ احزاب میں میدان سے بھاگنے کے بعد بنو قریش کی ساکھ ختم اور ان کی فوجی طاقت زائل ہو چکی تھی۔ اس لیے بہت سے قبیلے آپ کی پناہ میں آ گئے اور موقع آیا تو آپ کی فوج میں شامل ہو کر فتح مکہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ واقدی اور ابن اسحاق کے مطابق مندرجہ ذیل قبیلوں نے اس موقع پر آپ کا ساتھ دیا تھا:

قبیلے کا نام	شرکاء کی تعداد
بنی سلیم	سات سو یا ایک ہزار
بنی غفار	چار سو
اسلم	چار سو
مزینہ	ایک ہزار تین سو
جہنیہ	نامعلوم
اشجعہ	نامعلوم
خزاعہ	نامعلوم
ضمرہ	نامعلوم
لیث	نامعلوم
اسعد بن بکر	نامعلوم
تمیم	نامعلوم
قیس	نامعلوم
اسد	نامعلوم

''معرکہ احزاب'' میں بنو قریش اور ان کے اتحادیوں کی فوج دس ہزار جوانوں پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ آپ کے ساتھ دس ہزار مجاہد امن و امان اور صلح و سلامتی کی فضا کے قیام کیلئے مکہ مکرمہ کی جانب عازم سفر تھے۔ مکے سے ایک دو منزل کے فاصلے پر ''مرالظہران'' میں کوکب رسالت نے پڑاؤ ڈال دیا۔ اس مقام سے مکہ مکرمہ اور طائف دونوں طرف

Marfat.com

راستے جاتے تھے۔اس لیے دشمن وہاں بھی اسلامی فوج کی منزل مقصود کا اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔آپ نے بھی اس قدر جزم واحتیاط سے کام لیا کہ اسلامی فوج ''مرالظہران'' پہنچ گئی اور بنوقریش بے خبر ہی رہے۔رات ہوئی تو آپ نے ہر ایک کو آگ جلانے کا حکم دے دیا۔یکا یک دس ہزار الاؤ روشن ہو گئے۔سارا میدان روشنی سے جگمگا اٹھا، مکے کے افق پر آگ کی سرخی پھیلی اور فضائے بسیط پر چھا گئی۔بنوقریش چونک اٹھے اور سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء شعلہ افشاں الاؤ کی سمت روانہ ہوئے اور ''مرالظہران'' پہنچ کر ٹھٹک گئے۔انہوں نے وہاں اسلامی فوج کو خیمہ زن پایا تو ان کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔

ہجرت عباس:

اب تک حضرت عباس مکے ہی میں مقیم تھے۔وہ سقایہ کے منصب پر فائز تھے اور یہ فریضہ بدستور انجام دیتے رہے۔ ابن شہاب زہری تذکرہ کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت ہی خوش تھے۔انہیں آپ کی آمد کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ابن ہدام کے مطابق وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکے سے ہجرت کر کے آپ کے ساتھ ہو گئے۔اسی طرح حضرت ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن امیہ بھی ''نیق عقاب'' میں آپ کے پاس آ گئے۔دونوں آپ کے قریبی رشتے دار تھے۔حضرت ابوسفیان آپ کے بڑے چچا حارث کے صاحبزادے اور حضرت عبداللہ بن امیہ آپ کی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے تھے۔دونوں آپ کے مخالف تھے اور آپ کو بہت ستایا کرتے تھے۔حضرت ابوسفیان بن حارث بہت بڑے شاعر تھے اور انہوں نے آپ کی ہجو تک لکھی تھی، اس لیے آپ نے ان دونوں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔مگر انہوں نے حضرت یوسف کے بھائیوں کی طرح اپنی حرکتوں پر ندامت ظاہر کی اور معافی مانگی تو آپ نے بھی انہیں آغوش رحمت میں لے لیا۔

مروی ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حارث نے مسلمان ہونے کے بعد آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر آپ کی شان میں قصیدہ نظم کیا جس کا ایک شعر یہ ہے:

هذا بی هاد غیر نفسی ونالنی منع الله من طردت کل مطرد

''مجھے میرے نفس نے نہیں بلکہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدھا راستہ دکھا دیا اور اس شخصیت نے مجھے اللہ سے ملا دیا جسے میں نے دھتکار دیا تھا۔''

ابوسفیان دائرہ اسلام میں:

حضرت عباس بارگاہ رسالت میں حاضر ہو چکے تھے۔وہ قریش کے مستقبل کے بارے میں بہت ہی متفکر تھے۔اگر انہوں نے ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر اسلامی فوج سے ٹکر لی تو پھر ان کا حشر بہت ہی برا ہو گا۔حضرت عباس چاہتے تھے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے اور وہ سوجھ بوجھ سے کام لے کر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔یہ سوچ کر وہ آپ کے سفید خچر (بغلہ) پر بیٹھ کر مکے روانہ ہو گئے تا کہ انہیں اچھی طرح سمجھائیں اور انہیں ان کے انجام کا احساس بھی پوری طرح دلا دیں۔اتفاقاً اسی وقت حضرت ابوسفیان ''بدیل اور حکیم بن حزم ''مرالظہران'' میں اسلامی فوج کو دیکھ کر واپس جا رہے تھے۔بدیل کا خیال تھا کہ بنوخزاعہ کی فوج خیمہ زن ہے، لیکن حضرت ابوسفیان نے تردید کی اور سمجھایا کہ وہ تعداد میں کم اور

Marfat.com

طاقت میں بہت ہی کمزور ہیں، اس لیے وہ تو نہیں البتہ کوئی اور جماعت ہو گی۔ ان کی گفتگو سے حضرت عباس نے انہیں پہچان لیا اور خبردار کیا کہ یہ تو رسول اکرم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ خیمہ زن ہیں۔ تم پر نظر پڑ گئی تو پھر تمہیں تو وہ زندہ نہیں چھوڑیں گے اور فوراً تمہاری گردن اڑا دیں گے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم میرے پیچھے بیٹھ جاؤ اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لو۔

حضرت ابوسفیان حضرت عباس کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا ہی رہے تھے کہ انہیں حضرت عمر فاروق نے پہچان لیا۔ وہ چلائے:

''کفر کا سردار اب تو ہمارے قبضہ میں ہے۔''

یہ کہہ کو جھپٹے مگر حضرت عباس انہیں لے کر جلدی سے آپ کے خیمے میں گھس گئے۔ حضرت عمر بھی پیچھے پیچھے ہو لیے تا کہ آپ سے اجازت لے کر ابوسفیان کی گردن اڑا دیں، مگر حضرت عباس نے اسی وقت اعلان کر دیا کہ انہوں نے تو حضرت ابوسفیان کو اپنی پناہ (جوار) میں لے لیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا:

''اچھا انہیں اس وقت تو اپنے ساتھ لے جائیں۔ صبح پھر لے کر آئیں تو اس مسئلہ پر غور کیا جائے گا۔''

صبح ہوئی تو حضرت ابوسفیان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے تسلیم کیا:

((بابی انت وامی ، ما احلمك واكرمك و اوصلك))

''میرے والدین آپ پر فدا ہوں۔ آپ تو بہت ہی حلیم و بردبار، شریف و کریم اور صلہ رحمی کا مجسمہ ہیں۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو پھر ہم لوگوں کی امداد ضرور کرتا۔''

مروی ہے کہ ابھی آپ کی رسالت کا اقرار کرنے سے ہچکچا رہے تھے کہ حضرت عباس نے سمجھایا اور انہوں نے فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

یہ وہی حضرت ابوسفیان تھے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا، بار بار مدینے پر چڑھائی کی اور سارے عرب کو اسلام کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ اب وہی حضرت ابوسفیان آپ کے رحم و کرم پر تھے۔ وہ اپنی تخریبی سرگرمیوں اور اسلام دشمنی کے جرم میں بڑی سے بڑی سزا کے مستحق تھے، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغوش رحمت میں لے کر انہیں امن و سلامتی کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں تو یہ اعزاز بھی عطا فرما دیا کہ جو بھی ان کے گھر میں پناہ لے گا، وہ مامون و محفوظ سمجھا جائے گا۔

پروانہ رسالت مآب:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہاں کے لئے رحمت بن کر آئے تھے، اس لیے آپ نے قتل و غارت گری کو اپنا شعار نہیں بنایا، بلکہ ہمیشہ عفو اور چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے اہل مکہ کو پروانہ امن عطا فرما دیا۔ اسی لیے آپ نے حضرت ابو سفیان کے مسلمان ہوتے ہی اعلان فرما دیا:

((من دخل دار ابی سفیان فھو آمن))

Marfat.com

''جو بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے امان مل جائے گی۔''

یہ بھی مروی ہے کہ حکیم بن حزام کے گھر کو بھی آپ نے یہی درجہ عطا فرمایا۔

((من اغلق بابه فهو آمن))

''جو اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھا رہے گا، اسے بھی امان دی جاتی ہے۔''

((من دخل المسجد فهو آمن))

''جو مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان دی جاتی ہے۔''

اسی کے ساتھ آپ نے مجاہدوں کو ہدایت کر دی کہ وہ کسی زخمی و قیدی کا ناحق خون نہ بہائیں اور نہ ہی کسی بھاگ جانے والے کا تعاقب کریں۔ نیز جو ہتھیار ڈال دیں انہیں بھی قتل نہ کیا جائے۔ ابوسفیان پروانہ امن لے کر مکے آئے اور اشراف قریش پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں سے ٹکر لینا بے سود ہے۔ اس لیے خیریت اسی میں ہے کہ پروانہ امن سے فائدہ اٹھائیں اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ اس طرح انہوں نے شہر میں امن و امان کی فضا پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا، اکثریت نے مقابلے کا خیال دل سے نکال دیا، ہتھیار ڈال دیئے اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ وہ اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ حضرت ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے گھروں میں پناہ لے لی، یا پھر حرم کعبہ میں چلے گئے۔ صرف بنو مخزوم اور ان کے حامیوں نے ساتھ نہیں دیا، باقی ہر ایک نے دین اسلام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس طرح خونریز جنگ کے امکانات ختم ہو گئے اور اسلامی فوج آسانی سے شہر میں داخل ہو گئی۔

اسلامی فوج کا پرامن داخلہ (۱۱ جنوری ۶۳۰ء):

صبح ہوئی تو اسلامی فوج ''مرالظہران'' سے آگے بڑھ کر ''ذوطوی'' میں خیمہ زن ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر سے مروی ہے کہ اس وقت سرخ یمنی چادر ''بردحبرہ'' آپ کے دوش مبارک پر لہرا رہی تھی۔ آپ کی ہدایت پر حضرت عباس نے حضرت ابوسفیان کو اسلامی فوج کی فاتحانہ شان سے روانگی کا مظاہرہ دکھایا۔ ''جلوس رسالت'' سے ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، وہ اس قدر مرعوب ہو گئے کہ بے اختیار ہو کر کہنے لگے:

((مالاحد بهولاء قبل ولا طاقة، والله يا ابا الفضل !لقد اصبح ملك ابن اخيك الغداة عظيما))

''کوئی طاقت بھی ان سے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ابوالفضل! واللہ کل سے تو تمہارا بھتیجا عظیم الشان فرماں روا بن جائے گا۔''

حضرت عباس نے جواب دیا:

''یہ تو شان نبوت اور آن رسالت کا مظاہرہ ہے، شاہانہ جاہ و جلال کی نمائش نہیں۔''

رات بھر اسلامی فوج ''ذوطوی'' میں رہی، پھر صبح ہوتے ہی اس نے مکے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اسلامی فوج چار دستوں پر منقسم تھی۔ اس لیے وہ چاروں طرف سے بیک وقت شہر میں داخل ہوئی۔ مختلف روایتوں کا تجزیہ کرنے

Marfat.com

کے بعد کہا جا سکتا ہے:

1: حضرت زبیر بن عوام میسرہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ وہ ''کدی'' سے شہر میں داخل ہوئے۔

2: حضرت ابوعبیدہ بن جراح غیر مسلح پا پیادہ فوج کے امیر تھے۔ وہ 'بطن وادی' سے شہر میں داخل ہوئے۔

3: حضرت خالد بن ولید نشیبی علاقے ''یط'' سے مکے میں داخل ہوئے۔ وہ میمنہ کے امیر تھے اور اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ وغیرہ قبیلے ان کے دستے میں شامل تھے۔

4: حضرت سعد بن عبادہ بالائی علاقے ''کداء'' سے شہر میں داخل ہوئے۔

5: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''اذاخر'' سے شہر میں داخل ہوئے اور وہیں بالائی علاقے میں آپ کا خیمہ نصب کیا گیا۔

ابن اسحاق کے مطابق حضرت سعد بن عبادہ جوش میں آ کر نعرہ لگانے لگے:

اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الحرمة

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے آپ کو خبر دی تو آپ نے حضرت سعد بن عبادہ کی جگہ حضرت علی کو اس دستے کا قائد مقرر کر دیا۔

کفار کا حضرت خالد بن ولید سے مقابلہ:

ابن اسحاق کے مطابق صفوان، عکرمہ اور سہیل نے اپنے حامیوں کو ''خندمہ'' میں جمع کیا، مسلح ہو کر آگے بڑھے اور حضرت خالد کے دستے کو روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے تیر برسائے تو حضرت خالد نے بھی فوجی کارروائی کی۔ مسلمانوں کے جوابی حملے سے وہ پسپا ہو گئے اور بارہ تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بنو قریش کے ۲۴ اور بنو ہذیل کے ۴ آدمی مارے گئے، لیکن صرف دو تین مسلمان شہید ہوئے۔ اس معمولی مزاحمت کے بعد حضرت خالد شہر میں داخل ہو گئے، دوسرے دستے تو لڑائی بھڑائی کے بغیر ہی شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ اب سارا شہر مسلمانوں کی تحویل میں تھا، اسلامی علم فاتحانہ شان و شوکت سے ''جبل حجون'' (جنت المعلی) کی چوٹی پر لہرانے لگا۔

اس فاتحانہ شان سے امن عالم کا مبلغ مکے میں داخل ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی فوج کی فاتحانہ حیثیت سے ایسے پرامن طریقے پر کسی شہر میں داخل ہونے کی مثال تاریخ عالم میں نظر نہیں آتی۔ ظلم و جور کا ستایا ہوا غریب الوطن اپنی رسالت کو رحم و کرم سے ثابت کرنے آیا، وہ شہر جس نے اسے اور اس کے متبعین کو اذیتیں دے دے کر ایک اجنبی شہر میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا، وہ شہر جو اس کی اور اس کے جاں نثار دوستوں کی جان لینے کی قسمیں کھا چکا تھا، اب اس کے قدموں میں تھا۔ اس کے بے رحم اور ظالم دشمن جنہوں نے پرامن مردوں اور عورتوں پر ظلم ڈھا کر انسانیت کے نام پر ایک بدنما دھبا لگا دیا تھا، اب کلیۃً اس کے قبضے میں تھے، لیکن فتح و عروج کی اس گھڑی میں تمام تکلیفیں بھلا دی گئیں اور تمام مظالم معاف کر دیئے گئے اور مکہ مکرمہ کی تمام آبادی کو عام معافی دے دی گئی۔

اردنگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح کل کی پالیسی کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''محمد کی دلی خواہش یہی تھی کہ آپ تشدد سے نہیں بلکہ میانہ روی اور چشم پوشی کی طاقت سے مکے کو فتح کریں۔ یہ صحیح ہے کہ جن لوگوں نے ہتھیار اٹھائے، انہیں ختم کر دیا گیا، لیکن جنہوں نے ہتھیار ڈال

Marfat.com

دیئے انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ حتیٰ کہ جوش میں آ کر ایک قائد نے یہ تک کہہ دیا کہ جنگ کے دن کوئی مقام مقدس نہیں، تو اسے فوراً ہٹا دیا گیا۔''

پروفیسر گب لکھتے ہیں:

''محمد کے اغراض و مقاصد کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی تھی جب مکہ خود بخود آپ کی تحویل میں آ جائے اور آپ کا سب سے بڑا کارنامہ بھی یہی ہے کہ سات سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد آخر کار مکہ اسلامی ریاست میں ضم ہو ہی گیا۔ شکست خوردہ اور غضبناک دشمن کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی خوشی سے اہل مکہ آپ کے ساتھ ہو گئے اور دو سال بعد محمد کے وصال پر جب اسلام کو بحرانی دور سے گزرنا پڑا، اس وقت سارے عرب میں اس کی فوقیت رکھنے کیلئے انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔''

شعار اصحاب کرام فتح مکہ وحنین کے موقع پر:

''یوم فتح مکہ وحنین'' کے موقع پر مہاجرین کا شعار (نعرہ) تھا ''یا بنی عبدالرحمٰن'' بنو خزرع کا ''یا بنی عبداللہ'' اور اوس کا ''یا بنی عبیداللہ'' تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عسکر اسلام میں شامل فوجی دستوں کے اپنے اپنے شعار (Slogans) بطور امتیازی شناخت الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی زیارت:

واقدی کے مطابق آپ ۲۰ رمضان ۸ ہجری (۱۱ جنوری ۶۳۰ء) کو ''فاتح مکہ'' کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے۔ اب سارا شہر آپ کے قدموں پر تھا، مگر آپ محافظ و امین تھے، ابوجہل یا ابولہب نہیں تھے، اس لیے آپ نے کسی محل پر قبضہ نہیں کیا، کسی کی دولت نہیں چھینی اور نہ ہی کسی کی عزت و آبرو پر نظر ڈالی۔ آپ نے تو شہر سے باہر حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ اور چچا ابوطالب کے مزار کے پاس اپنا خیمہ لگوا دیا اور پھر اپنی اونٹنی ''قصواء'' پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔

آپ نے سواری پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا، حجر اسود کو بوسہ دیا اور دوسری رسمیں ادا فرمائیں۔ مروی ہے کہ طواف کے بعد آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ سے کلید کعبہ حاصل کی اور در کعبہ کھلوایا۔ اندر داخل ہوئے تو آپ کی نظر لکڑی کے کبوتروں پر پڑی۔ آپ نے انہیں دست مبارک سے توڑ کر پھینک دیا۔ پھر نماز ادا کی اور تہلیل و تکبیر کے بعد باب کعبہ پر کھڑے ہو گئے۔ لوگ جوق در جوق مسجد میں داخل ہو گئے اور آپ نے در کعبہ کے دونوں پٹوں کو پکڑ کر ایک بصیرت افروز خطبہ دیا۔

خطبہ رسالت مآب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

((لا اله الا الله وحده لا شريك له، صدق وعده، ونصر عبده ، وهزم الاحزاب وحده.....))

''اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اور اپنے (برگزیدہ) بندے کی مدد کی اور اس اکیلے نے

Marfat.com

تمام لشکروں کو شکست دی۔ دور جہالت کے قصاص، دیت اور سود وغیرہ کے دعوے باطل قرار دیئے جاتے ہیں۔ صرف اس زمانے کے دو منصب ''سدانہ'' اور ''سقایہ'' کو برقرار رکھا جاتا ہے، باقی دوسرے مناصب اور ایام جاہلیہ کے رواسم منسوخ قرار دیئے جاتے ہیں۔ اے قوم قریش! اللہ تعالیٰ نے دور جہالت کے نخوت وتکبر اور فخر وغرور کو خاک میں ملا دیا۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ اس لیے اب کوئی بھی آبائی عظمت پر فخر نہیں کر سکتا، اور نہ ہی خود کو دوسروں سے افضل سمجھ سکتا ہے۔

یہ فرما کر آپ نے قرآن شریف کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

((یاایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم))

''لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سب کو مرد وعورت سے پیدا کیا اور محض اس لیے خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے صرف وہی سب سے معزز ہے جو سب سے زیادہ متقی وپرہیز گار ہو۔''

پھر فرمایا:

''کوڑوں اور ڈنڈوں کی ضرب سے قتل ہونے کی صورت میں قتل عمد کا شبہ ہو تو دیت مغلظہ عائد کی جائے گی۔ لوگو! اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی خرید وفروخت کو حرام قرار دے دیا ہے۔''

اس تاریخی خطبے میں آپ نے عالمگیر اخوت ومساوات کا سبق دیا۔ آپ نے واضح الفاظ میں فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو انسانی حقوق برابر سے عطا کیے، اس لیے نسل ورنگ اور امارت وغربت کی تفریق غیر قانونی ہے۔ اگر کسی نے خود کو دوسروں سے افضل سمجھا تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہوگی اور وہ بہت ہی بڑے گناہ کا مرتکب ہوگا۔

عام معافی کا اعلان:

خطبہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو مکے کے خودسر مشرک سرمایہ پرست سر جھکائے کھڑے تھے۔ آپ نے ان سے دریافت کیا:

((یا معشر قریش اما ترون ابی فاعلکم فیکم ؟))

''اے بنو قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ آخر میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟''

جواب میں عرض کیا:

((خیرا، اخ کریم، ابن اخ کریم))

''آپ تو خود ہی شریف مہربان بھائی ہیں اور شریف بھائی کی اولاد ہیں۔ اس لیے آپ سے خیر وبھلائی ہی کی توقع ہے۔''

یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

Marfat.com

''آپ تو جوانوں کے شریف بھائی اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں۔اس لیے آپ سے تو ہمیں حسن سلوک اور صلہ رحمی ہی کی امید ہے۔''

یہ سن کر آپ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں، مجسمہ رحمت و رافت بن کر ''رسول کریم'' کی شان عفو کا مظاہرہ فرماتے ہوئے آپ نے یہ اعلان عام فرمادیا:

((لا تثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء))

''آج تمہارے خلاف کوئی الزام نہیں لگایا جائے گا۔جاؤ! تم سب آزاد ہو۔''

طبری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تم سے وہی بات کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔آج میں تمہیں ملامت نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے، وہ بہت ہی مہربان ورحیم ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل بے مثل ہے۔مثال کے طور پر مکے میں فاتحانہ شان سے آپ کے داخلے کو لے لیجئے، تحمل و بردباری کی انوکھی مثال سامنے آجاتی ہے۔سارا عرب آپ کے قدموں پر تھا، دشمنوں کا گڑھ مکہ آپ کے تسلط میں تھا، پھر کیا آپ نے انتقام وقصاص کا روح فرسا ڈرامہ کھیلا۔؟ اگر آپ چاہتے تو مکہ تاراج ہوجاتا اور ہر ایک کا سر قلم کردیا جاتا، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ وہ لوگ جو آپ کے جانی دشمن تھے، جنہوں نے آپ کو چین سے کہیں بھی رہنے نہیں دیا، جنہوں نے آپ کو اس قدر تنگ کیا کہ آپ کو ہجرت کر کے دوسرے شہر میں پناہ لینی پڑی، جنہوں نے آپ کا تمسخر اڑایا، جنہوں نے جھنجلا جھنجلا کر آپ کو ایذا پہنچائی اور انہوں نے بے رحمی، سفاکی اور درندگی کے دل ہلا دینے والے کھیل کھیلے، لیکن آپ ذاتیات سے بالا تھے، آپ نے آتش انتقام بجھانے کیلئے کوئی قدم نہیں اٹھایا، نہ تو آپ نے کسی سے خراج عقیدت کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی شاہی لوازمات کو ہاتھ لگایا اور جب قریش کے خود سر رئیس آپ کی خدمت میں ظاہر ہوئے تو آپ نے اعلان فرمادیا:

''جاؤ! تم سب آزاد ہو، تم سے کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔''

باسورتھ اسمتھ لکھتے ہیں:

''فتح مکہ کے بعد کوئی دینوی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔وہ خوب کھل کر دادعیش لیتا اسے کوئی روکنے والا نہ تھا۔اگر اس نے جھوٹے نبی کا نقاب پہنا ہوتا تو پھر وہ اسے فوراً ہی اتار پھینکتا۔''

گبن تحریر کرتے ہیں:

''اگر اعلیٰ مقاصد بری خواہشات کا نشانہ بن جاتے اور ذاتی مفاد کی خاطر آپ حد اعتدال سے بڑھ جاتے تو پھر اس کے اثرات اب منظر عام پر آگئے ہوتے۔اب آپ اپنی خواہشات کو پورا کرتے، اپنی ہوس بجھاتے اور انتقام کی ہولی کھیلتے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔روم میں میریس اور سلا کے

Marfat.com

داخلے بعد جو کچھ ہوا اسے مدنظر رکھیے، پھر آپ صحرا کے اس رسول کی دریا دلی، رواداری اور میانہ روی کے قائل ہو جائیں گے۔''

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عسکر نے فتح مکہ نہیں کیا تھا، بلکہ خلق محمدی اور عفو و رحم مصطفوی نے اہل مکہ کے دلوں کو فتح کر لیا تھا۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قوم پر پورا پورا اختیار حاصل تھا جو مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، جس نے ان پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھائے، وہ اس کے پنجے سے نکل کر جہاں کہیں بھی گئے، اس نے پیچھا نہیں چھوڑا اور ہر جگہ انہیں ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی۔ انہیں نیست و نابود کرنے کیلئے مدینہ منورہ پر تین مرتبہ چڑھائی تک کی۔ قریشی فرعونوں نے خود آپ کو بھی تختہ مشق بنایا، مگر آپ نے انہیں دعائیں دیں۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے تھے مگر آپ کے دل میں ان کی فلاح و بہبود کا درد کسک رہا تھا اور پھر جب آپ ان کی قسمتوں کے مالک بن گئے، تو انہیں کوڑے نہیں لگوائے، ان کی جائیدادیں ضبط نہیں فرمائیں، ان کے مال و متاع لوٹنے کا حکم نہیں دیا، انہیں آگ میں جلایا نہیں، انہیں سنگسار کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا اور نہ ہی انہیں جلاوطنی کی سزا دی۔ آپ نے شہر کو تاراج کرنے اور ہر شہری کو موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم صادر نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے تو ان پر اپنی فیاضی و رواداری کے پھول نچھاور فرمائے۔ ان کی جان، ان کی دولت، ان کی عزت اور ان کی آبرو کی حفاظت فرمائی، انہیں ہر جرم سے بری اور ہر الزام سے سبکدوش کر کے عام معافی کا اعلان فرما دیا اور پھر انہیں بدستور شہر کا مالک بنا کر، ان کا شہر ان کے حوالے کر کے، واپس اپنے شہر، ''نبی کے شہر'' مدینے چلا گیا۔

خطبہ دینے کے بعد آپ مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلوا کر کلید کعبہ ان کے حوالے کی اور فرمایا:

((الیوم یوم بر و وفاء))

''آج کا دن تو حسن سلوک اور ایفائے وعدہ کا دن ہے۔''

پھر آپ کے حکم سے حضرت بلال حبشی خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اذان دینے لگے۔ مکے کی فضا بت پرستی سے مکدر ہو چکی تھی، اب توحید الٰہی کی صدا سے ساری فضا پاک و صاف ہو گئی۔ عتاب و حارث جیسے متزلزل آدمیوں کے دل دہل گئے۔ آپ نے ان سے گفتگو فرمائی تو انہیں قلبی سکون ملا اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ اب آپ خانہ کعبہ سے حضرت ام ھانی کے گھر تشریف لے گئے، غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں نماز پڑھیں۔

تطہیر کعبہ:

ابن ہشام کے مطابق:

''یوم فتح کے موقع پر آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو ملائکہ وغیرہ کی تصویریں نظر آئیں۔ ایک تصویر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جوئے کے تیر (ازلام) بانٹتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ازلام تقسیم کرنا ابراہیمی شان کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی و نصرانی

Marfat.com

نہیں تھے، البتہ وہ حنیف و مسلم تھے اور مشرک تو تھے ہی نہیں۔ پھر ایک ایک کر کے بت توڑ ڈالے گئے اور تصویریں مٹا دی گئیں۔ خانہ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کا گھر تھا۔ ہبل کے علاوہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے۔ ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر پھینک دیا گیا۔''

مروی ہے کہ آپ بتوں کی طرف عصائے مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے:

((جآء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا))

یہ بھی مروی ہے کہ آپ بت کے منہ کی طرف اشارہ فرماتے تو وہ پیٹھ کے بل گر پڑتا اور پیٹھ کی طرف اشارہ فرماتے تو منہ کے بل لڑھک جاتا۔ اس طرح سارے بت سرنگوں ہو گئے۔ ان سب کو آپ کے حکم سے حضرت عمر فاروق نے خانہ کعبہ سے نکلوا کر باہر پھنکوا دیا تھا۔

کافروں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یادگار کو بتوں سے ناپاک کر دیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بت پرستوں کو زیر کر کے اللہ تعالیٰ کے گھر کو اللہ تعالیٰ کا گھر بنا دیا۔

صرف خانہ کعبہ ہی کو بتوں سے پاک نہیں کیا گیا بلکہ شہر میں اور شہر سے باہر ہر جگہ بت شکنی کی ہمہ گیر مہم شروع کی گئی۔ ''نقیب رسول'' نے مکے کی گلیوں میں اعلان کروا دیا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بھی بت نہ رکھے بلکہ اسے فوراً توڑ کر پھینک دے۔ حضرت خالد بن ولید اور دوسرے صحابہ کرام کو بڑے بڑے صنم کدوں کو منہدم کرنے کیلئے مامور کیا گیا۔ ہبل، لات، منات، عزی، سواع اور دوسرے بتوں کے معبد خانوں کو مسمار کر دیا گیا تا کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سارے عرب سے بت پرستی کے آثار تک مٹ جائیں اور توحید کی فانوس سے نہ صرف وہ بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ روشن و تاباں ہو جائے۔

بیعت رسول:

نماز سے فارغ ہونے کے بعد کوہِ صفا میں ایک بلند مقام پر آپ بیٹھ گئے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے اور مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس کی مثال تاریخ عالم میں نظر نہیں آتی۔ بیعت رسول کا یہ دلکش نظارہ فتح مکہ کی شان کو اور بھی دوبالا کر دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی تھی جس نے مکے سے جلاوطن ہونے والے رسول کو مکہ معظمہ ہی میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے کی سعادت عطا فرمائی اور پھر اس عظمت و شوکت سے کہ شہر کے لوگ بے قرار ہو کر گروہ در گروہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر رب ذوالجلال کی توحید کا اقرار کرتے ہیں، وہی اقرار کہ جس کے جرم میں اسی رسول کو انہوں نے اپنے گھر، اپنے وطن اور اپنی قوم کو چھوڑ کر ''دیار مدینہ'' میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ انہوں نے بھی ''بیعت عقبہ'' والی شرائط پر آپ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ انہوں نے عہد کیا:

''وہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے، جھوٹ نہیں بولیں گے، چوری اور بدکاری کے مرتکب نہیں ہوں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے اور عورتوں پر تہمت نہیں لگائیں گے۔''

Marfat.com

بیعت کرنے والوں میں حضرت ابوسفیان، کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی شامل تھیں، وہی ہند جس نے شہید حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ اب وہی ہند نقاب پہن کر حاضر ہوئی اور مذکورہ شرائط پر بیعت کر کے اسلام کی پناہ میں آجاتی ہے۔ اب وہی ہندہ خوشی کے مارے چلا اٹھتی ہے:

''یارسول اللہ! آج سے پہلے مجھے آپ کے خیمے سے زیادہ کسی خیمے سے نفرت نہ تھی لیکن آج آپ کے خیمے سے زیادہ کوئی خیمہ پیارا نظر نہیں آتا۔''

انصار مدینہ عالم اضطراب میں:

اسی کوہ صفا پر آپ نے دوسرا خطبہ دیا تھا جس میں آپ نے حرم کے احکام بیان فرمائے۔ شام ہوئی تو سارا مکہ آپ کے قدموں تلے تھا۔ صحابہ کرام کے چہرے اطمینان و خوشی سے دمک رہے تھے۔ اب انہیں کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ سات آٹھ سال تک وہ ہر وقت خطروں سے گھرے رہے، وہ دشمنوں سے مقابلے کیلئے ہمہ وقت شمشیر بکف رہتے تھے، لیکن اب ان فرعونوں سے نجات مل چکی تھی۔ مروی ہے کہ آپ نے اوپر نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا:

''میری نظر میں دنیا کی سب سے محترم و مقدس جگہ تو ہی ہے۔ تیرے باسیوں نے مجھے ٹھکرا دیا تھا تو کیا ہوا، میں نے تو تجھے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔''

کوہ صفا کے واقعات، خطبہ رسالت مآب اور آپ کے والہانہ جذبات سے انصار کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کہیں آپ مکہ مکرمہ ہی میں مستقل طور سے رہائش اختیار نہ کر لیں۔ وہ عالم اضطراب میں کہنے لگے:

''اب تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن اور اپنے شہر کے خود فاتح و آقا بن گئے ہیں، اس لیے ہوسکتا ہے کہ آپ مدینے کے بجائے یہیں رہنے لگیں۔''

آپ نے دعا سے فارغ ہوتے ہی ان کے شکوک کو رفع کرنے کیلئے اعلان فرما دیا:

((معاذ اللہ! المحیا محیاکم ، والممات مماتکم))

''معاذ اللہ! جہاں تم رہو گے وہیں میں رہوں گا اور جہاں تمہاری موت ہوگی وہیں میری بھی ہوگی۔ میرا مرنا جینا تمہارے ہی ساتھ ہے۔''

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں نے تم سے عہد کیا تھا کہ میری حیات و موت تم سے وابستہ ہوگی۔ میں رسول نہیں اگر تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں، آخر دم تک تمہارے ساتھ رہوں گا اور مروں گا بھی وہیں جہاں تم ہو گے۔''

تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے اس عہد کو پورا کر دکھایا۔ وصال سے پہلے آپ صرف دو مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور پھر وصال ہوا تو آپ کی آخری آرام گاہ بھی مدینہ منورہ میں ہی بنائی گئی۔

زعمائے قریش کا فرار:

''فتح مکہ'' کے دن ہی قریش کے بڑے بڑے سرغنہ روپوش ہو گئے یا پھر بھاگ کر جدہ و یمن چلے گئے تھے۔ ہبیرہ بن ابی وہب کے گھر میں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور حارث بن ہشام روپوش ہو گئے تھے۔ سہیل بن عمرو خود اپنے گھر میں روپوش ہو

Marfat.com

گیا تھا۔ان سب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا۔

حضرت صفوان بن امیہ بھاگ کر جدہ گئے اور وہاں سے یمن جانے والے ہی تھے کہ حضرت عمیر بن وہب عمامہ رسول اور پروانہ امن لے کر پہنچے اور انہیں مکہ مکرمہ لے آئے۔ حضرت عکرمہ بن ابوجہل بھی بھاگ کر چلے گئے تھے۔ان کی بیوی آپ سے پروانہ امن لے کر یمن گئیں اور انہیں واپس لے آئیں۔ حضرت صفوان اور حضرت عکرمہ دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے اور پھر انہوں نے اپنی ساری زندگی خدمت اسلام کیلئے وقف کر دی۔

بوڈلے اسلام کے اس سحر خیز اثر کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''انہوں نے انتہائی جوش وخروش سے اسلام کی خدمت کی۔''

عبداللہ بن زبعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو لکھتے تھے، بھاگ کر نجران چلے گئے، پھر واپس آئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔آپ نے ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ ہبار بن اسود نے حضرت زینب کو اذیت پہنچائی تھی۔وہ ہودج میں سوار مکے سے مدینے جارہی تھیں کہ اس نے انہیں نیزہ مارا اور کجاوہ گر گیا۔اس صدمے سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ فوت ہو گئیں۔وہ عرصے تک روپوش رہا، پھر ایک دن خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی اور مسلمان ہو گیا۔حضرت عبداللہ بن سعد (ابن ابی سرح) کاتب وحی تھے، پھر مرتد ہو کر مکے بھاگ گئے اور آپ کے خلاف جھوٹی جھوٹی باتیں مشہور کرنے لگے۔وہ کہا کرتے تھے کہ وحی تو میرے پاس آتی ہے، محمد تو محض مجھ سے لکھوا کر اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں۔ایسے دروغ گو اور فتنہ پرداز کو بھی آپ نے حضرت عثمان کی سفارش پر معاف فرمادیا۔اسی طرح آپ نے قاتل حمزہ وحشی اور کعب ابن زہیر جیسے دشمنوں کو بھی معاف فرمادیا۔ یہ وہی کعب ہیں جنہوں نے مسلمان ہونے کے بعد آپ کی شان میں مشہور قصیدہ ''بانت سعاد'' پڑھا تھا۔آپ نے خوش ہو کر انہیں اپنی چادر عطا فرمائی اور معاف فرمادیا۔ فضالہ بن عمیر لیثی بحالت طواف آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔آپ کو اس کی نیت کا پتہ چل گیا۔مروی ہے کہ آپ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، دل روشن ہو گیا، اور وہ بے قرار ہو کر آپ ہی کے دست مبارک پر مسلمان ہو گیا۔عباس بن مرداس کے والد ایک بت کو پوجتے تھے، جس کا نام ''ضمار'' تھا۔اللہ تعالیٰ نے عباس بن مرداس کے دل ودماغ میں انقلاب برپا کر دیا، انہوں نے ''ضمار'' کو جلا دیا اور پھر آپ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئے۔

یہ تھی روحانی کشش اسلام کی جس نے بڑے بڑے سرکشوں کو آپ کی آغوش رحمت میں ڈال دیا۔حضرت ابوبکر صدیق اپنے والد ابوقحافہ کو ذوطوی میں خود لے کر حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا:

''میں خود گھر پر آجاتا۔''

جواب ملا:

''آپ جیسی برگزیدہ ہستی کی خدمت میں خود ہی حاضر ہونا میرے والد کیلئے باعث رحمت ہے۔''

اسی طرح مکے کے گوشے گوشے سے بھاگ بھاگ کر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف با سلام ہو گئے۔قرآن حکیم کی ''سورۂ نصر'' کی رو سے:

''جب اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی اور فتح حاصل ہو گئی اور آپ نے لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں

Marfat.com

شامل ہوتے دیکھ لیا تو پھر آپ اپنے رب کی حمد وثناء بیان کیجئے اور اسی سے اپنی مغفرت کی دعا مانگیے۔"

کافر مجرموں کا قتل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے مجرموں کو سزا بھی دی۔ سنن ابی داؤد میں حضرت سعد سے مروی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دے دیا تھا کہ عکرمہ بن ابوجہل، ہبار بن اسود، عبداللہ ابن ابی سرح اور ابن خطل چار بڑے مجرموں کے علاوہ کسی پر حملہ نہ کیا جائے۔ البتہ یہ چار جہاں کہیں ملیں، انہیں فوراً قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابوداؤد خود اس روایت کو مشکوک سمجھتے ہیں۔ پھر دوسری مستند روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابن خطل کے علاوہ سب کو معاف کر دیا گیا۔ دراصل اس موضوع پر کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مقتولین کی تعداد اور ان کے ناموں کی تفصیل روایتوں میں مختلف طریقوں سے درج ہے۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کی روایتوں میں کل پانچ مردوں اور تین کنیزوں کے نام درج ہیں جن کے قتل کا حکم آپ نے صادر فرمایا تھا۔

امام طبری نے ہند بنت عتبہ، سارہ، قرتنا اور قریبہ چار عورتوں کے نام تحریر کیے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے ہبار بن اسود کا نام نہیں لیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق ان میں سے عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح، عکرمہ بن ابوجہل اور دو کنیزوں کو معاف کر دیا گیا۔ باقی عبداللہ بن خطل، حویرث بن نقیذ، مقیس بن حبابہ اور ابن خطل کی ایک کنیز کو سزائے موت دے دی گئی۔ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب نے دو مخزومی مجرموں کو پناہ دی۔ حضرت علی انہیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی کے اقدام کو جائز قرار دے کر انہیں معاف کر دیا۔ ابن ہشام کے مطابق ان دونوں کے نام حارث بن ہشام اور زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ تھے۔

تنگ نظر مغربی مؤرخ لکھتے ہیں کہ آپ نے محض آتش انتقام بجھانے کیلئے بیگناہوں کو قتل کروا دیا، لیکن یہ رائے محض آپ کی ذات بابرکت پر افترا ہے۔ جو شخصیت قاتل حمزہ، وحشی کو معاف کر سکتی ہے، شہید حمزہ کا کلیجہ چبانے والی ہند کو امان دے سکتی ہے اور عکرمہ وصفوان جیسے دشمنوں کو اپنی پناہ میں لے سکتی ہے، وہ محض ذاتی رنجش کی بنا پر کسی کو سزا موت کیسے دے سکتی ہے۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی سب کو پروانہ امن عطا فرمایا، پھر شہر میں تشریف لائے تو یہی اعلان فرمایا:

"آج تو کسی سے انتقام نہیں لیا جائے گا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ بھی یہی کہتی ہیں کہ آپ نے اپنی ساری زندگی میں ذاتی عناد کی بنا پر کسی سے انتقام نہیں لیا۔ خیبر میں جس یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا اسے تو آپ نے معاف کر دیا، پھر آپ مکہ مکرمہ کے چند افراد کو محض اس جرم میں کیوں سزائے موت دیتے کہ وہ آپ کو برا بھلا کہتے تھے یا پھر آپ کی ہجو لکھتے تھے۔

ویٹ کے خیال میں آپ نے صرف ان لوگوں کو سزائے موت دی جنہوں نے اسلام کے خلاف تخریبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یا پھر اہل بیت کے ساتھ نازیبا برتاؤ کیا تھا۔

Marfat.com

عبداللہ ابن خطل:

ابن خطل بنو تیم بن غالب کے خاندان سے تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا تو آپ نے چند انصار کے ساتھ صدقہ وصول کرنے پر اسے مامور فرما دیا۔ ایک مسلمان خادم بھی اس کے ساتھ رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن انہوں نے کھانا تیار نہیں کیا تو انہیں اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ وہ شہید ہو گئے۔ پھر صدقے کا مال اکٹھا کر کے وہ بھاگ گیا، مرتد و مشرک بن گیا اور آپ کے خلاف ہجو لکھنے لگا۔ خود بڑھ چڑھ کر لوگوں کو سناتا تھا۔ اس کی کنیزیں بھی اس کی لکھی ہوئی ہجو گا گا کر سناتی تھیں۔ ایسے فتین قاتل، ڈاکو اور افترا پرداز کو سزائے موت دی گئی۔ ابن اسحاق کے مطابق اسے سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے قتل کر دیا تھا۔

دو کنیزیں:

ابن خطل کی ایک کنیز کو سزائے موت ملی اور دوسری کو معاف کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کا نام ''قریبہ'' اور ''قرتنا'' یا ''فرتنی'' تھا۔ قریبہ کو قتل کر دیا گیا لیکن قرتنا جان بچا کر بھاگ گئی۔ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کی خواستگار ہوئی اور مشرف بہ اسلام ہو گئی تو آپ نے اسے معاف کر دیا اور اپنی پناہ میں لے لیا۔

سارہ نامی کنیز:

سارہ کنیز بھی آپ کے خلاف ہجو یہ کلام گاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عمرو بن ہاشم بن عبدالمطلب کی کنیز تھی۔ یہ وہی کنیز تھی جو حضرت حاطب کا خط لے کر مکے جا رہی تھی کہ گرفتار ہو گئی۔ ابن ہشام کے مطابق اسے معاف کر دیا گیا لیکن واقدی و امام طبری کے مطابق اسے قتل کر دیا گیا۔ صحیح بات یہی ہے کہ اسے ''یوم فتح'' کی خوشی میں معاف کر دیا گیا۔

مقیس بن حبابہ:

مقیس بن حبابہ لیثی کا بھائی غزوہ مریسیع (جنوری ۶۲۷ء مطابق شعبان ۵ھ) میں مارا گیا تھا۔ آپ نے خوں بہا ادا کر دیا تو وہ خاموش ہو گیا تھا۔ مگر اس کے دل میں انتقام کی آگ برابر سلگتی رہی۔ آخر ایک دن موقع پر کر اپنے بھائی کے قاتل (انصاری) کو شہید کر کے مکے بھاگ گیا اور مرتد و مشرک بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان سنگین جرائم میں ماخوذ ہونے کی وجہ سے نمیلہ بن عبداللہ نے اسے قتل کر دیا۔

حویرث:

حویرث بن نقیذ بن وہب مکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتا تھا، آپ کی ہجو لکھتا تھا اور لوگوں سامنے آپ کو برا بھلا کہتا تھا۔ ابن ہشام کے مطابق حضرت عباس سیدہ فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم کو مکے سے مدینے لے جا رہے تھے۔ دونوں اونٹ پر سوار تھیں کہ حویرث نے اونٹ کو لکڑی سے اس قدر زور سے مارا کہ وہ بھڑک کر تیزی سے دوڑنے لگا۔ دونوں سواری سے گر پڑیں اور انہیں کافی چوٹ آئی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی نے اسے قتل کر دیا۔

ہبار بن اسود:

ہبار بن اسود نے سیدہ زینب کو ہودج سے گرا دیا تھا۔ اس صدمے سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ فوت ہو گئیں۔ وہ

Marfat.com

ادھر ادھر چھپتا پھرا، آخر ایک دن مدینے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی اس نے کلمہ پڑھ لیا اور اسلام کی پناہ میں داخل ہو گیا۔

انقلابی اصلاحات:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ بیس روز تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ اس عرصے میں آپ نے شہر میں امن و امان قائم فرمایا اور حرم کعبہ کے تقدس کو دینی حیثیت دے دی۔ بنو خزاعہ نے بنو ہذیل کے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ آپ اس حرکت پر بہت ہی ناراض ہوئے اور مقتول کا خوں بہا ادا کر کے آپ نے اعلان فرمایا کہ حرم کعبہ کا احترام ہر ایک پر واجب ہے۔ حرم کعبہ کی حدود میں کسی کی جان لینا، درخت کاٹنا اور پرندوں اور جانوروں کو نشانہ بنانا قطعی حرام ہے۔ اگر کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا اسے سزائے موت دی جائے گی۔ آپ نے حرم کعبہ کے حدود متعین فرمائے۔ حضرت معاذ بن جبل کو دینی اصول سکھانے پر مامور فرمایا اور خود آپ نے اہل مکہ کو اپنی تعلیمات سے فیض یاب فرمایا۔ آپ نے امت مسلمہ پر واضح فرما دیا:

((ان الله حرم مكة يوم خلق السموات والارض، فهى حرام من حرام الى يوم القيامة، فلا يحل لا مرى ء يومن بالله و اليوم الاخر ان يسفك فيه دما، ولا يعضبد فيها شجرا ، لم تحلل لا حد كان نقبلى ، ولا تحل لاحديكون بعدى، ولم تحلل لى الا هذه الساعة))

آپ نے قریش کے فرسودہ نظام کو منسوخ فرما دیا، دور جہالت کی رسموں اور روایتوں کو باطل قرار دے دیا اور اسلامی اصول اور قوانین کی حکمرانی قائم فرما دی۔ اسی لیے آپ نے سقایہ اور سدانہ کے منصوبوں کے علاوہ امتیاز و تفاخر کی ساری نشانیاں مٹا دیں۔ حضرت عثمان بن طلحہ کو کلید برادری (سدانہ) کے عہدے پر اور حضرت عباس کو حاجیوں کو پانی پلانے کے منصب (سقایہ) پر بحال کر کے ریاست مکہ کے سارے نظام کو منسوخ قرار دے دیا۔

پھر مکہ مکرمہ کو اسلامی ریاست کا ایک صوبہ بنا کر دینی حکومت کے تابع بنا دیا۔ حرم میں بتوں میں چڑھاوا چڑھایا جاتا تھا جو کچھ ملتا تھا وہ سب خانہ کعبہ میں جمع تھا۔ آپ نے اس خزانے کو محفوظ رکھنے کا حکم دے دیا۔

ابھی آپ انتظامی و دینی معاملات طے کرنے میں مصروف ہی تھے کہ خبر ملی کہ ہوازن و ثقیف مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ اس لیے آپ بھی مجاہدوں کو لیکر ۶ شوال ۸ ہجری مطابق ۲۷ جنوری ۶۳۰ء کو ان سے مقابلہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے۔

اس عرصے میں مکہ مکرمہ میں بالکل امن و امان قائم رہا۔ آپ نے مجاہدوں کو لوٹ مار اور غارت گری کی سختی سے ممانعت فرما دی تھی۔ آپ نے حکم دے دیا تھا کہ وہ کسی شہری پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے اور نہ ہی انہیں جانی و مالی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ حتی کہ مہاجر اپنی املاک کو بھی حاصل نہیں کر سکتے جو وہ ہجرت کے وقت چھوڑ کر مکے سے مدینے چلے گئے تھے۔ البتہ آپ نے غریبوں کی امداد کے لئے بنو قریش کے رؤسا سے قرض ضرور لیا تھا۔

Marfat.com

واقدی کے مطابق صفوان نے پچاس ہزار درہم، عبداللہ بن ابی ربیعہ نے چالیس ہزار درہم اور جوبطب نے چالیس ہزار درہم بطور قرض آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ کل وصول شدہ رقم میں سے آپ نے حاجت مندوں میں سے ہر ایک کو پچاس پچاس درہم عطا فرمائے۔ ان میں سے کسی قریشی رئیس کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ انہیں کافی مہلت دی گئی تا کہ غور وخوض کے بعد اپنی خوشی سے حلقہ اسلام میں داخل ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے بعض واقعہ جعرانہ کے بعد مسلمان ہوئے تو انہیں اس وقت بھی انصار ومہاجرین نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

کامیابی کے اسباب:

''فتح مکہ'' اسلام کی فتح تھی، باطل پر حق کی فتح اور کافروں پر اللہ تعالیٰ کے نام لیواؤں کی فتح تھی۔ اسلام میں فطری کشش پائی جاتی ہے، مخالف سے مخالف ترین بھی آپ ہی آپ اس مرکز کی طرح بڑھتے گئے اور آخر کار اس کے دائرے میں شامل ہو گئے۔ دراصل اسلام نے ایسا ضابطہ حیات پیش کیا جس نے عربوں کو مفلوک الحالی اور سیاسی افراتفری کے عذاب سے نجات دلا کر انہیں فلاح وخوش حالی سے ہم کنار کر دیا۔ جو بھی اس ضابطہ حیات پر چلا، مادی وروحانی نعمتوں سے مالا مال ہو گیا۔ اس لیے دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی اور ''امت مسلمہ'' کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اسی کے ساتھ قریش کا دائرہ اقتدار محدود ہوتا گیا۔ ان کے ساتھیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ سب کو اپنی بقاء وسلامتی کی فکر ہو گئی۔ وہ یکے بعد دیگرے مشرف بہ اسلام ہو گئے یا پھر غیر جانب دار بن کر خاموش ہو گئے۔ یہ تھی عرب کی سیاسی ومعاشی حالت جب آپ اپنے حامی قبیلوں کو لے کر مکے گئے اور آسانی سے شہر پر قبضہ کر لیا۔

ہجرت کے بعد اہل مکہ نے مسلمانوں پر چڑھائی کی تو انہوں نے شام جانے والے تجارتی راستوں کو بند کر دیا۔ اس لیے وہ معاشی بدحالی کا شکار ہو گئے۔ ان کا سرمایہ اس قدر گھٹ گیا کہ ہر ایک نے اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر قربان کر دیا۔ ان کے سامنے اعلیٰ مقصد تو تھا نہیں۔ وہ سرمایہ داری کے نشے میں چور تھے اور جب ان کی سرمایہ داری پر ضرب کاری لگی تو وہ جھنجھلا گئے۔ ''معرکہ احزاب'' کے بعد ان کا دیوالہ نکل گیا، سامان خورد ونوش کی قلت ہو گئی اور مکے کی تجارتی منڈی سرد پڑ گئی۔ اسی کا اثر تھا کہ زعماء قریش میں پھوٹ پڑ گئی، امیہ ومخزوم کا اتحاد ختم ہو گیا اور وہ خود ہی آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ اسی حالت میں آپ نے مکے پر فوج کشی کی تو بنو امیہ کے رہنما ابوسفیان نے ہتھیار ڈال دیئے، مخزوم کے سراغنہ مزاحمت میں بری طرح ناکام ہوئے اور آپ فاتحانہ شان سے شہر میں جنگ وجدال کے بغیر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

فتح مکہ کی اہمیت:

اعلان حق کے بعد ہی قریش نے آپ کے خلاف محاذ بنا کر آپ کی مخالفت شد ومد سے شروع کر دی تھی۔ انہوں نے نئے دین کو تسلیم نہیں کیا، مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ان سے قومی ومذہبی حقوق چھین لیے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر انہوں نے طرح طرح کے مظالم ڈھائے، آپ کو تعذیب وایذا کا نشانہ بنایا اور پھر بھی آپ کو زیر نہ کر سکے تو آپ کے قتل کا منصوبہ بنا ڈالا۔ عاجز آ کر مسلمان ہجرت کر کے حبشہ ومدینہ طیبہ چلے گئے تو وہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ آپ نے ہجرت کر کے یثرب کو اپنا مستقر بنایا اور اسے ''مدینۃ النبی'' کی منزلت پر پہنچا دیا تو وہ جنگ وجدال پر اتر آئے۔ اس طرح کفر واسلام اور حق وباطل میں مسلسل کشمکش شروع ہو گئی۔ بدر، احد اور احزاب کے معرکوں میں یہ کشمکش پورے زور وشور

Marfat.com

سے جاری رہی، جس کا زور متحدہ محاذ کے منتشر ہونے پر ٹوٹ گیا۔ صلح نامہ حدیبیہ میں حق و باطل کی کشمکش آخری مرحلے پر پہنچ گئی۔ اسلام کی طاقت بڑھنے لگی، کفر پسپا ہونے لگا، حق کو غلبہ حاصل ہوتا گیا اور آخر کار باطل پراگندہ اور منتشر ہو گیا۔ ''فتح مکہ'' سے کفر کے بادل چھٹ گئے، توحید الٰہی سے عرب کی فضا معطر ہو گئی، حق غالب آ گیا اور باطل کی قوتیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا ہو گئیں۔ اس لیے صحیح معنوں میں اسلام کو غلبہ ''فتح مکہ'' سے حاصل ہوا، بت پرستی مٹ گئی، اس کے علم بردار اسلام کی پناہ میں داخل ہو گئے اور عرب کے گوشے گوشے سے اس کے آثار مٹا دیئے گئے۔

معاہدہ حدیبیہ سے فتح و کامرانی کا دور شروع ہوا، اسی لیے مؤرخ اسے ''فتح مکہ'' کا دیباچہ و مقدمہ تصور کرتے ہیں، ورنہ اصل فتح تو ''فتح مکہ'' ہی ہے۔ صلح نامہ حدیبیہ سے حق و باطل کی کشمکش فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو گئی۔ دراصل فیصلے کا دن تو ''فتح مکہ'' کا دن تھا، وہ مبارک دن جب کہ باطل نے اپنی شکست مان لی اور حق کے سامنے مکمل طور سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پسپا ہو گیا۔

اسی لیے ارباب سیر نے ''فتح مکہ'' کو صرف تاریخی لفظ ''فتح'' سے ہی موسوم کر دیا، حتیٰ کہ فتح مکہ کے مبارک دن کو 'یوم فتح' کے تاریخی نام سے پکارنے لگے۔ ''سورۂ حدید'' اور ''سورۂ نصر'' میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسے صرف ایک ہی لفظ ''فتح'' ہی سے یاد کیا ہے۔ اس طرح ''فتح مکہ'' کا واقعہ تاریخ اسلام کا سب سے اہم واقعہ بن گیا۔ اس قدر اہم کہ خود یہ واقعہ ہی مجسم فتح بن گیا۔ فتح کے معنی نزول برکت الٰہی کے بھی ہیں۔ گویا فتح مکہ سے مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور رحمتوں کی بارشیں نازل ہونے لگیں اور وہ دنیوی و اخروی سعادتوں اور جزاؤں سے مالا مال ہو گئے۔

فتح کے معنی دو فریقوں میں فیصلہ کرنے کے بھی ہیں۔ اس لحاظ سے فتح مکہ کی بدولت کافروں اور مسلمانوں میں اٹل فیصلہ ہو گیا، مکے کے کافروں نے اپنی ہار مان لی، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اور مدینہ کی اسلامی ریاست کی پناہ میں آ گئے۔ فتح مکہ سے پہلے غیر یقینی کیفیت برقرار تھی۔ اسی لیے شکوک و شبہات کے بادل بدستور عرب کی فضا پر منڈلاتے رہے۔ فتح مکہ کی بدولت عرب کا سیاسی مطلع صاف ہو گیا۔ اب دنیا کو معلوم ہو گیا کہ قریش کی انفرادی حیثیت ختم ہو گئی، وہ خود دائرہ اسلام میں داخل ہو کر امت مسلمہ کا ایک جزو بن گئے اور اسے فروغ دینے کیلئے انہوں نے اپنی زندگی مکمل طور سے وقف کر دی۔

مسلمان عرصہ سے اس فتح کے منتظر تھے۔ چاروں طرف کفر و نفاق اور جنگ و جدل کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ فتح بدر نے ان بادلوں کو منتشر تو کر دیا مگر فضائے بسیط بدستور مکدر رہی۔ معرکہ احد کے بعد تو مسلمانوں کے لئے حالات ناساز گار ہو گئے لیکن کافروں کی حالت بھی مستحکم نہیں ہوئی۔ معرکہ احزاب میں کفر و نفاق کی طاقتوں نے متحد ہو کر اسلام کو مٹانے کیلئے پورا زور لگا دیا مگر قدرت نے انہیں منتشر کر دیا۔ پھر بھی مسلمانوں کو فیصلہ کن فتح حاصل نہیں ہوئی تو منافق و کافر مذاق اڑانے لگے کہ آخر وہ فیصلے کا دن کب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت فیصلے کے لئے سازگار ماحول پیدا ہو گیا۔ آخر وہ دن آ ہی گیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے مکے میں داخل ہو گئے، خانہ کعبہ بتوں سے پاک ہو گیا اور سارا مکہ مکرمہ مقدس و مطہر حرم قرار دے دیا گیا۔ اس طرح فتح مکہ کے مبارک اور تاریخی دن میں مسلمانوں کو قریش پر مکمل اور فیصلہ کن فتح حاصل ہو گئی۔ اسی لیے اسے مورخوں نے فتح عظیم قرار دے دیا۔ اس دن مسلمان

Marfat.com

کافروں کے مقابلے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جیت گئے، انہیں مکمل طور سے تسلط حاصل ہو گیا اور مکہ مکرمہ اسلامی ریاست مدینہ میں شامل ہو کر اس کا ایک حصہ بن گیا۔ اس طرح فتح مکہ کی بدولت مسلمانوں کو فیصلہ کن فتح بھی حاصل ہوئی اور دنیا کے سب سے مقدس مقام پر ان کا قبضہ بھی ہو گیا۔

سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں فرما دیا کہ صلح نامہ حدیبیہ سے دشمنوں پر مسلمانوں کی فتوحات کا باب کھل گیا۔ اب تو انہیں شاندار سے شاندار فتوحات حاصل ہونے لگیں۔ دور رسالت میں ان فتوحات میں سے سب سے اہم اور فیصلہ کن فتح فتح مکہ ہی ہے۔ صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت مسلمانوں کو سارے عرب پر چھا جانے کا موقع ملا لیکن فتح مکہ کی بدولت قریش اور اسلامی ریاست مدینہ کے درمیان دینی وقومی تنازعات کا فیصلہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہو گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ان نعمتوں اور برکتوں میں شمار کیا ہے جو اس نے اپنے ماننے والوں پر نازل فرمائیں۔ ایسی نعمتیں اور برکتیں جو اللہ تعالیٰ کی تائید، نصرت واعانت کے بغیر کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

صلح نامہ حدیبیہ سے نہ صرف قریش پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی بلکہ تاریخ اسلام کی شاندار فتوحات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر فتح مکہ دور رسالت کی پہلی اور آخری فیصلہ کن فتح ہے جس کی بدولت کفر وشرک کے نشانات عرب کے گوشے گوشے سے مٹ گئے۔

حطی لکھتے ہیں:

> ''عہد قدیم کی تاریخی داستانوں میں مشکل سے کسی طاقت کے اس طرح فاتحانہ شان سے داخلے کی مثال نظر آئے گی۔ مکہ میں اسلامی لشکر کا فاتحانہ شان سے داخلہ اور غیر مسلم دشمنوں سے فیاضانہ سلوک عالمی تاریخ میں ایک نادر مثال ہے۔''

سچی بات تو یہی ہے کہ عالمی تاریخ کی ساری فتوحات میں ایسی فاتحانہ شان سے داخلہ کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

''فتح مکہ'' کی بدولت نئے دین (اسلام) کو کفر ونفاق پر فیصلہ کن فتح حاصل ہو گئی۔ اب اسے نہ صرف عرب میں فروغ حاصل ہوا بلکہ دنیا کے تاریخی مرکزوں تک پھیلنے کا موقع بھی مل گیا۔ اس زمانے میں کون یقین کر سکتا تھا کہ فتح مکہ کے بعد محض تیس سال کے مختصر سے عرصے میں اسلام شام، مصر، فلسطین اور ایران کے کونے کونے میں پھیل جائے گا اور محض اپنی روحانی طاقت سے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو پاش پاش کر دے گا۔ اس لحاظ سے فتح مکہ سے زیادہ اہم عالمی تاریخ میں کوئی اور واقعہ نہیں مل سکتا۔ اسی لیے فتح مکہ کو حیات نبوی کی معراج سمجھا جاتا ہے۔ اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے بوڈلے تحریر کرتے ہیں:

> ''اب آپ تھک چکے تھے۔ آپ کو آرام کی ضرورت تھی۔ چند ایام ہی میں آپ عرب کے سب سے طاقتور حکمران بن گئے۔ اب آپ پایۂ اسلام بھی تھے اور قیصر عرب بھی۔ ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا (صلح حدیبیہ کے بعد) کہ آپ ہی وہاں کی واحد طاقت اور ایک ملت، ایک قوم اور ایک دین کے بانی اعظم بن گئے، لیکن اس کارنامے کی وجہ سے آپ آپے سے باہر نہیں ہو گئے۔ ہاں! آپ کو یہ مسرت ضرور ہوئی کہ دنیا کا حقیقی قبلہ ''خانہ کعبہ'' ناپاک بتوں سے مطہر ومنزہ ہو گیا۔ اگر

Marfat.com

آپ کا وصال اسی رات (فتح مکہ کی رات) ہو جاتا، تب بھی آپ انتہائی سکون سے اس عالم فانی سے رخصت ہو جاتے۔ صرف اس لیے کہ آپ نے اپنے مقصد حیات کے سب سے اہم عنصر کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا، لیکن محمد کا وصال اسی رات نہیں ہو گیا وہ کچھ عرصے اور زندہ رہے مگر آپ کی زندگی اس شام زریں کو منتہائے عروج پر پہنچ گئی تھی جس وقت آپ نے اس گوہر مقصود کو پالیا جس کی خاطر آپ اب تک جدوجہد فرما رہے تھے۔ ایسی مثال شاذ و نادر ہی ملے گی کہ کسی نے اپنا گوہر مقصد خود اپنی زندگی میں ہی پالیا ہو اور ایسی نظیر تو اور بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی کہ گوہر مقصود حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے آپ میں رہا ہو اور اخلاقی اقدار کو اس نے ہاتھ سے نہ جانے دیا ہو۔ ۱۰ جنوری ۶۳۰ء اور ۸ ہجری، فتح مکہ کی شام کو محمد اپنی چٹائی پر بالکل اسی طرح سوئے جس طرح آپ خاندان خدیجہ بنت خویلد کی طرف سے سامان تجارت لے کر بحالت سفر سوئے تھے۔"

فتح مکہ کے نتائج:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((اذا جآء نصر الله والفتح o ورايت الناس يدخلون فى دين الله افواجاo فسبح بحمد ربك واستغفره انه كان توابا o))

"جب اللہ کی مدد آ گئی اور فتح حاصل ہو گئی اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا تو پھر آپ اپنے رب کی حمد و ثنا بیان فرمایئے اور اسی سے مغفرت مانگیے۔ یقیناً وہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

ارباب السیر اور مفسرین متفق ہیں کہ اس آیت میں فتح سے فتح مکہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مکے پر اسلامی پرچم لہرانے کے بعد کافروں کا زور گھٹ گیا اور قریش کے علاوہ دوسرے قبیلے بھی جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے کونے کونے سے قبیلوں کے وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطاعت و وفاداری کا اعلان کر کے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ ان سے تحریری معاہدے ہوئے اور انہوں نے آپ کے نمائندوں کو اپنی بستیوں میں تبلیغی و انتظامی امور سرانجام دینے کے لئے آنے کی اجازت دے دی۔ اس لیے اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور اسلامی ریاست مدینہ کی سلامتی و بقا کے لئے ٹھوس کام بھی ہوتا رہا۔ "سورۂ نصر" میں اسی حقیقت کو صاف، واضح لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

فتح مکہ سے کفر و دین میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فیصلہ ہو گیا۔ آج کفر کی ساری قوتیں ٹوٹ گئیں، دشمنوں کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے اور اسلام کی فتح کا جھنڈا مکہ کی "چار دیواری" پر بلند ہو گیا۔ اس طرح فتح مکہ نے عرب کی بت پرستی کا فیصلہ کر دیا۔ جو لوگ ابھی تک اپنی خوبصورت ماہتابی دیویوں لات، منات اور عزی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس قلعہ کے سقوط نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ مکے والوں کی اطاعت سے دوسرے صحرائی قبائل بھی بہت ہی متاثر ہوئے اور ان قبائل کی طرف سے جو مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے، اتحاد و اطاعت کے لئے وفود آنے شروع ہو گئے۔ وحشیانہ

Marfat.com

بہادری، خونریزی اور کفر کی ایک گھٹا جو اس ملک پر چھا رہی تھی ہمیشہ کیلئے کھل گئی اور زمانہ جاہلیت ختم ہو گیا۔

شہری ریاست مکہ کا خاتمہ:

فتح مکہ سے وہ شہری ریاست ختم ہو گئی جس کے بانی قصی تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جس کے سرگرم کارکن ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان تھے۔ اب تو وہ اسلامی ریاست مدینہ میں مدغم ہو کر اس کا ایک صوبہ بن گئی۔ آپ نے سربراہ ریاست کی حیثیت سے بنوامیہ کے ایک سرگرم مجاہد حضرت عتاب بن اسید کو اس صوبہ کا گورنر اور حضرت معاذ بن جبل کو معلم و مبلغ کی حیثیت سے مقرر کر دیا۔ اسی کے ساتھ ہی آپ نے دور جہالت کی فرسودہ رسموں کو منسوخ کر کے نئے دور کا افتتاح فرمایا۔ دور جہالت کے انتظامی، قومی اور مذہبی ادارے توڑ دیئے گئے، شرک و بت پرستی کی رسموں اور روایتوں کو باطل قرار دے دیا گیا اور نئے دین کے نئے نظام حیات کو نافذ کر کے تہذیب و تمدن کی شمع جلا دی گئی۔

ویٹ نے اس بات کو اور بھی واضح الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''ان تمام اقدامات سے ہمیں قائل ہونا پڑتا ہے کہ محمد کو اپنے کاز، اپنی بصیرت اور اپنی دور اندیشی پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اسی وقت سے جب کہ آپ کی امت چھوٹی سی تھی اور وہ محض اپنی بقاء و سلامتی کی خاطر دشمن سے بچاؤ کیلئے ادھر ادھر ہاتھ مار رہی تھی، آپ کے ذہن میں اس متحدہ عرب کا تصور نقش ہو چکا تھا جس کی توسیع کے لئے اہل مکہ نیا کردار ادا کریں گے۔ وہ کردار جو تاجر و سوداگر کے کردار سے کم اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ شروع شروع میں وہ آپ کی تحریک سے بہت ہی پریشان ہوئے اور طیش میں آ گئے، پھر آپ نے انہیں رام کرنے کی کوشش کی اور وہ نہ مانے تو آپ نے ایسی کارروائی کی کہ ان کے حواس جاتے رہے اور اب عملی طور سے وہ سب کے سب حتی کہ ان کے سب سے بڑے قائد بھی آپ کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ ساری دنیا آپ کی مخالف تھی، کامیابی کے آثار ہی نظر نہیں آ رہے تھے، پھر بھی انتہائی اعتماد کے ساتھ آپ اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہی گئے۔ اگر ہمیں ان واقعات کی تاریخی حیثیت کا یقین نہ ہوتا تو پھر گنتی کے چند لوگ ہی اسے بہت بڑا کارنامہ سمجھتے کہ مکے کا دھتکارا ہوا (نعوذ باللہ) رسول دوبارہ فاتحانہ شان سے اسی شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔''

اب قریش کے وہی ظالم، سرمایہ پرست جو اسلام کے مخالف اور آپ کے کٹر دشمن تھے، نئے دین کے علم بردار اور آپ کے بندۂ بے دام بن گئے۔ حضرت ابوسفیان نے آخری دم تک اسلام کی خدمت دل و جان سے کی۔ انہوں نے طائف میں لات کے بت کدے کو منہدم کرنے میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نجران کے گورنر رہے، پھر اسلامی فتوحات میں برابر سرگرمی سے حصہ لیتے رہے حتیٰ کہ معرکہ یرموک میں انہوں نے نمایاں تاریخی کردار ادا کیا۔ اسی طرح آپ نے حضرت عکرمہ کو ہوازن کی بستی میں صدقہ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا۔ ''تحریک ردہ'' میں انہوں نے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔ وصال رسول کے بہت سے عرب مرتد ہو گئے، انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور جھوٹے نبیوں کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ حضرت عکرمہ نے اس تحریک کو کچلنے میں بڑھ چڑھ

Marfat.com

کر حصہ لیا اور عمان میں تو مرتدوں کے خلاف اسلامی فوج کی قیادت بھی سر انجام دی۔ اس کے بعد بھی انہوں نے دوسری جنگوں میں برابر حصہ لیا، آخر کار شام میں دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے:

''یارسول اللہ! میں نے آپ کے خلاف لڑائیوں میں جس قدر خرچ کیا ہے اتنا ہی میں اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔ میں نے لات وعزیٰ کی خاطر اپنی جان کی پرواہ نہ کی، اب میں اسی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔''

ان کی یہ آرزو اللہ تعالیٰ نے پوری کی اور وہ اسی کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

قریش کے دوسرے رئیسوں نے بھی اسلام کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ حضرت حارث بن ہشام (مخزوم) اور حضرت نصیر بن حارث (عبدالدار) بھی شام کی لڑائیوں میں شہید ہو گئے تھے۔ حضرت صفوان بن امیہ اور حضرت سہیل بن عمرو دونوں مکے ہی میں رہ گئے تھے، لیکن ان دونوں نے شہر ہی میں دین کی خاطر کافی کام کیا۔ وصال رسول کے بعد فسادیوں نے سر اٹھایا تو حضرت سہیل نے انہیں پوری طرح دبا دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والوں میں وہ بہت ہی متقی و پرہیز گار تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے قریشی رئیس مدینے چلے گئے تھے۔ حضرت مخرمہ بن نوفل الزھری، حضرت سعید بن یربوع، حضرت حویطب بن عبدالعزی اور حضرت حکیم بن حزام نے بھی دین کی خدمت میں سرگرمی سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور صحت مند اسلامی معاشرے کے مخلص و سرگرم کارکن بن گئے۔

قبیلوں پر نفسیاتی اثر:

فتح مکہ کے بعد قریش کی اس ریاست کا خاتمہ ہو گیا جو حق و صداقت کے خلاف برسر پیکار تھی۔ اس کشمکش میں بہت سے قبیلوں نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ قریش کے حلیف و اتحادی تھے۔ رشتہ داری کی وجہ سے بھی وہ ان کا ساتھ دیتے تھے، پھر وہ سیاسی طاقت کے مالک بھی نہیں تھے، اس لیے انہوں نے قریش کے دامن میں پناہ لی اور دوسروں کے شر سے محفوظ و مامون ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان ہونے کے بعد کوئی بھی ان کا ساتھ نہیں دے گا اور وہ آسانی سے قریش کے غیظ و غضب کا شکار ہو جائیں گے، لیکن فتح مکہ کے بعد انہیں قریش کے پنجے سے نجات مل گئی۔ اب وہ آزادی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کی تعلیمات سے مستفیض ہونے لگے۔ اسلام کے مبلغ بھی آزادی سے ان کی بستیوں کا دورہ کرنے لگے۔ وہ اسلام کے اصول انہیں سمجھاتے اور ان کے سوالوں کا جواب دے کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔ آخر کار اسلام نے ان کے دلوں کو مسخر کر لیا اور وہ آپ ہی آپ اس کے دامن امن و عافیت میں پناہ لینے لگے۔

قبیلوں کی ایک جماعت نے حق و باطل کی اس کشمکش میں کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قریش پر وہی فریق غالب آ سکتا ہے جو حق پر قائم ہو۔ ان کے دلوں میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر مسلمان قریش کو ہرا کر مکہ فتح نہیں کر سکتے۔ اس لیے فتح مکہ سے انہیں یہ راز معلوم ہو گیا کہ مسلمان حق پر تھے اور حق کی خاطر جہاد کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا ساتھ دیا، قریش ذلیل و خوار ہو گئے اور مکہ پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ ساٹھ برس پہلے اسی مکہ مکرمہ پر حبشہ کے طاقتور حکمران ابرہہ نے حملہ کیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

گھر کو تباہ کرنے آیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے عبرتناک سزا دی اور ابابیلوں کی فوج نے اسکے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا، لیکن اسی مکہ مکرمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے داخل ہوئے، قریش نے ہتھیار ڈال دیے اور خانہ کعبہ پر اللہ تعالیٰ کے پرستاروں کا قبضہ ہو گیا۔ اس انقلابی فیصلے سے اب ان کی سمجھ میں آ گیا کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں اور اسلام اللہ تعالیٰ کا عطا کیا دین ہے۔ اس لیے وہ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست اقدس پر بیعت کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور راہ حق میں سرگرمی سے کام کرنے لگے۔

قبیلوں کے اس طرز عمل کا نفسیاتی تجزیہ صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن سلمہ کی اس روایت میں کیا گیا ہے:

((فیقولون اترکوہ وقومہ ، فانہ ان نظفر علیھم فھو نبی صادق))

''قبائل کا تو یہی کہنا تھا کہ آپ اور آپ کی قوم کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ پس اگر آپ ان کے مقابلے میں ظفریاب ہوئے تو پھر ظاہر ہے کہ آپ ہی نبی صادق، سچے رسول ہوئے۔''

فتح مکہ سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

فتح مکہ اسلام کی غالباً غزوہ بدر کے بعد سب سے بڑی فتح تھی مگر مال غنیمت کے اعتبار سے وہ کسی شمار و قطار میں نہیں آتی۔ چونکہ بعض روایات میں کچھ ''مال'' ملنے کا حوالہ آتا ہے اس لیے اس کو بھی یہاں بیان کرنا ضروری ہے۔ عام طور سے قریش مکہ نے اسلام کی سیاسی، فوجی اور مذہبی طاقت سے مرعوب ہو کر مقابلہ سے پہلو تہی کی تھی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عام معافی بھی دیدی تھی، اس لیے مال غنیمت ملنے کا سوال ہی نہیں تھا، لیکن قریش کے بعض جوشیلے جوانوں اور قبیلہ ہذیل کے بعض جھگڑالو جنگجوؤں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے شہسوار دستے سے بلاوجہ مقابلہ کیا اور مارے گئے۔ غالباً ان کا مال مسلمانوں کو ملا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ایک قریشی جنگجو ابن خطل نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے تھے جن میں ان کا زرہ بکتر، اس کے اندر پہننے کی صدری اور سوتی اور آہنی خود شامل تھے۔ مجاہدوں نے اس کے گھوڑے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔

مؤرخ یعقوبی کی روایت ہے کہ کچھ مال خانہ کعبہ کے اندر بھی پایا گیا تھا جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسلم غازیوں کو عطا کر دیا تھا اور اس کو عام تقسیم کے طریقے کے مطابق نہیں بانٹا تھا۔

بت پرستی کے خلاف جہاد

مشہور ترین مہمیں:

فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کے اڈوں کو مسمار کرنے کیلئے مندرجہ ذیل مہمیں روانہ کیں:

1: ذوالخلصہ (الخالصہ) کی تباہی۔ 2: فلس کی تباہی۔ 3: لات کی تباہی۔

ذوالخالصہ کی تباہی (صفر ۸ ہجری بمطابق مئی و جون ۶۳۰ء):

جنوبی عرب کے شہر تبالہ میں ''ذوالخالصہ'' کا بت کدہ واقع تھا جسے باجلہ اور خثعم کے عرب پوجتے تھے۔ صفر ۹ ہجری میں

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر باجلہ کے رئیس حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نے ڈیڑھ سو مجاہدوں کے ساتھ تبالہ پر دھاوا بول دیا۔ شدید گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور ''ذوالخالصہ'' کے بت کدے کو مسمار کر دیا گیا۔ ابن اسحاق کے مطابق اسی جنگ کے بعد خشعم کے سردار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلایا۔ اسی طرح حضرت جریر بن عبداللہ کی مساعی سے ان کی قوم بت پرستی ترک کر کے اللہ واحد کی پرستار بن گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ''تحریک ردہ'' کے کچلنے میں بھی انہوں نے سرگرمی سے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

فلس کی تباہی (ربیع الثانی ۹ ہجری بمطابق جولائی، اگست ۶۳۰ء):

بنو طے ''فلس'' یا ''فلوس'' کی پرستش کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ڈیڑھ سو مجاہدوں کے ساتھ ''فلس'' کے بت کدے کو منہدم کرنے کیلئے روانہ فرمایا۔ جنگ میں کافروں کو شکست ہوئی اور مجاہدوں نے فلس کے بت کدے کو مسمار کر دیا۔ اسی مہم کے بعد بنو طے میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پروانہ امن و سلامتی عطا فرمایا اور بنو طے کے مشہور رئیس حاتم طائی (عدی) کو اپنے قبیلے سے صدقات وصول کرنے پر مامور کر دیا۔

لات کی تباہی (رمضان ۹ ہجری بمطابق دسمبر ۶۳۰ء):

طائف میں بنو ثقیف اپنی دیوی لات (ربہ) کی پرستش کرتے تھے۔ معرکہ حنین کے بعد ان کے وفد نے حاضر ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کی دیوی لات کے بت کدے کو مسمار نہ کیا جائے مگر آپ نے دوٹوک انداز میں صاف صاف جواب دے دیا۔ پھر آپ کی ہدایت پر حضرت مغیرہ بن شیبہ، حضرت ابوسفیان اور حضرت خالد بن ولید نے طائف جا کر لات دیوی کے معبد کو زمین دوز کر دیا۔

حضرت خالد بن ولید نے نخلہ میں جا کر ''عزیٰ'' دیوی کے بت کدے کو مسمار کر دیا۔ اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین مثلل میں واقع ''منات'' دیوی کا مندر گرا دیا گیا۔ بنو مزحج کی شاخ خولان نے بھی اپنے دیوتا ''عم انس'' کے بت کدے کو رسول کے حکم پر تباہ کر دیا۔ حمیر اور سعد عشیرہ کے مسلمانوں نے بھی آپ کی ہدایت پر اپنے اپنے بتوں کے معبد تباہ کر دیئے تھے۔ اسی طرح محاصرہ طائف سے قبل ہی حضرت طفیل بن عمرو دوسی کی ایما پر لکڑی سے بنے ہوئے بت ''ذوالکفین'' کو جلا دیا گیا تھا۔ الغرض جس علاقے، شہر یا قبیلے میں بتوں کے مجسمے، مندر اور بت کدے تھے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر مجاہدوں نے مسمار و منہدم کر کے بت پرستی کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

صنم کدوں کے خلاف مہمات سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

فتح مکہ کے بعد جو مہمیں جھوٹے خداؤں کے گھروں کو ڈھانے کے لیے بھیجی گئی تھی سب کی سب غنیمت سے خالی نہ تھیں۔ ان میں سے بعض میں اچھا خاصا مال ملا تھا۔ روایات کے مطابق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ کے صنم کدے سے کچھ زیورات ملے تھے جو وہاں چڑھاوے کے طور پر چڑھائے جاتے تھے مگر ان کی تعداد یا ان کی مالیت کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اسی طرح طائف کے صنم کدہ ''لات'' میں کچھ زیورات، سونے ہیرے پر مشتمل دوسرا مال ملا تھا۔ اس مال کو تقسیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ طائف وثقیف کے دو فرزندان اسلام کا قرض اتارنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا حالانکہ ان کے قرض خواہ قبیلہ والوں نے ان کو محض اسلام کی بنا پر قتل کر دیا تھا۔

Marfat.com

یہ ممکن ہے کہ اس نوع کی بعض دوسری سرایا کی کارروائیوں کے نتیجے میں کچھ اور مال ہو لیکن ان سے متعلق روایات میں اس کا کوئی پکا ثبوت یا قطعی قرینہ نہیں ملتا۔ بہر حال مذکورہ بالا مہموں میں مال غنیمت ملنے کے سبب یہ امکان زیادہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ملا ضرور تھا۔ اندازہ ہے کہ اس کی مالیت کچھ زیادہ نہ تھی۔ اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ ان کی تقسیم کا ذکر مآخذ کی روایات میں نہیں ملتا۔ دوسرا یہ کہ لات کے صنم کدہ سے ملنے والی غنیمت کو دو مسلمانوں کو قرض اتارنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ تیسرے یہ کہ صنم کدوں میں عام طور پر چڑھاوے چڑھتے تھے جو وہاں محفوظ بھی رکھے جاتے تھے جن سے ان کے پجاری متمتع بھی ہوتے تھے۔

فتح مکہ کے بعد کے واقعات

عام الوفود:

فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری (۶۳۰ء) میں قبیلوں کے وفد اس کثرت سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے کہ اس سال کا نام ہی ''عام الوفود'' یا ''سنۃ الوفود'' ہو گیا۔ وہ اخلاق نبوی کے اچھوتے اور بے مثال مظاہروں سے بہت ہی متاثر ہوئے اور اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے۔ صحابہ کرام نے بھی اسی کردار کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے وفد کے اراکین کو اپنے اپنے گھروں میں رکھا، خوب خاطر مدارت کی اور واپسی پر نہ صرف زاد راہ کا انتظام کیا بلکہ حسب مراتب انہیں تحفے بھی پیش کئے۔

تبلیغ واشاعت اسلام:

اس باہمی رابطے کی وجہ سے اسلام برق رفتاری کے ساتھ قبیلوں میں پھیلنے لگا۔ مسلمان ہونے کے بعد لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، دینی تعلیم حاصل کرتے اور دیدار رسول سے اپنی آنکھیں کو ٹھنڈی کر کے واپس اپنی بستی میں چلے جاتے۔ آپ ان میں ہی سے کسی کو ان کے قبیلے کا معلم مقرر فرما دیتے تھے۔ وہ واپس جا کر اپنی اپنی قوم کے سامنے اسلام کی افادیت پر روشنی ڈالتے اور موٹے موٹے اصول سمجھا کر انہیں دعوت دیتے تھے۔ وہ خلوص ومحبت کے پیکر تھے، اسی لیے ان کی بات رائیگاں نہیں جاتی اور لوگ متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انہی کے قبیلے کا معلم بنا دیا، ان کی ان تھک کوششوں سے اس قبیلے کے ستر اسّی خاندان مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح قبیلہ ''صداء'' میں حضرت زیاد بن حارث کی کوششوں سے اسلام پھیلا۔ حضرت ثمامہ بن اثال نے اپنے قبیلہ بنو حنیفہ میں اشاعت اسلام کے فرائض انجام دیئے۔ حضرت زید الخیل مسلمان ہوئے تو آپ نے ان کا نام ''زید الخیر'' رکھ دیا۔ انہوں نے بھی آپ کی ہدایت پر تبلیغ کا کام سرگرمی سے انجام دیا اور بنو طے کے بہت سے لوگ ان کی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممتاز صحابہ کرام کو بھی قبیلوں میں دین اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت خالد بن ولید کو (رمضان ۸ ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء) ۳۵۰ مجاہدوں کے ساتھ بنو جذیمہ (کنانہ) کے پاس بھیجا تھا۔ اس قبیلے کے بہت سے لوگ پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے لیکن حضرت خالد ان کی باتوں سے مشکوک ہو گئے۔ ابن اسحاق

Marfat.com

کے مطابق آپ نے انہیں داعی ومبلغ بنا کر بھیجا تھا نہ کہ جنگ وجدال کے لئے، لیکن جب بنو جذیمہ نے اپنے ایک ساتھی کے بھڑکانے پر ہتھیار ڈالنے میں لیت ولعل سے کام لیا تو وہ اور بھی مشکوک ہو گئے۔ اس لیے انہیں گرفتار کر کے ہر ایک کے ہاتھ مونڈھوں پر بندوا دیئے۔ صبح ہوئی تو ان کے حکم سے ہر مجاہد نے اپنے اپنے قیدی کی گردن اڑا دی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی متأسف ہوئے اور حضرت خالد بن ولید سے باز پرس بھی فرمائی۔ پھر تالیف قلبی کے لئے حضرت علی کو ان کے پاس بھیجا گیا۔ انہوں نے حسب مراتب مقتولوں کے ورثا کو دیت عطا کی، ضائع شدہ سامان کا معاوضہ دیا اور اسلامی اخلاق سے مسخر کر کے ان کے دل جیت لیے۔ پھر بھی جو رقم بچ گئی اسے مقتولوں کے دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔

ایک مؤرخ لکھتا ہے:

''اس فیاضی ورواداری سے مظلوموں کے دل خوشی سے معمور ہو گئے اور حضرت علی ان کی دعائیں لیکر واپس مدینہ چلے گئے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت ہی خوش ہوئے اور ان کی گران قدر خدمات کو سراہا، پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا:

((اللھم انی ابرا الیك مما صنع خالد بن ولید))

''اے اللہ! جو کچھ بھی خالد نے کیا میں اس سے بری الذمہ ہوں۔''

ہمدان میں حضرت خالد نے اسلام کی خاطر کافی کام کیا، پھر بھی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی تو حضرت علی کو وہاں بھی بھیجا گیا اور ان کے فیضان سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ بنو حارث کے علاقوں میں بھی حضرت خالد گئے تھے۔ ان کی کوششوں سے وہاں اسلام پھیل گیا، تو آپ بہت ہی خوش ہوئے اور انہیں واپس مدینہ منورہ بلا لیا۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام کو اشاعت اسلام کے لئے بھیجا گیا اور ان کی کوششوں سے ہر قبیلے میں اسلام تیزی سے پھیل گیا۔

دعوت اسلام:

فتح مکہ کے بعد وقت آیا کہ دور دراز کے علاقوں میں بھی اسلام کی منادی کی جائے اور شاہ وگدا اور امیر وغریب ہر ایک کو سچائی کی دعوت دی جائے۔ اسی لیے آپ نے عرب رئیسوں کے پاس اپنے سفیر بھیج کر اسلام کا پیغام پہنچایا اور اسے قبول کرنے کی دعوت دی۔ ابن اسحاق نے ان تمام سفیروں کی فہرست درج کی جنہیں آپ نے ''فتح مکہ'' کے بعد یمن، بحرین اور عمان کے حاکموں اور سرداروں کے پاس اسلام کا پیغام پہنچانے کیلئے بھیجا تھا۔

بت پرستی غیر قانونی قرار دے دی گئی:

فتح مکہ کے بعد بت پرستی کے آثار مٹانے کیلئے دور رس اقدامات کیے گئے۔ آخر کار ذوالحج ۹ ہجری (مارچ واپریل ۶۳۰ء) میں حج اکبر کے موقع پر کفر وبت پرستی سے ہر قسم کا رشتہ توڑ لیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حاجیوں کو مناسک حج کی تعلیم دی اور حضرت علی نے سورۂ توبہ کی چالیس آیتیں سنائیں جن کے مطابق کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس طرح سرکاری وقانونی طور سے کفر والحاد اور شرک وبت پرستی کو باطل قرار دے دیا گیا۔ اگلے سال ۱۰ ہجری میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ یہ آپ کا آخری حج تھا۔ اسی لیے اسے ''حجۃ الوداع'' کہتے

Marfat.com

ہیں۔اس موقع پر خود آپ نے اعلان فرمادیا:

''ہاں! جاہلیت کے سارے دستور و مراسم میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔''

اس اعلان کے بعد دین اسلام کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے صحابہ کرام کے دامن کو مالا مال کر دیا۔

سریہ نجد

جارحیت کی سرکوبی:

فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ وصول کرنے کیلئے صحابہ کرام کو ان علاقوں میں بھیجا جہاں اسلام پھیل چکا تھا۔ ان علاقوں میں کافروں کی اکثریت تھی۔ وہ جارحیت پر اتر آئے اور آپ کے عاملوں کو تنگ کرنے لگے۔ آپ نے بھی ان تخریبی عناصر کی سرکوبی کے لئے جوابی کارروائی فرمائی۔ واقدی اور ابن سعد کے مطابق محرم ۹ ہجری (اپریل ۶۳۰ء) میں آپ نے بنو کعب (خزاعہ) کے علاوہ میں صدقہ وصول کرنے کیلئے ایک صحابی کو مامور فرمایا۔ وہاں بنو تمیم کے لوگ بھی رہتے تھے۔ وہ شر و فساد پر اتر آئے تو آپ نے عیینہ بن حصن فزاری کو ان کی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ انہوں نے صرف پچاس مجاہدوں کی مدد سے فسادیوں کو شکست فاش دی۔ ان میں سے چھ مارے گئے، باقی گرفتار ہوئے۔ اسی کے بعد ان کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی۔ ابن قیم نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

بنو کلاب نے بھی اپنی تخریبی سرگرمیوں سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش کی۔ آپ نے فوراً جوابی کارروائی فرمائی اور حضرت ضحاک بن سفیان کو ان کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ انہوں نے ربیع الاول ۹ ہجری (جون و جولائی ۶۳۰ء) میں ''زج'' (نجد) کی لڑائی میں انہیں بری طرح ہرایا اور وہ ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی کے بعد ربیع الثانی ۹ ہجری (جولائی، اگست ۶۳۰ء) میں شعیبہ کی بندرگاہ پر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اہل حبشہ جمع ہو گئے تھے۔ آپ کے حکم سے حضرت علقمہ بن مجزز تین سو مجاہدوں کو لے کر ان کے مقابلہ میں روانہ ہوئے مگر ان کی آمد سے پہلے ہی وہ بھاگ گئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

سریہ نجد سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمان میں جانے والے اس سریہ کی نوعیت ایک آزاد مہم کی نہ تھی، بلکہ یہودی مہموں کے بعد کے حالات کے نتیجہ میں ایک ذیلی سریہ بن گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ نجد کے علاقے بنو کلاب قبیلہ کے ایک باغی اور سرکش حصہ کی گوشمالی کرے، کیونکہ وہ امن و امان کے لیے خطرہ بن گئے تھے۔ فطری طور اس سریہ میں کچھ زیادہ مال غنیمت ملنے کی توقع نہ تھی۔ مآخذ کی روایات کی صراحت کے مطابق مسلمانوں کو اس سے مال ضرور ملا لیکن اس کی مقدار کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔

واقدی اور ابن سعد وغیرہ کا بیان ہے کہ اس سریہ میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع نے ایک عورت کو قیدی بنا لیا

Marfat.com

اور اس کو جب مدینہ لایا گیا تو کسی کے حوالے نہیں کیا گیا، بلکہ مکہ والوں سے ایک مسلمان قیدی کے عوض بدل لیا گیا۔ مسلمانوں کو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ مالی نفع نہیں ہوا سوائے اس کے کہ ان کا ایک قیدی بلا فدیہ رہا ہو گیا۔ اس باندی قیدی کا زر فدیہ اور کچھ مال غنیمت زیادہ مالیت کا بلاشبہ نہ تھا ورنہ مآخذ میں اس کا ذکر ضرور ملتا۔

سریہ دومۃ الجندل:

دومۃ الجندل کا نصرانی حکمران اکیدر بن عبدالملک (اکیدر دومہ) مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ فتح مکہ کے بعد بھی اس نے تخریبی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس لیے آپ نے مجبور ہو کر اس کے خلاف حضرت خالد کو رجب ۹ ہجری (اکتوبر ۶۳۰ء) میں بھیجا۔ انہوں نے اکیدر کو شکست فاش دی اور گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن اس نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس لیے آپ نے اسے کوئی سزا نہیں دی اور یوں ہی چھوڑ دیا۔

معرکۂ حنین

(شوال ۸ ہجری بمطابق جنوری ۶۳۰ء)

مکہ و طائف کی وسطی وادیوں میں طاقتور اور جنگجو قبیلے بنو ہوازن اور بنو ثقیف آباد تھے۔ ان کے بازاروں میں منڈیوں پر قریش چھا گئے تھے۔ اس لیے وہ بنو قریش کو اپنا حریف و دشمن سمجھتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے پر حملہ کیا تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان اور بنو قریش دونوں لڑتے لڑتے اس قدر کمزور پڑ جائیں گے کہ پھر انہیں آسانی سے زیر کر کے سارے حجاز کو اپنے حیطہ اقتدار میں لا سکیں گے۔

بلاذری کے مطابق انہوں نے فتح مکہ کے بعد سوچا کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے کر ہی طائف کے ان باغوں اور جاگیروں کو واپس لے سکتے ہیں جن پر بنو قریش نے قبضہ کر لیا تھا۔ پھر وہ مسلمانوں سے بت شکنی کے جرم کا انتقام بھی لے سکتے ہیں۔

وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لیے سنگین خطرہ سمجھتے تھے۔ بنو سلیم کی بستی مسلمانوں کے تسلط میں چلی گئی تو وہ اور بھی خوفزدہ ہو گئے۔ انہیں اپنا حشر سامنے نظر آ رہا تھا اور وہ یہ کہ وہ بھی بنو قریش کی طرح اپنی انفرادیت کھو کر دین اسلام میں ضم ہو جائیں گے، ان کی حکومت ختم ہو جائے گی اور ان کی امتیازی شان خاک میں مل جائے گی۔ اس لیے ان سب نے متحد ہو کر اسلام کے خلاف محاذ قائم کیا اور ایک بہت بڑی مسلح فوج تیار کر لی۔

مارگولیوس کے خیال میں انہیں صحرائی آزاد زندگی عزیز تھی، اس لیے وہ اسلامی حکومت کی وسعت سے خائف ہو گئے اور اس پر اچانک حملہ کرنے کیلئے انہوں نے ملا جلا بہت بڑا جتھا اکٹھا کر لیا۔ منصوبے کے مطابق وہ مسلمانوں کو تیاری کا موقع دیئے بغیر ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں تباہ کرنا چاہتے تھے، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستعدی سے ان کی ساری تدبیریں خاک میں مل گئیں۔

Marfat.com

ابن اسحاق کے مطابق:

''فتح مکہ'' کی خبر سن کر ہوازن کے سرغنہ مالک بن عوف نضری نے اپنی قوم کو مسلمانوں کے خلاف متحد ہونے کی دعوت دی۔ نضر، جشم اور سعد بن بکر نے اس کی آواز پر لبیک کہا، بنو بلال کی ایک جماعت نے بھی ساتھ دیا لیکن بنو کعب اور بنو کلاب نے اس کی حمایت نہیں کی۔''

ابن خلدون کے مطابق:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے نکلے تھے اسی وقت سے ہوازن کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ آپ ان پر حملہ کریں گے۔ اسی لیے انہوں نے فوجی تیاری مکمل کر کے اعلان جنگ کر دیا اور طائف کے جنگ جو قبیلے بنو ثقیف کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔''

بنو ثقیف طائف میں آباد تھے۔ وہ دو جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے، احلاف و بنو مالک۔ احلاف قریش سے مل گئے تھے، لیکن بنو مالک آخر دم تک ان کے مقابلہ میں جمے رہے۔ فتح مکہ کے بعد بنو مالک کا مد مقابل کوئی نہیں رہا تو احلاف بھی بادل ناخواستہ ان کے ساتھ ہو گئے۔ ہوازن نے مسلمانوں کے خلاف انہیں بھی دعوت دی۔ وہ بھی اسلام کے بڑھتے ہوئے دائرہ اقتدار سے خوفزدہ تھے، اس لیے انہوں نے خیر اسی میں سمجھی اور سارا قبیلہ ہوازن کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اب بنو ہوازن و بنو ثقیف کے بیس ہزار جواں مرد مالک بن عوف کی قیادت میں اسلام کو مٹانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جشم کا سردار درید بن الصمہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ اس نے دنیا دیکھی تھی، اسے ''شیخ اکبر'' کا مرتبہ حاصل تھا۔ اس لیے لوگ اس سے مشورہ لیتے تھے اور خاص طور سے جنگی معاملات میں اس کی رائے کو صائب سمجھتے تھے۔ مروی ہے کہ کافروں کی فوج ''وادی اوطاس'' میں خیمہ زن ہوئی تو ہر طرف شور و غل سے ہیجان بپا ہو گیا۔ لڑکے شور مچا رہے تھے، اونٹ چلا رہے تھے، گدھے چیخ رہے تھے اور بکریاں ممیا رہی تھیں۔ درید نے پریشان ہو کر لوگوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ اپنے اہل و عیال اور مال و متاع کے ساتھ آ گئے ہیں۔ مالک نے اسے بتایا کہ وہ سب کو ساتھ اس لیے لایا ہے کہ لوگ ان کی محبت سے مجبور ہو کر ڈٹ کر مقابلہ کریں اور راہِ فرار اختیار نہ کریں۔ درید نے لاکھ سمجھایا کہ شکست ہوئی تو یہ سب بوجھ بن جائیں گے مگر مالک نے اس کی بات ٹھکرا دی۔

بنو کعب اور بنو کلاب کے جوان بھی مالک کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ یہ سن کر درید کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ پھر تو حالات سازگار نظر نہیں آتے، مگر مالک نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ وہ تو سٹھیا گیا ہے۔ ابن اسحاق کے مطابق مالک نے کہا:

((انك قد كبرت و كبر عقلك))

''تو تو سٹھیا گیا ہے اور تیری عقل بھی ماری گئی ہے۔''

دوسروں نے بھی مالک بن عوف کا ساتھ دیا اور درید کی رائے ٹھکرا کر اہل و عیال کے ساتھ میدان جنگ میں خیمہ زن ہو گئے۔ یہ ''وادی اوطاس'' میں حنین کا میدان تھا جہاں شوال ۸ ہجری بمطابق جنوری ۶۳۰ء میں کفر و اسلام میں ایک مرتبہ پھر معرکہ آرا فیصلہ کن جنگ لڑی گئی۔

Marfat.com

زرقانی کے مطابق حنین مکہ وطائف کے درمیان عرب کے مشہور بازار ''ذوالمجاز'' کے پاس ہے جو عرفہ سے تین میل دور ہے۔ابن سعد کے مطابق وہ مکہ مکرمہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔

مکہ مکرمہ سے شمال میں دس میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔جبل اوطاق کے تنگ و دشوار گزار درے سے ہو کر ہی وادی حنین میں داخل ہو سکتے ہیں۔یہ درہ دونوں طرف سے ڈھالو چٹانوں سے گھرا ہوا تھا اور ہمہ وقت گھپ اندھیروں سے ڈھکا رہتا اور ہاتھ کو ہاتھ تک سجھائی نہیں دیتا تھا۔ایسی صورت میں چھوٹے سے چھوٹا لشکر بھی نظم وضبط کے ساتھ اسے پار نہیں کر سکتا۔صرف دو دو چار چار فوجی ایک ساتھ مشکل سے آگے بڑھ سکتے تھے۔اس لیے گھوڑوں اور اونٹوں کی نقل وحرکت تو بالکل مفلوج ہو جاتی اور اگر دشمن اوپر سے اچانک حملہ کر دے تو پھر تباہی و بربادی کے شکنجے میں ساری فوج پھنس جاتی اور تھوڑی دیر ہی میں سارا درہ لاشوں سے پٹ جاتا۔

ایسے خطرناک درے میں دشمن مسلمانوں کی تاک میں مستعد ہو کر اپنے خفیہ ٹھکانوں میں مورچہ بند ہو گئے۔اس کے تیر انداز گھاٹیوں، کھوؤں اور کمیں گاہوں میں چھپ گئے اور شہ سواروں نے شمشیر وسنان سے لیس ہو کر درے کے اندر اہم حساس عسکری مقامات پر قبضہ جما لیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکے ہی میں تھے کہ دشمن کی نقل وحرکت کی خبر ملی۔حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی نے صحیح صحیح حالات معلوم کر کے آپ کو بتائے تو آپ نے بھی تیاری کا حکم دے دیا۔مکے کے کافروں نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔عبداللہ ابن ابی ربیعہ اور حویطب نے چالیس چالیس ہزار درہم قرض دیئے۔حضرت صفوان بن امیہ نے پچاس ہزار درہم دیئے۔اس کے علاوہ انہوں نے سو زرہیں اور بہت سا اسلحہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور بار برداری کا انتظام بھی کر دیا۔دس ہزار مجاہد آپ کے ساتھ مدینے سے آئے تھے۔ان کے علاوہ دو ہزار اہل مکہ بھی آپ کے ساتھ ہو گئے۔

ابن خلدون کے مطابق یہ دو ہزار آدمی وہ تھے جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے لیکن مختلف روایتوں کا تجزیہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ان دو ہزار اہل مکہ میں نومسلم اور مشرک دونوں شامل تھے۔کہا جاتا ہے کہ وہ دل سے مسلمانوں کے ساتھ نہیں تھے بلکہ محض عین لڑائی میں انہیں دھوکہ دینے اور زک پہنچانے کے لئے شریک ہو گئے تھے۔

مورخوں نے ان دو ہزار جوانوں کو ''طلقاء'' کے نام سے یاد کیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا عامل وامیر مقرر فرمایا اور بارہ ہزار کی فوج لے کر دشمن کے مقابلے میں روانہ ہو گئے۔ابن خلدون کے مطابق آپ یکم شوال ۸ ہجری کو وادی حنین کے پاس پہنچے، لیکن دوسری روایتوں کے مطابق آپ ۶ شوال ۸ ہجری (۲۷ جنوری ۶۳۰ء) کو مکے سے روانہ ہوئے اور شوال ۹ ہجری (۳۰ جنوری ۶۳۰ء) کو حنین میں خیمہ زن ہو گئے۔

ابن اسحاق کے مطابق ابھی پو پھٹی ہی نہ تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ اسلامی فوج تنگ درے میں گھس گئی۔حضرت خالد بن ولید کا دستہ سب سے آگے تھا۔اسی میں دو ہزار اہل مکہ بھی شامل تھے۔ان میں وہ بھی تھے جو دل سے مسلمانوں کے ساتھ نہیں تھے بلکہ وہ آئے تھے ہی اس لیے کہ بھگدڑ مچا کر اسلامی فوج میں انتشار پیدا کر دیں۔جوں ہی حضرت خالد اپنے دستے کو لے کر درے میں داخل ہوئے، ہر طرف سے پتھروں کی سلیں اس پر گرنے لگیں۔دشمن کے قدر اندازوں نے بھی اس کا استقبال تیروں کی بوچھاڑ سے کیا۔ادھر ان کے شہ سواروں نے تلواریں سونت لیں اور مسلمانوں پر بل پڑے۔اس غیر

Marfat.com

متوقع حملے سے مجاہد گھبرا گئے، خاص طور سے اہل مکہ نے تو میدان ہی چھوڑ دیا اور ہر طرف انتشار و پسپائی کا عالم نظر آنے لگا۔

حضرت امام بخاری کے مطابق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ثابت قدم رہے، باقی سب کے سب بھاگنے لگے، لیکن بیہقی کے مطابق کم سے کم سو جاں نثار آپ کے ساتھ ڈٹے رہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی کے علاوہ اور بھی کئی انصار، مہاجر اور اہل بیت ثابت قدم رہے۔ انہوں نے نو دس صحابہ کرام کا تذکرہ خاص طور سے کیا ہے۔ ان ثابت قدم رہنے والوں میں حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت ابوسفیان بن الحارث اور ان کے صاحبزادے، حضرت ربیعہ بن الحارث، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ایمن ابن ام یمن بھی شامل تھے۔

الغرض دشمن کے اچانک حملے سے اسلامی فوج میں انتشار برپا ہو گیا۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ جوان پر جوان اور اونٹ پر اونٹ گرنے لگے مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''جبل اوطاس'' کی طرح اپنے مقام پر ڈٹے رہے۔ آپ نے انتہائی ضبط و تحمل کے ساتھ ادھر ادھر نظر دوڑائی اور بلند آواز سے فرمایا:

''مسلمانو! کدھر جا رہے ہو؟ میرے پاس تو آؤ، میں تو اللہ کا برگزیدہ رسول اور عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں۔''

مروی ہے کہ حضرت عباس آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے آپ کے حکم سے پکارنا شروع کیا:

((یا معشر الانصار! یا اصحاب المسرا!))

''اے انصار! اے وہ لوگو! جنہوں نے حدیبیہ میں اسلام پر جان قربان کرنے کیلئے بیعت کی تھی، آؤ اور آہنی دیوار بن کر دشمن کا مقابلہ کرو۔''

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ بلند آواز سے فرما رہے تھے:

انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

''میں نبی ہوں، یہ تو کوئی جھوٹی بات نہیں۔ میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔''

یہ مقدس صدا مجاہدوں تک پہنچی۔ ان کے حواس درست ہوئے، دل تھم گئے اور قدم جمنے لگے۔ یکا یک ہر طرف سے لبیک! لبیک! کی آواز آنے لگی اور تھوڑی سی دیر میں آپ کے نام لیوا کبوتروں کی ٹکڑی کی طرح آپ کے چاروں طرف منڈلانے لگے۔ وہ اس قدر جوش سے بڑھے کہ زرہیں اتار کر پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے اور پھر انہوں نے جم کر اس تیزی سے حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے۔ دن نکلتے ہی میدان صاف تھا اور مسلمانوں کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا۔ دشمن اس قدر حواس باختہ ہو کر بھاگا کہ اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ نہیں لے جا سکا۔ جو نہ بھاگ سکے وہ مارے گئے یا گرفتار ہو گئے۔ عورتیں، بچے، مال مویشی، سامان رسد، باربرداری کا سامان اور اس کے علاوہ اموال منقولہ کا خطیر ذخیرہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ تقریباً ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بھیڑیں، ۴ ہزار چاندی کی سلیں اور ۶ ہزار قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

تاریخ طبری میں اونٹوں کی تعداد چھ ہزار بتائی گئی ہے۔ ابن ہشام کے مطابق لاتعداد اونٹ اور بکریاں مال غنیمت میں حاصل ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت کو ''وادی جعرانہ'' میں حضرت مسعود بن عمرو غفاری کی

Marfat.com

نگرانی میں چھوڑا اور خود دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

معرکہ حنین کی اہمیت:

اس معرکے میں سب سے زیادہ نقصان بنو ہوازن کا ہوا۔ بنو ثقیف میں سے بنو مالک نے جم کر مقابلہ کیا لیکن اپنی سو لاشیں چھوڑ کو وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ سب سے کم نقصان احلاف کا ہوا۔ وہ پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اسی لیے ان کے صرف دو آدمی مارے گئے، باقی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

معرکہ حنین کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسلمانوں نے اتنا بڑا معرکہ نہیں لڑا تھا۔ مالک بن عوف کے ساتھ بیس ہزار کافروں نے اسلام کو مٹانے کے لئے کوشش کی تھی۔ مگر یہ آخری کوشش تھی، اس کے بعد پھر کسی میں اسلام کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

فتح مکہ کی خبر سن کر بنو ہوازن و بنو ثقیف بوکھلا گئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی دشمنی خود مول لی اور بری طرح مات کھائی۔ فتح مکہ کی وجہ سے بنو قریش کی طاقت ختم ہو چکی تھی، ورنہ وہ بھی بنو ہوازن کے ساتھ مل جاتے اور اسلامی حکومت کیلئے ایک زبردست خطرہ پیدا ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں طاقتوں کو متحد ہونے کا موقع ہی نہیں دیا اور انہیں منتشر کر کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دبا دیا۔ پھر تو حالات جنگ ختم ہو گئے اور مدینہ منورہ ہر طرف سے محفوظ ہو گیا۔ اسے سارے عرب میں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی، ہر ایک کی نظریں اس کی طرف اٹھنے لگیں اور ہر ایک پروانہ امن حاصل کرنے کیلئے اسی کی خاک چھاننے لگا۔

معرکہ حنین کا تذکرہ قرآن شریف کی سورۂ توبہ میں کیا گیا ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ شروع شروع میں مسلمانوں کو نہ صرف اس لیے شکست ہوئی کہ وہ اپنی کثرت و طاقت پر نازاں تھے، انہیں پورا پورا بھروسہ تھا کہ وہ محض اپنی طاقت کے بل بوتے پر دشمن کو کچل کر رکھ دیں گے۔ اس شکست سے ثابت ہو گیا کہ وہ کثرت تعداد کی وجہ سے فتح یاب نہیں ہو سکتے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت ہی سے دشمن پر غالب آ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((لقد نصر کم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین o ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنودا لم تروھا و عذب الذین کفروا و ذلک جزاء الکفرین))

''اللہ نے بہت سے مقامات (معرکوں) میں تمہیں فتح عطا کی ہے، لیکن حنین کے دن، جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا، تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود بھی تم پر تنگ ہو کر رہ گئی۔ تو پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینہ نازل فرمایا اور وہ لشکر بھیجا جسے تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور کافروں کو عذاب میں مبتلا کر دیا اور کفر میں

Marfat.com

ملوث ہونے والوں کی سزا بھی یہی ہے۔''

ابن اسحاق نے حضرت جبیر بن مطعم کی ایک روایت درج کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کیلئے فرشتے بھیجے تو دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے، زمین سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اسے دشمن کی طرف پھینک کر فرمایا:

((شاهت الوجوه))

پھر جس کی آنکھ میں یہ مٹی پڑی وہ نہیں بچا، وہ بھاگ کھڑا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

مروی ہے کہ آپ اس وقت اپنے سفید خچر (بغلہ) دلدل پر سوار تھے۔

ابن ہشام کے مطابق کافروں کی ہزیمت پر ایک مسلم خاتون یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

قد غلبت خيل الله خيل اللات

و خيله احق بالثبات

حقیقت بھی یہی ہے کہ غیبی امداد کے بغیر مسلمان ''موت کے درے'' سے فتح یاب ہو کر نہیں نکل سکتے تھے۔ ۷۷۹ء میں پائرنیز کے درے سے شارلیمان کی فوج اسپین پر حملہ کر کے واپس جا رہی تھی کہ باسکونیوں نے عقبی دستے سے حملہ کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید کی طرح فرانس کا لخت جگر ''رولان'' ان کی کمان کر رہا تھا۔ حملہ کیا تھا کہ سارا دستہ قضا کے شکنجے میں پھنس گیا اور ''رانسس ویلے'' کے معرکے میں قتل و خوں ریزی کے سیلاب میں غرق ہو کر رہ گیا۔ یہی حشر روم کے عظیم شہنشاہ آگسٹس کی اس فوج کا ہوا جو بہادر سپہ سالار ''ویرس'' کی قیادت میں جرمنی کے گھنے جنگلوں میں تباہ و برباد ہو گئی تھی۔ آگسٹس نے جرمنی فتح کرنے کا جو خواب دیکھا تھا وہ محض خواب ہی رہا۔ ویرس کے المناک حشر کی خبر سن کر وہ چلا اٹھا:

''دنیا کی ہر چیز ویرس اور اس کی فوج پر قربان ہے! اے خدا! تو مجھ سے سب کچھ لے لے مگر ویرس اور اس کے جوانوں کو پھر واپس عطا کر دے۔''

عرب کے مشہور و معروف ''لیورنز'' نے بھی حنین سے کچھ دور اسی سرزمین میں جرمن اور ترکی کی متحدہ فوجوں کو ہوازن کی جنگی چالوں سے کام لے کر منتشر کر دیا تھا لیکن یہی چالیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کے خلاف کارگر نہیں ہوئیں۔ رولان اور ویرس کی طرح حضرت خالد اور دوسرے مجاہدان چالوں کا شکار ہوتے ہوتے بچ گئے اور یہی سب سے بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ حق پر تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بازوؤں میں طاقت، ان کے دلوں کو سکون اور ان کے قدموں کو استحکام بخشا۔ دشمن خود اپنی چالوں کا شکار ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی سرخرو ہو کر واپس اللہ کے گھر ''خانہ کعبہ'' کے تاریخی شہر مکے میں فاتحانہ شان سے داخل ہو گئے۔ معرکہ حنین کی سب سے نمایاں اہمیت یہی ہے کہ اس نے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ کر ایک نئی مثال پیش کی جسے ابھی تک قدرت نے نہیں دہرایا۔

مشہور مستشرق ویٹ لکھتا ہے:

''فتح حنین'' انتہائی اہم دور رس اثرات کی حامل فتح ثابت ہوئی۔ بنو ہوازن کے رئیس مالک بن عوف کا یہ از حد حیرت انگیز کارنامہ تھا کہ وہ تن تنہا بیس ہزار مشرک جوانوں پر مشتمل فوج کی طاقت

Marfat.com

سے مسلمانوں کے خلاف معرکہ آراء ہونے کی جرات کر سکا۔ اس کی عبرت ناک ہزیمت کے بعد مشرک قبیلے منتشر ہو کر رہ گئے۔ اس لیے پھر کبھی کسی بھی سر پھرے سے یہ حماقت سرزد نہیں ہوئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آنے کی جسارت کرتا۔''

غزوۂ اوطاس ونخلہ وطائف

اوطاس اور نخلہ کی جانب لشکر کی روانگی:

ابن اسحاق کے مطابق حنین سے مشرکوں نے بھاگ کر اوطاس، نخلہ اور طائف میں پناہ لی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ربیعہ ابن الدغنہ اور حضرت ابو عامر اشعری نے نخلہ واوطاس تک دشمنوں کا تعاقب کیا۔ حضرت ابن الدغنہ نے ''نخلہ'' جا کر دشمن کو شکست دی اور درید بن صمہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت ابو عامر اشعری نے ''اوطاس'' میں دشمن کو نرغے میں لے لیا۔ وہ خود تو تیروں کا نشانہ بن کر شہید ہو گئے، لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کمان سنبھال کر اتنی شدت سے حملہ کیا کہ دشمن کو شکست فاش ہوئی۔

طائف کا محاصرہ:

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہوازن و بنو ثقیف کی اس جماعت کا تعاقب کیا جس نے طائف میں پناہ لی تھی۔ طائف کا شمار عرب کے ناقابل تسخیر قلعوں میں تھا۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے بازنطینی علاقوں کا دورہ کر کے منجنیق اور دفاعی اسلحہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ پھر واپس آ کر اپنے شہر طائف کے دفاع کے سلسلہ میں سرگرمی سے نمایاں کردار ادا کیا۔ طبری کے مطابق وہ اور غیلان بن سلمہ نے یمن کے علاقہ ''جرش'' میں قلعہ شکن آلات، دبابے، ضبور، اور منجنیق بنانے اور انہیں استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا۔ اس تربیت سے اہل طائف نے کافی فائدہ اٹھایا، سامان رسد اور اسلحہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں اکٹھا کیا اور پھر قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ یہ محاصرہ ابن سعد کے مطابق اٹھارہ دن اور ابن اسحاق کے مطابق بیس دن جاری رہا۔ پھر بھی قلعہ مسخر نہ ہو سکا۔ آخر ایک روز مسلمانوں نے بھرپور حملہ کیا۔ وہ دبابوں کے سائے میں قلعہ کی فصیل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن دشمن نے آگ میں سرخ کر کے لوہے کی سلاخیں ان پر پھینکنا شروع کر دیں۔ وہ دبابوں سے باہر نکلے تو تیروں کی زد میں آ گئے جس کی وجہ سے ان میں سے کئی شہید ہو گئے۔ مروی ہے کہ آٹھ مہاجر اور چار انصار ''یوف طائف'' میں شہید ہوئے۔

اس محاصرے میں مجاہدوں نے منجنیق سے بھی کام لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا جب انہوں نے منجنیق اور دبابوں سے کام لیا، لیکن قلعہ فتح ہونے کے فوری آثار نظر نہیں آئے، اس لیے آپ نے دشمن کو اس کے حال پر چھوڑ کر محاصرہ اٹھا لیا اور واپس ''جعرانہ'' تشریف لے گئے۔ لوگوں نے آپ سے اہل طائف کے حق میں بددعا دینے کی درخواست کی، مگر یہ بات تو ''پیکر رحمت'' کے شایان شان نہ تھی۔ برکت والے لب ہلے تو یہ دعا دل سے نکلی:

Marfat.com

((اللهم اهد ثقيفا وات بهم))

''بارالہا! ثقیف کوراہ ہدایت دکھااوراسلام کے آغوش میں لا۔''

حنین اور طائف سے حاصل ہونے والا مال غنیمت اوراس کی تقسیم

فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ کی دوسری سب سے بڑی طاقت قبیلہ ہوازن کے خلاف اقدام کیا، کیونکہ دشمن مکہ مکرمہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے منصوبے بنارہے تھے۔ ہوازن روایتی طور سے قریش کے حریف تھے اوراس کے بعض خاندانوں سے عمدہ تعلقات کے باوجود قریش کو دشمن یا حریف ہی سمجھتے تھے اوراسلام کے دشمن تو تھے ہی، اس لیے ان کے سپہ سالار مالک بن عوف نصری اپنے تمام خاندانوں یعنی عورتوں، مردوں اور بچوں کے علاوہ تمام مال واسباب اور مویشی وغیرہ میدان جنگ میں ساتھ لائے تھے تاکہ فرار کا راستہ غیرت قومی سے مسدود ہوجائے، اگرچہ ان کے عظیم ترین سردار اور بوڑھے سالار درید بن الصمہ کو اسے اختلاف تھا۔ غزوات اوطاس وطائف دراصل غزوہ حنین کے ضمیمے تھے کہ اس کے ضمن میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔

انہیں اسباب سے جب مسلمانوں کو فتح عظیم ملی تو ان کے ہاتھ بے شمار مال غنیمت لگا۔ ہمارے مآخذ کی روایات میں اس کی مختلف اشیاء کی تعداد ومقدار میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اموال غنیمت کے مختلف انواع میں مویشی، غلام، چاندی، زیورات اور دوسرا مال واسباب شامل تھا جن کا الگ الگ تذکرہ زیادہ مناسب رہے گا۔

مویشی:

غزوہ حنین کی سب سے بڑی غنیمت قبیلہ ہوازن کے پالتو جانور تھے جن میں اونٹ اور بھیڑ بکری شامل تھے۔ ان سے متعلق روایات میں خاصا اختلاف ہے۔ ابن اسحاق اوران کے مرتب ابن ہشام کی روایات مہم ہیں کہ ان کی تعداد بے شمار تھی، لیکن بعض دوسری روایات میں ہے کہ اونٹوں کی تعداد چوبیس ہزار تھی جبکہ بھیڑ بکریاں چالیس ہزار یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ تھیں۔ ان کے شاگرد واقد کاتب ابن سعد نے صرف بھیڑ بکریوں کی تعداد چالیس ہزار بتائی ہے مگر اونٹوں کی تعداد صراحت نہیں کی۔ مؤرخ یعقوبی کی ایک روایت یہ ہے کہ اونٹ یا اونٹنیاں بارہ ہزار تھیں۔

امام طبری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس کے مطابق اونٹوں کی تعداد صرف چھ ہزار تھی مگر بھیڑ بکریاں بے حدو حساب تھیں۔ ابن اثیر نے کسی بھی نوع غنیمت کی تعداد بیان نہیں کی، جبکہ ابن خلدون نے مویشیوں کا ذکر ہی نظر انداز کردیا ہے۔ امام ابن کثیر نے البتہ تمام روایات جمع کردی ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی تعداد بے شمار تھی' اس صورت میں ہم مختلف وجوہ سے واقدی اوران کے شاگرد ابن سعد کی روایات تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں اونٹوں اور دوسرے مویشیوں کی تعداد متعین طور سے سب سے زیادہ بتائی گئی ہے یعنی چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار دوسرے مویشی۔

Marfat.com

چاندی سونا:

عام مآخذ سیرت میں سے صرف واقدی اوران کے شاگرد ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت میں چار ہزار اوقیہ چاندی ملی تھی جو درہم کی صورت میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم بنتی ہے۔ یہ بھی خاصی بڑی رقم تھی۔ غالباً یہ چاندی پورے قبیلہ کی نقد رقوم پر مشتمل تھی۔ بعض روایات موتیوں کے ہاروں اور زیوروں وغیرہ کا بھی ذکر کرتی ہیں۔

قیدی:

چونکہ ہوازن کے سالار اعظم قبیلہ کی تمام ذریت بھی ساتھ لے آئے تھے، اس لیے فتح کے بعد ان میں سے زیادہ تر مسلمانوں کے قیدی بنے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے مگر چھ ہزار قیدی پکڑے گئے۔ مگر ان سے کوئی مالی نفع نہیں ہوا کیونکہ ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پیروی میں ان کے مسلم مالکوں نے رہا کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ کے خاتمے کے بعد بنوسعد بن بکر کے بعض سربرآوردہ حضرات نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو رہا کرنے کی التجا کی۔ ان میں آپ کی رضائی مائیں' خالائیں اور دودھ کی رشتہ دار خواتین تھیں اور آپ نے اپنی رضائی ماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دودھ کے احترام وتقدس میں ان سب کو رہا کر دیا تھا۔ البتہ غزوہ اوطاس میں بعض قیدیوں خاص کر خاتون قیدیوں پر مشتمل غنیمت کے تقسیم ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

دوسرے اسباب:

مؤرخ یعقوبی نے صراحت کے ساتھ اسلاب کو مال غنیمت میں شمار کیا ہے مگر دوسرے ساز و سامان اور متاع واسباب کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔ البتہ عام ذکر یہ ضرور ملتا ہے کہ حنین کے اموال غنیمت میں گھریلو سامان ضرورت بھی شامل تھا۔ اس ضمن میں بعض بہت دلچسپ روایات ملتی ہیں۔ مثلاً: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے بھائی حضرت عقیل بن ابی طالب ہاشمی کے بارے میں ذکر آیا ہے کہ ان کو ایک سوئی مل گئی تھی جو انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ عبد ہاشمی کے کپڑے سینے کے لیے دیدی تھی، مگر جیسے ہی اعلان ہوا کہ ہر مجاہد حاصل شدہ مال غنیمت سرکاری خزانے میں جمع کرا دے خواہ وہ کتنا ہی حقیر اور معمولی کیوں نہ ہو تو حضرت عقیل نے وہ معمولی سوئی بھی لے جا کر جمع کرا دی۔ ایک دوسرے مجاہد کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے اعلان عام کے بعد اون کا ایک گولہ لا کر سرکاری خزانے میں جمع کرایا تھا۔ ان روایات سے بہر حال یہ یقین ہوتا ہے کہ کافی سامان ضرورت غزوۂ حنین کے اموال میں شامل تھا۔ اس کے ساتھ اسلاب بھی شامل غنیمت تھا جیسا کہ بعض روایات سے واضح ہوتا ہے۔

تقسیم غنائم:

اگرچہ پہلے قیدیوں کو بھی مسلم مجاہدوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، لیکن بعد میں ان کو رشتہ داری، اخوت، قرابت، اسلامی محبت اور رضاعی نسبت کی بناء پر آزاد کر دیا گیا۔ باقی اموال غنیمت مسلم مجاہدوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔ یہ تقسیم ظاہر ہے کہ ریاست اسلامی کے خمس اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی نکالنے کے بعد ہی عمل میں آئی تھی۔

اسلامی ریاستوں کے افسر عرض اور مسلم مجاہدین کے حصوں کا حساب لگانے والے عامل نبوی حضرت زید بن ثابت نجاری خزرجی نے ہر مجاہد کا حصہ متعین کیا تھا۔ ان کے حساب کے مطابق ہر ایک پیادہ کو چار اونٹ یا چالیس بھیڑ بکریاں یا ان

Marfat.com

کے مساوی چاندی یا دوسرا سامان ملا تھا، جبکہ ہر سوار مجاہد کو اس کا تین گنا حصہ یعنی بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بھیڑ بکریاں۔ روایت کے مطابق غزوۂ حنین میں بارہ ہزار مسلم سپاہیوں نے حصہ لیا تھا جن میں سے شہسواروں کی تعداد کا صراحتاً ذکر نہیں ملتا، لیکن قرآئن بتاتے ہیں کہ کم از کم دو ہزار سپاہی گھوڑ سوار تھے۔ بعض روایات میں مجاہدین کے حصوں میں اختلاف بھی نقل کیا گیا ہے لیکن واقدی، ابن سعد اور ان دونوں کے پیروؤں نے مذکورہ بالا مقدار یا تعداد ہی بیان کی ہے۔

مالیت کی تعیین:

موجودہ روایات کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم پیادہ اور شہسوار فوج کل تعداد کے سہام یا حصوں کی تعداد سولہ ہزار بنتی ہے۔ اگر اونٹوں کی تعداد چالیس ہزار تھی جیسا کہ واقدی وغیرہ نے صراحت کی ہے تو وہ صرف مسلم شہسواروں کے لیے کافی ہی رہی ہوگی۔

بقیہ مسلم مجاہدین کو ان کے حصے بھیڑ بکریوں سے دیئے گئے ہوں گے یا چاندی، زیورات یا دوسرے ساز و سامان سے۔ بہر حال اگر چہ اونٹ فی کس (پیادہ مجاہد) معیاری حصہ مان لیا جائے جیسا کہ حضرت زید خزرجی کے حساب سے واضح ہوتا ہے تو غزوۂ حنین کا کل مالیت غنیمت اسی ہزار اونٹ کی مالیت پر مشتمل تھا۔ یعنی چوبیس ہزار اونٹ کے علاوہ مال واسباب، چاندی وغیرہ کی قیمت چھپن ہزار اونٹوں کے برابر تسلیم کی گئی تھی۔

مآخذ میں مذکورہ اونٹ اور دوسرے جانوروں کی تعداد کی مالیت ہمارے اختیار کردہ حساب کے مطابق صرف گیارہ لاکھ بیس ہزار درہم بنتی ہے اور اس میں چار ہزار اوقیہ چاندی کی قیمت جوڑنے سے مجموعی مالیت بارہ لاکھ اسی ہزار درہم ہو جاتی ہے، جبکہ ایک معیاری حصہ کی قیمت کی بنا پر کل مالیت بتیس لاکھ درہم بنتی ہے۔ اگر چہ ہم نے اس رقم کو غزوۂ حنین کی کل مالیت تسلیم کیا ہے لیکن ایسا واضح ہوتا ہے کہ اس غزوۂ کی کل مالیت اتنی نہیں رہی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ محتاط ترین تخمینہ یہ ہے کہ غالباً اس غزوۂ کی کل غنائم کی مالیت اس کی نصف رہی ہوگی۔ بہر حال ہم نے جو آخری حد تسلیم کی ہے، اس میں مسلمان پیادہ اور شہسوار مجاہدوں کے حصوں کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی ریاست کا خمس بھی شامل تھا۔

ایک معیاری حصہ کے لحاظ سے انفرادی طور سے غزوۂ حنین کی غنیمت کی مالیت بہت معمولی نظر آتی ہے لیکن مجموعی طور سے بہر حال وہ کافی قیمتی اور مرعوب کرنے والی ہے۔ اصل حقیقت تو فی کس کی ہے جو نہ تو پیادہ مجاہدوں کو مالدار بنا سکتی تھی اور نہ شہسوار سپاہیوں کو۔ تعداد کی کثرت کے سبب اتنی کثیر رقم اور وقیع غنیمت بھی حقیر بن گئی تھی۔ البتہ اسلامی ریاست کا حصہ خمس کافی وقیع نظر آتا ہے جو مجموعی طور پر سولہ ہزار اونٹوں یا ان کے مساوی دوسری اشیاء پر مشتمل تھا۔ مگر یہاں بھی انفرادی تقسیم کی صورت میں اس کی مالیت بہت کم رہ جاتی ہے۔ البتہ جن لوگوں کو خاص کر مؤلفۃ القلوب کو ایک ایک سو اونٹ ملے تھے ان کو کسی حد تک مال خطیر مل گیا تھا۔

فیاضی رسول:

معرکہ حنین اور طائف میں ملا ہوا مال غنیمت حضرت مسعود بن عمرو غفاری کی نگرانی میں جعرانہ میں محفوظ تھا۔ آپ نے پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکال کر باقی مجاہدوں میں تقسیم کر دیا۔ مروی ہے کہ اس قدر وافر مقدار میں مال غنیمت ملا تھا کہ ہر مجاہد کے حصہ میں چار چار اونٹ آ گئے۔ زرقانی کے مطابق ہر مجاہد کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں، نیز ہر سوار کو

Marfat.com

پیدل کے مقابلے میں تِگنا حصہ دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے نومسلموں کو محض تالیف قلبی کی خاطر دل کھول کر عطیے دیئے۔

اصحاب المین:

ابن اسحاق اور ابن ہشام کے مطابق آپ نے ان اشراف قریش کو سو سو اونٹ عطا فرمائے، اس لیے انہیں ''اصحاب المین'' کہتے ہیں۔

1: ابوسفیان بن حرب (عبدالشمس)
2: حویطب بن عبدالعزی (عامر)
3: معاویہ بن ابوسفیان (عبدالشمس)
4: علاء بن جاریہ (زہرہ)
5: حکیم بن حزام (اسد)
6: عیینہ بن حصن (عطفان)
7: حارث بن حارث (عبدالدار)
8: اقرع بن حابس (تمیم)
9: نضیر بن حارث (عبدالدار)
10: مالک بن عوف (نضر)
11: حارث بن ہشام (مخزوم)
12: صفوان بن امیہ (جمح)
13: سہیل بن عمرو (عامر)

سخاوت کی عظیم مثال:

ان کے علاوہ درج ذیل افراد کو پچاس پچاس اونٹ دیئے گئے:

1: مخرمہ بن نوفل زہری۔
2: سعد بن یربوع مخزومی۔
3: عثمان بن وہب جہمی۔
4: قیس بن عدی سہمی۔
5: ہشام بن عمرو عامری۔
6: عباس بن مرداس سلیمی۔

عمیر بن وہب جہمی کو سو سے کم اونٹ ملے مگر مخصوص تعداد کا ذکر سیرت کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ یہ بھی مروی ہے کہ یزید بن ابی سفیان کو سو اونٹ دیئے گئے تھے۔

بصیرت افروز تقریر:

اس تقسیم سے انصار مطمئن نہیں ہوئے۔ چند انصاری نوجوانوں نے تو یہ تک کہہ دیا:

''مصیبت میں تو ہمیں یاد کیا جاتا ہے لیکن انعام اوروں کو ملتا ہے۔؟ یہ ہم ہی تھے جن کی تلواروں نے قریشی فرعونوں کا کس بل نکال دیا لیکن پھر بھی ہمیں محروم رکھا گیا۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر انتہائی خلوص میں ڈوبی ہوئی بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

''کیا یہ سچ نہیں کہ پہلے تو تم گمراہی میں پڑے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں نے تمہیں راہ ہدایت پر گامزن کیا، تم میں انتشار پھیلا ہوا تھا تو اسی نے تمہیں متحد و منظّم کر دیا اور تم مفلس و قلاش تھے تو اس کے فضل سے تم امیر و خوش حال بن گئے۔''

انصار نے آپ کی ہر بات کو تسلیم کرتے ہوئے اقرار کیا:

Marfat.com

''ہاں! ہم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا یہ احسان سب سے بڑھ کر ہے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ اے محمد! آپ کو لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے آپ کی تصدیق وحمایت کی، انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑا تو ہم نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا تو ہم نے آپ کی ہر طرح سے مدد کی۔''

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا:

''تم یہ جواب دیتے جاتے تو میں یہی کہتا کہ ہاں! تم سچ کہتے ہو لیکن یہ تو بتاؤ اے انصار! کیا یہ بات تمہیں پسند نہیں کہ لوگ اونٹ و بکریاں اپنے گھر لے جائیں اور تم اپنے محمد کو اپنے گھر لے جاؤ۔؟''

یہ سن کر وہ ایک آواز ہو کر چیخ اٹھے:

''ہمیں تو محمد درکار ہیں۔''

ان میں سے اکثر کا تو یہ حال ہوا کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں بھیگ گئیں۔ پھر آپ نے انہیں سمجھایا کہ نومسلموں کو یہ انعام محض اس لیے دیا گیا کہ اسلام ان کے دل میں گھر کر جائے اور وہ اس کی نعمتوں سے آشنا ہو جائیں۔ آخر میں آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی:

((اللھم ارحم الانصار وابناء الانصار و ابناء ابناء الانصار))

''یا اللہ! انصار، انصاری کی اولاد اور انصار کی اولاد کی اولاد پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔''

ہوازن بارگاہ رسالت میں:

ہوازن کی چھ ہزار عورتیں اور بچے مسلمانوں کی قید میں تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر رحم کی درخواست کی تو ہر ایک کا دل عفو اور درگزر کے جذبات سے مملو ہو گیا اور سب نے آپ کی تقلید میں ان کے اہل وعیال انہیں واپس کر دیئے۔ ان کے سردار مالک بن عوف بنو ثقیف کے ساتھ طائف میں پناہ گزیں تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ مالک کو مطلع کر دیں کہ اگر وہ مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو پھر آپ ان کے اہل وعیال بھی انہیں واپس کر دیں گے۔ یہ سن کر مالک رات میں بنو ثقیف سے چھپ کر طائف سے نکل آئے اور ''جعرانہ'' ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا، ان کے اہل وعیال انہیں واپس کر دیئے اور سو اونٹوں کا عطیہ بھی انہیں مرحمت فرمایا۔ وہ آپ کے اخلاق حسنہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کی شان میں قصیدے لکھے۔ ان کے ایک قصیدے کا شعر یہ ہے:

ما ان رایت ولا سمعت بمثلہ فی الناس کلھم بمثل محمد ﷺ

''نہ ہی میں نے دیکھا اور نہ ہی سنا کہ دنیا میں محمد جیسا کوئی بشر پیدا ہوا ہو۔''

ابن اسحاق کے مطابق مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی بنو ہوازن کا وفد اپنے اہل وعیال کی واپسی کیلئے آیا تھا لیکن اقدی نے اس واقعہ کا تذکرہ تقسیم غنیمت کے بعد کیا ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ کی بہن شیما:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیما بھی اسیران جنگ میں شامل تھیں۔ایک دفعہ آپ نے ان کی پیٹھ پر کاٹا تھا۔دندان مبارک کے مقدس نشان ابھی تک موجود تھے۔انہیں دیکھ کر آپ کا دل فرط محبت سے بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو جھلکنے لگے۔آپ نے انہیں انتہائی عزت واحترام سے رکھا اور پھر ان کی خواہش پر واپس ان کے وطن بھجوادیا۔آپ نے انہیں مکحول نامی غلام اور ایک کنیز بھی عطا فرمائی۔مروی ہے کہ یہ دونوں بعد میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

رسول اللہ کا جعرانہ میں قیام:

جعرانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ روز تک ۵ ذیقعد سے ۱۸ ذیقعد ۸ ہجری (۲۴ فروری تا ۹ مارچ ۶۳۰ء) تک رہے۔پھر واپس جا کر مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کیا اور فاتحانہ شان سے اللہ تعالیٰ کا شکر بصد عجز و نیاز بجالاتے ہوئے واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

اہل طائف کی اطاعت:

بنو ہوازن دائرہ اسلام میں آ گئے تو بنو ثقیف کا برا حال ہو گیا۔اب وہ اکیلے، تنہا اور بے یار و مددگار تھے اور پھر جب بنو ہوازن نے انہیں اپنے نرغے میں لے کر چھاپے مارنا شروع کر دیئے تو وہ اور بھی بے بس اور مفلوج ہو کر رہ گئے۔ان کی دونوں جماعتوں احلاف و بنو مالک میں اتحاد بھی نہیں تھا، اس لیے وہ اور بھی انتشار و بدامنی کا شکار ہو گئے۔اب تو ان کی خیر اسی میں تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جوا اپنے کاندھوں پر ڈال لیں۔آخر عبد یالیل کی قیادت میں ان کا وفد آیا اور اس نے آپ کو اپنا آقا و رہبر تسلیم کر لیا۔اب طائف مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ کی اسلامی حکومت کا ایک جزو بن گیا، وہاں سے ''لات'' بت کدہ کے نشانات تک مٹا دیئے گئے اور اسلام تیزی سے ہر طرف پھیلنے لگا۔

ریاست مدینہ اور یہودی.....غزوات اور غنائم

رسول اکرم اور یہودی:

سابقہ ابواب میں یہودیوں کی مذہبی، سماجی اور سیاسی حالات پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔وہ مہذب، تعلیم یافتہ اور خوشحال تھے، زرخیز زمینوں کے مالک تھے اور تجارتی منڈیوں پر بھی چھائے ہوئے تھے۔حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام اور دوسرے اسرائیلی نبیوں کو مانتے تھے۔اسی لیے قرآن شریف نے انہیں ''اہل کتاب'' میں شمار کیا ہے۔مدینہ منورہ کے یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ عنقریب ہی ایک نبی مبعوث ہوں گے، جن کی مدد سے وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کر لیں گے۔وہ کافر عربوں کو دھمکی دیتے تھے کہ پھر تو وہ سارے عرب کے مالک بن جائیں گے۔مدینہ منورہ کے عرب قبیلے بھی ''نبی موعود'' اور ''رسول منتظر'' کے لئے بے چین تھے کہ ۶۲۰ء میں خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے

Marfat.com

مکے گئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر مسلمان ہو گئے۔

انبیائے کرام کی تصدیق:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ انبیائے کرام علیہم اسلام کی رسالت کی تصدیق فرمائی اور ان کی تعلیمات کو برحق قرار دیا۔ تورات، انجیل اور دوسری مقدس کتابوں کو قرآن شریف کی طرح مقدس قرار دے کر مسلمانوں کو ان پر ایمان لانے کی تلقین فرمائی۔ اسی طرح آپ نے بیت المقدس کو قبلہ اول قرار دے کر مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں۔ آپ نے یہودیوں کے خلاف محاذ آرائی کی راہ اختیار نہیں فرمائی بلکہ انہیں میثاق مدینہ کے تحت اپنی امت میں شامل کر لیا۔ پھر آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے یہ دعوت ٹھکرا دی، آپ کے کردار پر حرف زنی کی اور آپ کی تعلیمات کا مذاق اڑایا۔ وہ یہ بھی کہنے لگے کہ اسلام یہودیت کی نقل ہے، مسلمانوں کو یہ بھی تمیز نہ تھی کہ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھیں، یہ تمیز تو ہم نے انہیں سکھائی ہے۔

نیا قبلہ:

اسلام نے ابراہیمی شریعت کو پھر سے زندہ کیا۔ اسلام کا دوسرا نام ''دین حنیف'' ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ اسلالم کی تعلیمات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی خصوصیت کو اور بھی اجاگر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دے دیا۔ ۱۵ شعبان ۲ ہجری (۱۱ فروری ۶۲۴ء) کو آپ بنو سلیمہ کے مکان میں نماز پڑھ رہے تھے کہ تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی، آپ نے اسی وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا، مسلمانوں نے بھی پیروی کی اور باقی نماز نئے قبلہ کی طرف منہ کر کے پوری کی۔

میثاق مدینہ:

ہجرت کے بعد آپ نے مسلمانوں اور یہودیوں سے عہد لیا تھا کہ دونوں آپ کی قیادت میں مل جل کر رہیں گے۔ اس عہد نامے (کتاب) کو ''میثاق مدینہ'' کہتے ہیں۔ ویلہازن اور کائتانی کی رائے میں یہ عہد نامہ ''معرکہ بدر'' سے پہلے، لیکن دوسرے مستشرقین کی نظر میں اس کے بعد لکھا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ بدر سے پہلے مسلمانوں سے، پھر بعد میں یہودیوں سے یہ معاہدہ کیا تھا۔ اس کتاب کے مطابق یہودیوں نے عہد کیا تھا کہ ''وہ قریش کو پناہ نہیں دیں گے، آپ سے اجازت لئے بغیر کسی سے بھی جنگ نہیں کریں گے، مدینہ منورہ کو مقدس و محترم سمجھیں گے اور کسی فسادی کی حمایت نہیں کریں گے۔ نیز بیرونی حملوں کے وقت وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور دفاعی اخراجات بھی برداشت کریں گے۔

یہودیوں کی غداری:

لیکن یہودیوں نے اس معاہدے کا احترام نہیں کیا۔ وہ تحویل قبلہ سے خوش نہیں ہوئے اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو تشویش کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ وہ قریش سے مل کر در پردہ مسلمانوں کو مٹانے کیلئے انتہائی سرگرمی سے کام کرنے لگے۔ اس لیے مجبور ہو کر اسلام کی بقاو سلامتی کی خاطر ان کے خلاف آپ کو تادیبی کارروائی کرنا پڑی۔ بنو قینقاع کے یہودیوں نے تخریبی حرکتیں شروع کر دیں تو آپ نے انہیں سزا دی اور وہ شہر چھوڑ کر وادی القریٰ اور شام چلے گئے۔ بنو نضیر کے یہودیوں کے سرغنہ کعب بن اشرف نے قریش کو مسلمانوں کے خلاف ورغلایا اور انہیں ''معرکہ بدر'' کی شکست کا انتقام

Marfat.com

لینے پر آمادہ کرلیا۔اسی نے آپ کوشان میں ہجو یہ اشعار بھی لکھے۔اس لیے اس کی ذات اسلام کیلئے خطرہ بن گئی تھی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں سے نہ رہا گیا اور انہوں نے موقع پا کر اسے ٹھکانے لگا دیا (ربیع الاول ۳ ہجری بمطابق ستمبر ۶۲۴ء)

''معرکہ احد'' کے بعد آپ نے بنونضیر کے خلاف تادیبی کارروائی کرتے ہوئے ان کی قلعہ بند بستی (اطم) کا محاصرہ کر لیا جس سے تنگ آ کر آپ کی اجازت سے وہ بھی شہر چھوڑ کر خیبر چلے گئے۔ پھر بھی وہ مسلمانوں کے خلاف برابر سازش کرتے رہے۔ان کے سرغنہ ابورافع سلام بن ابی حقیق نے مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے میں اہم کردار کیا تھا۔ رمضان ۴ ہجری (مئی ۶۲۴ء) میں انہوں نے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا، پھر بھی دوسرے سرغنوں پر اثر نہیں ہوا۔ حیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع کی رہنمائی میں اتحادیوں نے ''معرکہ احزاب'' کے موقع پر مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا۔محاصرے میں کامیابی نہیں ہوئی تو حیی بن اخطب بنوقریظہ کے قلعے میں آ گیا۔اب مدینے میں اس کی موجودگی سب سے بڑا خطرہ تھی، اس لیے مسلمانوں نے قلعے کو گھیرے میں لے لیا۔آخر پندرہ روز یا ایک ماہ کے محاصرے کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور حضرت سعد بن معاذ کو اپنا حکم تسلیم کرلیا۔انہوں نے تورات کے مطابق فیصلہ کیا کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیا جائے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی جائیں۔مغربی مورخوں نے اس فیصلے کو سراسر ظلم قرار دیا ہے مگر یہ نظریہ سراسر تعصب پر مبنی ہے۔ویٹ نے تسلیم کیا ہے کہ آپ نے حضرت سعد پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا بلکہ انہوں نے تو تورات کے مطابق تورات کے ماننے والوں کو سزا دی۔ لین پول نے بھی اس موضوع پر بحث کر کے حضرت سعد کے فیصلے کو جائز ثابت کیا ہے۔

بنوقریظہ کے بعد مدینہ منورہ فسادیوں سے پاک ہوگیا۔بنوقینقاع، بنونظیر اور دوسرے قبیلوں کے جو یہودی مدینے میں رہ گئے تھے، انہوں نے پرامن شہریوں کی طرح زندگی بسر کی۔اس بات سے مستشرقین کے اس دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے کہ آپ نے مدینے میں یہودیوں کے وجود ہی کو برداشت نہیں کیا بلکہ ان میں سے ایک ایک کو نکال کر آپ نے دم لیا۔

خیبر کے یہودی:

خیبر مدینے سے آٹھ منزل کے فاصلے پر ہے۔خیبر عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعے کے ہیں۔ وہ ناقابل تسخیر چھاؤنیوں اور قلعوں (آطام) کا شہر تھا۔وطیح، سلالم، الشق، نطاط اور کتیبہ چھاؤنیاں تھیں۔ناعم، القموص، الصعب اور زبیر جیسے ناقابل تسخیر قلعوں کا جال بچھا ہوا تھا جو آتش فشاں لاوے سے پٹے ہوئے دشوار گزار میدانوں میں واقع تھے۔

خیبر یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ تھا۔بنونضیر مدینے سے منتقل ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تو یہ بھی اسلام کے خلاف سازشوں کا مرکز بن گیا۔سرخسی کے مطابق انہوں نے بنوقریش سے فوجی معاہدے کیے کہ فریقین مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔مگر شوال ۶ ہجری میں آپ نے بنوقریش سے صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط طے کر کے اس اتحاد کو بھی توڑ دیا، جن کے تحت وہ دس سال تک مسلمانوں سے جنگ نہیں کر سکتے تھے۔اس طرح اس معاہدے کی وجہ سے یہودی اکیلے رہ گئے، بنوقریش نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان کا لحاظ کیے بغیر مسلمانوں سے مصالحت کر لی۔اب مسلمانوں کے لئے میدان صاف تھا۔آپ نے اس تیزی سے خیبر پر حملہ کیا کہ یہودی دنگ رہ گئے۔آپ نے مورچے بھی اس طرح بنائے کہ بنو غطفان بھی ان کی مدد نہ کر سکے، بلکہ انہیں تو خود اپنی سلامتی کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔

Marfat.com

غزوۂ خیبر (محرم ۷ ہجری بمطابق مئی و جون ۶۲۸ء):

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پر حضرت نمیلد بن عبداللہ لیثی کو عامل اور حضرت علی کو علم بردار بنایا۔ پھر آپ نے صرف ان پندرہ سولہ سو مجاہدوں کو لیکر خیبر پر حملہ کیا جو ''صلح نامہ حدیبیہ'' کے موقع پر آپ کے ساتھ تھے۔ اس وقت خیبر میں فصل تیار کھڑی تھی اور درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو دیکھ کر یہودی حواس باختہ ہو کر اپنے اپنے قلعے میں گھس گئے۔ مجاہدوں نے بڑی تیزی سے حملہ کر کے انہیں نرغے میں لے لیا۔ سب سے پہلے ناعم مسخر ہوا، پھر القموص اور نطاط پر بھی قبضہ ہو گیا۔ القموص ناقابل تسخیر قلعہ تھا، طویل محاصرے کے بعد حضرت علی کی قیادت میں مسلمانوں نے طوفانی حملہ کیا تو وہ بھی سر ہو گیا۔ الصعب کا مستحکم پھاٹک بھی اس کی پیش قدمی نہ روک سکا، وہاں سے کافی مقدار میں رسد مل گئی تو اور بھی جوش و خروش سے مجاہد آگے بڑھے اور قلعہ ''زبیر'' کو بھی سر کر لیا۔ پھر ''الشق'' چھاؤنی بھی ان کے قبضے میں آ گئی تو یہودیوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور کتیبہ، وطیح اور سلالم کے پھاٹک مسلمانوں کیلئے کھول دیئے۔

غزوۂ خیبر میں حضرت علی المرتضیٰ نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، مسلمانوں نے انہیں خراج تحسین پیش کیا اور فاتح خیبر اور خیبر شکن کے القاب سے انہیں یاد کرنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ خیبر کے نامی پہلوان مرحب کو بھی حضرت علی اور حضرت محمد بن مسلمہ نے اسی جنگ میں زیر کر کے ٹھکانے لگا دیا تھا۔

یوم خیبر کے موقع پر مجاہدین کا شعار:

ابن ہشام کے مطابق یوم خیبر کے موقع پر ''اصحاب رسول'' کا شعار تھا، یا منصور! امت! امت!

صلح نامہ خیبر:

اس صلح نامے کے مطابق طے پایا کہ یہودی اپنا مال و اسباب، اسلحہ اور سرمایہ سب کا سب چھوڑ کر خیبر سے چلے جائیں۔ انہیں خبردار کر دیا گیا کہ کسی نے کوئی چیز چھپائی تو اسے خلاف ورزی کے جرم میں قرار واقعی سزا دی جائے گی، لیکن اس صلح نامے پر عمل درآمد نہیں ہوا اور خیبر کے یہودیوں کی درخواست پر انہیں بدستور خیبر ہی میں رہنے کی اجازت اس شرط پر دے دی گئی کہ وہ باغوں اور زمینوں کو آباد رکھیں گے اور ہر سال پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ ہر سال خیبر جاتے تھے اور کل پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان سے کہتے تھے کہ وہ اپنی مرضی سے جو حصہ چاہیں لے لیں۔ پھر جو حصہ بچتا اسے لے کر مدینے واپس آ جاتے تھے۔ اس انصاف سے متاثر ہو کر وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کی ایمانداری سے آسمان اپنی جگہ قائم ہے ورنہ ٹوٹ کر گر پڑتا۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے خیبر کی زمین چھتیس حصوں میں تقسیم کی، اٹھارہ حصے ملکی و ملی ضروریات کیلئے وقف کر دیئے، باقی زمینیں ''اصحاب حدیبیہ'' میں تقسیم فرما دیں۔

کنانہ بن ربیع اور اس کے بھائی نے حیی بن اخطب کا خزانہ چھپا دیا تھا۔ اس لیے اس جرم میں انہیں قتل کر دیا گیا، لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اس کا بھائی حضرت عمر کے دور خلافت میں بھی زندہ تھا۔ کنانہ نے حضرت محمود بن مسلمہ کے سر پر چکی کا پاٹ دے مارا تھا جس سے وہ شہید ہو گئے تھے، اس لیے اس جرم میں اسے سزائے موت دی گئی، باقی

Marfat.com

کسی اور پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا اور سارے یہودی آزادی سے امن وامان کے ساتھ خیبر میں رہنے لگے۔ مروی ہے کہ کنانہ بن ربیع کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن سلمہ کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اپنے بھائی کے قصاص میں اسے قتل کر دیا۔

فتح خیبر کے بعد یہودیوں کا غرور خاک میں مل گیا۔ ان میں اتنا بھی دم خم، کس بل باقی نہ رہا کہ وہ پھر کبھی ''اسلامی ریاست مدینہ'' کی طرف میلی نظر سے دیکھ سکیں۔ دراصل وہ بے ضرر، باج گزار (Innocuous) قوم کی حیثیت سے امن و عافیت کے ساتھ رہنے لگے۔

دوسری یہودی بستیاں:

فدک، تیماء اور وادی القریٰ کے یہودیوں نے بھی آپ سے مصالحت کر لی۔ فدک اور وادی القریٰ کے یہودیوں نے نصف پیداوار پر صلح کر لی لیکن تیماء نے جزیہ ادا کرنے کی شرط تسلیم کر کے آپ سے معاہدہ کر لیا۔

غزوۂ تبوک (۶۳۰ء) کے دوران شمالی عرب کے یہودیوں نے بھی صلح کر لی تھی۔ ایلہ نے ۳۰۰ دینار سالانہ جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر لی۔ مقنا کے یہودیوں نے پیداوار کا چوتھائی حصہ اور مچھلیاں ہر سال مدینے بھیجنے کا معاہدہ کر لیا، لیکن جرباء نے ایک سو دینار اور اذرح نے ایک ہزار سالانہ جزیہ پر معاہدہ کر لیا تھا۔

رسول اکرم کی حکمت عملی:

مستشرقین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک یہودی کو مدینے سے باہر نکالنے کی حکمت عملی اختیار کی۔ آپ نے خیبر اور دوسری بستیوں میں تو یہودیوں کو رہنے دیا، لیکن مدینے میں ان کے وجود کو برداشت نہیں کیا۔ اسی سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت بنو قینقاع اور بنو نظیر جلاوطن ہوئے اور بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا گیا، لیکن ان کا یہ نظریہ حقیقت کے برخلاف ہے۔

بنو قریظہ کے قتل کے بعد بھی یہودی مدینے میں آباد تھے۔ آپ نے ان کی خدمت کی۔ آپ نے انہیں امن وسلامتی اور عزت وآبرو کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی ضمانت دی۔ انہیں ضروری مراعات اور سہولتیں فراہم کیں اور مالی امداد تک عطا فرمائی۔ وہ بیمار پڑتے تو آپ ان کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے۔ ابن سعد اور سرخی کے مطابق بنو قینقاع کے کئی گھر وہاں موجود تھے۔ وہ بدستور اپنے کاروبار میں لگے رہے اور انہیں کبھی کسی نے تنگ نہیں کیا۔ بیہقی کے مطابق تو انہوں نے غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کا ساتھ تک دیا تھا۔ اس لیے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ آپ ان کے وجود سے مدینہ طیبہ کو پاک کرنا چاہتے تھے۔

دراصل آپ نے یہودیوں کو میثاق مدینہ کے تحت ممتاز مقام عطا فرمایا اور خارجی و داخلی معاملات میں بھی شریک فرما لیا، مگر وہ اس بات سے بھی خوش نہیں ہوئے اور کافروں و منافقوں سے مل کر مسلمانوں کو تباہ کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ اس لئے مجبور ہو کر آپ نے ان کے خلاف تادیبی اقدامات کیے اور غداری کے جرم میں مناسب سزا دی۔

Marfat.com

ریاست مدینہ اور عیسائی.....غزوات اور غنائم

رسول اکرم اور عیسائی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں سے بھی دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی، جو عیسائی مسلمان ہو گئے انہیں اپنی امت میں شامل کر لیا، جو مسلمان نہیں ہوئے انہیں بھی اسلام کی پناہ میں آنے کی دعوت دی۔ آپ نے خاص طور سے مندرجہ ذیل علاقوں کے عیسائیوں سے امن وامان کی خاطر خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کی کوشش فرمائی:

1: نجران۔ 2: دومۃ الجندل

3: بنوغسان اور ان کے اتحادی۔ 4: تبوک (اہل شام) 5: رومی (اہل روم)

نجران:

نجران ایک شہر کا نام ہے جو شمالی یمن میں واقع تھا۔ یہاں عیسائی قبیلہ حارث بن کعب آباد تھا۔ نجران کے کئی وفد اسلامی تعلیمات سے روشناس ہونے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک وفد میں نجران کی بڑی بڑی شخصیتیں شامل تھیں۔ مروی ہے کہ یہ وفد ۱۴ افراد پر مشتمل تھا۔ نجران کے سید جن کا نام وہب تھا، شہر کے گورنر (عاقب) عبد المسیح کندی اور اسقف (بشپ) ابو حارث بن علقمہ (بنو ربیعہ) کی قیادت میں دربار رسالت میں حاضر ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اقدس اور ان کی نوعیت رسالت پر قرآنی نقطہ نظر کو اس وفد نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا:

((ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون الحق من ربك فلا تکن من الممترین))

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی مثال ایسی ہی ہے جیسی حضرت آدم علیہ السلام کی، جنہیں مٹی سے تخلیق کر کے اس نے کہہ دیا کہ ہو جا! بس وہ پیدا ہو گئے۔ آپ کے رب کی طرف سے حق بات تو یہی ہے۔ تو پھر تذبذب میں پڑنے والوں میں مت شامل ہو جاؤ۔''

آیت مباہلہ کا نزول:

نجرانی وفد نے اس ''قول فیصل'' اس اعلان برحق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور جانتے بوجھتے اس بات پر اڑا رہا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں تو پھر ان کا باپ آخر کون ہے!! اس ناحق مشرکانہ ہٹ دھرمی کے بطلان کیلئے ''آیت مباہلہ'' نازل ہوئی:

((فمن حاجك فیہ من بعد ما جاء ك من العلم فقل تعالوا ندع ابناء نا و

Marfat.com

ابنآء کم و نسآء نا و نسآء کم و انفسنا وانفسکم ثم نبتھل لعنة الله علی الکذبین))

''علم صریحی آجانے کے بعد بھی جو شخص آپ سے حیل حجت پر اتر آئے تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنے خواتین کو اور تم اپنی خواتین کو اور ہم خود اپنے آپ کو اور تم خود اپنے آپ کو بلائیں۔ پھر ہم مباہلہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کریں کہ اللہ کی لعنت، پھٹکار نازل ہو جھوٹوں پر۔''

آپ اگلی صبح ''میدان موعود'' کی طرف اس عالم میں روانہ ہوئے کہ حضرت امام حسین آپ کی گود میں اور حضرت امام حسن آپ کا دست اقدس تھامے ہوئے تھے۔ آپ کے پیچھے سیدہ فاطمہ اور سیدہ فاطمہ کے پیچھے پیچھے حضرت علی آپ کی اتباع کر رہے تھے۔ مروی ہے کہ آپ نے انہیں ہدایت فرمائی:

''جوں ہی دعا مانگی جائے وہ سب مل کر بیک آواز آمین کہیں۔''

نجرانی وفد نے اس انوکھی دعوت کو قبول تو کر لیا مگر بعد ازاں باہمی مشورے سے اپنے اسقف کی تجویز پر اتفاق کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں معذرت خواہ ہوئے کہ مباہلے کی تعمیل سے انہیں معاف کیا جائے۔

نجرانی عیسائیوں کے اس وفد نے نہ تو اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور نہ ہی آپ کے خلاف محاذ آرائی اختیار کی، بلکہ آپ کی مرضی سے اس شرط پر معاہدہ کر لیا کہ وہ ہر سال باقاعدہ جزیہ ادا کریں گے۔ اس صلح نامہ کی رو سے انہوں نے عہد کیا کہ وہ ہر سال بطور جزیہ دو ہزار قیمتی لباس (حلے) آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ نیز فوجی امداد میں تیس زرہ بکتر، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ بھی مہیا کریں گے۔

مروی ہے کہ اس معاہدے سے پہلے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نجرانی وفد آیت مباہلہ کے حکم پر عمل کرتا تو اس کی قوم پر عذاب نازل ہوتا، میدان مباہلہ آتش سوزاں سے تپنے لگتا، نجرانی سور یا بندر بن جاتے اور ان کی بستی تباہ و برباد ہو جاتی۔

یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ اپنی بستیوں سے مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی نجرانیوں نے قیمتی ریشمی حلے زیب تن کیے اور انگلیوں میں طلائی انگوٹھیاں پہن لیں۔ پھر اس حلیے میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے منہ پھیر لیا اور ان سے بات تک کرنا گوارا نہیں فرمائی۔ آخر کار حضرت عثمان اور حضرت علی کے مشورے پر انہوں نے اپنا حلیہ تبدیل کیا اور موٹے لباس پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان سے مذاکرات کے بعد انہیں امن و سلامتی کا پروانہ عطا فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے عہد کیا کہ ان کی جان، مال اور مذہب کی حفاظت کی جائے گی، ان کے مذہبی پیشواؤں کو حسب سابق ان کے رتبوں پر برقرار رکھا جائے گا اور کسی اسقف، راہب یا کاہن کو اس کے عہدے ہٹایا نہیں جائے گا۔ آپ نے قصاص اور سود خوری کو باطل قرار دے دیا اور اللہ کی پناہ (جوار) میں لے کر انہیں سلامتی سے رہنے کا گر بتا دیا۔ آخر میں پھر آپ نے انہیں اطمینان دلایا کہ ان کے مال، ان کی جان، ان کی زمین اور ان کے مذہب کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اس لیے وہ بلا خوف و خطر اپنی بستی میں رہیں اور آزادی سے اپنے مذہبی و سماجی سرگرمیوں

Marfat.com

میں مصروف ہو جائیں۔ مروی ہے کہ مصالحت کے بعد آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو نجران میں صدقہ وصول کرنے اور دینی باتیں سکھانے کیلئے بھیجا تھا۔

دومۃ الجندل:

شامی وعراقی راستوں سے گزرنے والے تجارتی قافلے ''دومۃ الجندل'' میں منزل کرتے تھے۔ وہ حجاز سے ''دومۃ الجندل'' جاتے پھر وہاں سے دو راستے ہو جاتے تھے، شامی وعراقی۔ شام جانے والے قافلے شامی راستے کی طرف مڑ جاتے اور عراق جانے والے عراقی راستے پر گامزن ہو جاتے تھے۔ اس لحاظ سے ''دومۃ الجندل'' کو کلیدی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ یہاں آباد تو بنو کلب تھے لیکن نصرانی رئیس اکیدر بن عبدالملک کندی ان کا حاکم تھا جس نے ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سرگرمی سے کام کیا۔ ۵ ہجری (۶۲۶ء) میں وہ مدینے پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ آپ نے ایک ہزار مجاہدوں کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اکیدر بھاگ گیا اور دشمن کے جانور مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ آپ نے دومۃ الجندل میں چند روز قیام فرمایا اور اطراف وجوانب میں مجاہدوں کے دستے بھیجے مگر کہیں بھی مقابلہ نہیں ہوا۔ اس لیے آپ واپس مدینے لوٹ گئے۔ تو پھر اکیدر اور اس کے ساتھی تخریبی حرکتوں پر اتر آئے اور مسلمان تاجروں کو پریشان کرنے لگے۔

ابن ہشام کے مطابق آپ نے اسے خط بھی لکھا مگر اس نے اپنا رویہ تبدیل نہیں کیا۔ آخر شعبان ۶ ہجری (دسمبر ۶۲۷ء) میں آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو ۷۰۰ مجاہدوں کے ہمراہ ''دومۃ الجندل'' بھیجا۔ انہوں نے بنو کلب کے رئیس اصبغ کی لڑکی سے شادی کر کے انہیں اپنی طرف ملا لیا۔ اصبغ اور اس کے ساتھی مسلمان ہو گئے لیکن جو عیسائی رہے ان سے جزیہ لیا گیا۔ اب صرف اکیدر اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ سب کے سب مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بہت بڑے متمول تاجر اور سرمایہ کار (Financer) تھے۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ تو ۵۰۰ اونٹوں پر مشتمل تجارتی کارواں کے واحد منصرو ہی تھے۔

۹ ہجری (اکتوبر ۶۳۰ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود شمالی عرب کے دورے پر تشریف لے گئے اور تبوک میں قیام فرمایا۔ وہیں سے آپ نے ۴۲۰ مجاہدوں کے ہمراہ حضرت خالد بن ولید کو ''دومۃ الجندل'' پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ اکیدر نے ہتھیار ڈال دیئے، قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور جزیہ پر مصالحت کر لی۔ ابن سعد کے مطابق اس نے تاوان میں دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے پیش کیے۔ حضرت خالد خود اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے سالانہ جزیہ کی ادائیگی پر اس سے مصالحت کر لی اور اسے ''دومۃ الجندل'' کا حاکم بنا دیا۔

بلاذری کے مطابق وہ مسلمان ہو گیا تو آپ نے پروانہ امن عطا فرمایا، نماز وزکوٰۃ کی تاکید فرمائی اور ''دومۃ الجندل'' کے زرخیز علاقے اس کی تحویل میں دے دیئے۔

غزوۂ موتہ (جمادی الاول ۸ ھ مطابق ستمبر ۶۲۹ء):

صلح نامہ حدیبیہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کیلئے اپنے سفیر بازنطینی شہنشاہ اور غسانی رئیسوں کے پاس بھیجے تھے، لیکن غسانی رئیس اسلام دشمنی پر اتر آئے، ان کے کارندوں نے حضرت کعب غفاری اور

Marfat.com

ان کے چودہ ساتھیوں کو ''ذات الطلع'' میں شہید کر دیا اور حضرت دحیہ کلبی کا سامان بھی لوٹ لیا۔ غسانی حاکم حارث بن ابی شمر حضرت شجاع بن وہب اسدی سے بدسلوکی سے پیش آیا اور دوسرے رئیس شرجیل بن عمرو نے حضرت حارث بن عمیر ازدی کو شہید کر دیا۔ ان کی ان جارحانہ حرکتوں کے جواب میں آپ نے تین ہزار مجاہدوں کو حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔ آپ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ حضرت زید کی شہادت کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کی شہادت پر حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اپنا قائد بنائیں۔

حضرت زید آزاد شدہ غلام تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد وہ ''ملت مسلمہ'' کے باعزت فرد ہو گئے تھے۔ ان کی قیادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب تک موجود تھے۔ آپ نے حضرت زید کو ہدایت فرمائی تھی کہ کسی حالت میں بھی لہلاتی فصلوں، پھل دار درختوں اور آباد شہروں کو تباہ نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی عورت، بچے یا معذور پر تلوار اٹھائی جائے۔ معان میں انہیں خبر ملی کہ بازنطینی شہنشاہ اور عیسائی عرب دونوں کی فوجیں متحد ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ لخم، جذام، قضاعہ، بہرا، بلی، قین اور دوسرے عیسائی قبیلے بھی ان کے ساتھ تھے۔ تقریباً ایک لاکھ فوج مسلمانوں کو کچلنے کیلئے ''مآب'' میں خیمہ زن تھی۔ مجاہدوں نے آگے بڑھ کر ''موتہ'' کے قریہ میں اپنے مورچے سنبھال لیے۔ وہیں جمادی الاول ۸ ہجری (مطابق ستمبر ۶۲۹ء) میں انہوں نے دشمن کی ٹڈی دل فوج سے مقابلہ کیا۔ حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ تینوں یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضرت جعفر کی پیٹھ پر تیر و تلوار کے پچاس زخم لگے، دایاں ہاتھ کٹ گیا تو علم بائیں ہاتھ میں لے لیا، وہ بھی کام آ گیا تو پھر کٹے ہوئے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ ان کی قربانیوں سے متاثر ہو کر آپ نے انہیں طیار (جنت کی طرف پرواز کرنے والا) کے لقب سے یاد فرمایا۔ اس وقت حضرت جعفر طیار کی عمر تینتیس سال تھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد اسلامی فوج کا سپہ سالار ہی نہ تھا۔ وہ اپنے سپہ سالار کے بغیر ہی جہاد میں مصروف رہی، آخر کار حضرت ثابت بن اقرم نے علم سنبھال لیا۔ پھر دوران جنگ ہی میں باہمی مذاکرات کے بعد انہوں نے حضرت خالد کو اپنا سپہ سالار بھی منتخب کر لیا۔ حضرت خالد کی قیادت میں انہوں نے جان کی بازی لگا دی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ خود ان کے ہاتھوں سے آٹھ تلواریں ٹوٹ گئیں، پھر بھی دشمن سے برابر لڑتے رہے۔ آخر رات کی تاریکی نے دونوں فوجوں کو اپنے اپنے مورچوں میں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

صبح ہوئی تو حضرت خالد نے مجاہدوں کی طویل سے طویل تر صفیں بنائیں اور انہیں میدان جنگ میں آہنی دیوار کی طرح کھڑا کر دیا۔ دشمن سمجھا کہ مسلمانوں کی امداد کیلئے مزید کمک آ گئی ہے، اس لیے وہ اور بھی مرعوب ہو گیا اور مقابلے میں آنے سے کترانے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد بھی اپنی فوج میدان جنگ سے ہٹا لائے اور پھر واپس مدینے روانہ ہو گئے۔ چونکہ اس جنگ میں فتح حاصل نہیں ہوئی تھی اس لیے مدینے میں مجاہدوں کے خلاف مظاہرہ ہوا کہ آخر وہ فتح حاصل کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی راہ سے فرار ہو کر کیوں واپس آ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا کہ حضرت خالد اور ان کے ساتھ حق پر تھے، وہ اس لیے واپس آ گئے کہ مکمل تیاری کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر سکیں۔ حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ مظاہرین نے جونہی ''جیش موتہ'' کا استقبال ''یا فرار'' کے نعروں سے کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

برملا مداخلت کرتے ہوئے اعلان فرمایا:

((لیسوا بالفرار والکنهم الکرار ان شاء الله تعالی))

"یہ تو فرار ہونے والے ہیں ہی نہیں بلکہ پوری تیاری سے دشمنوں کے خلاف دوبارہ حملہ آور ہونے والے اولو العزم مجاہد ہیں۔"

حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت سے آپ بہت ہی رنجیدہ ہوئے۔ آپ نے ان کے وارثوں سے ہمدردی ظاہر فرمائی اور مسلمانوں کو مزید تیاری کا حکم دے دیا۔ اس جنگ سے مجاہدوں کے حوصلے بڑھ گئے، انہوں نے کئی مرتبہ شامی سرحدوں پر حملے کیے لیکن دشمن مقابلے میں آنے کی جرات نہیں کر سکا۔ اس حکمت عملی سے "اسلامی ریاست مدینہ" کے وقار میں تیزی سے ابھرتی طاقت کی حیثیت سے حیرت انگیز رفتار سے اضافہ ہو گیا۔

سریۂ موتہ سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

سریہ موتہ جس کو عام طور سے مآخذ میں غزوہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک عظیم الشان مہم تھی جو فلسطین کے علاقے میں وقت کی غالباً سب سے بڑی طاقت رومی شہنشاہیت کے مقابلہ میں بھیجی گئی تھی۔ اسے عام طور سے ناکام مہم سمجھا جاتا ہے مگر وہ اپنے مقاصد میں کافی کامیاب رہی تھی۔ اسی کامیابی کے نتیجہ میں بعض مجاہدوں کو کچھ مال غنیمت بھی ملا تھا۔ اس میں کچھ تو اسلاب کی شکل میں تھا اور کچھ ساز و سامان یا زیورات کی صورت میں۔

مختلف روایات کے مطابق ایک سپاہی کو ایک طلائی انگوٹھی ملی تھی جبکہ ایک دوسرے مجاہد کو اس کے حریف سپاہی کے خود سے ایک یاقوت حاصل ہوا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں اور دوسرے مجاہدوں کو ان کا مال غنیمت کلی طور سے بخش دیا تھا اور اسی میں صفی اور خمس کا حصہ نہیں نکالا تھا کہ مال غنیمت بہت کم تھا۔ امکان ہے اور ان دو روایتوں سے اس کو تقویت پہنچتی ہے کہ اس سریہ میں ہتھیاروں اور دوسرے مال و اسباب پر مشتمل غنیمت بھی ملی تھی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود ایک حمیری مجاہد کو اس کے مقتول کا سلب نہیں دیا تھا کہ وہ ان کو زیادہ معلوم ہوتا تھا، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسے مستحق مجاہد کے حوالے کر دیا تھا۔ دراصل مجموعی طور سے اس سریہ کی مالیت بہت کم تھی۔ حضرت غزیہ انصاری کے حصہ غنیمت سے اس کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے حاصل کردہ یاقوت کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں کسی وقت ایک سو دینار میں بیچ دیا تھا اور اس رقم سے ایک کھجور کا باغ خرید لیا تھا۔ واقدی نے اس کے لیے "حدیقۃ نخلۃ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور تصریح کی ہے کہ وہ مدینہ منورہ کے خاندان بنو خطمہ / اوس کے علاقے میں واقع تھا۔ غالباً وہ چند درختوں پر مشتمل تھا کہ یہ اصلاح بالعلوم ایک جھنڈ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

غزوۂ ذات السلاسل (جمادی الثانی ۸ ہجری بمطابق اکتوبر ۶۲۹ء):

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے مہینے جمادی الثانی ۸ ہجری میں تین سو مجاہدوں کو حضرت عمرو بن العاص کی قیادت میں عذرہ بلی، قضاع، جزام اور دوسرے ان عیسائی قبیلوں کو سزا دینے کیلئے روانہ کیا جو غزوہ موتہ میں مسلمانوں سے

Marfat.com

لڑے تھے۔اسی کے بعد آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے ساتھ دوسو مجاہدوں کی کمک بھی بھیجی۔مجاہد جذام کی بستی میں ایک چشمے کے پاس خیمہ زن ہو گئے جس کا نام ''السلسل'' تھا۔اسی لیے اس غزوہ کا نام ''غزوہ ذات السلاسل'' پڑ گیا۔ذات السلاسل میں دشمن کو شکست فاش ہوئی اور وہ منتشر ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔آپ کے اس اقدام سے شمالی عرب کے عیسائی اور بھی مرعوب ہو گئے اور فاتحہ شان سے مکہ معظّمہ میں آپ کے ورود مسعود کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔اس طرح آپ کی یہ حکمت عملی ''فتح مکہ کے حق'' میں ممد و معاون ثابت ہوئی۔

سریہ ذات السلاسل سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا تخمینہ:

سریہ ذات السلاسل فوجی اور سیاسی اعتبار سے بہت اہم مہم تھی لیکن غالباً مال غنیمت کے اعتبار سے بہت معمولی ثابت ہوئی۔یہ سریہ مشہور صحابی حضرت عمر بن العاص سہمی رضی اللہ عنہ کی کمان میں شمالی علاقہ کے قبیلوں کی طرف بھیجی گئی تھی اور اس کا مقصد تعلقات کی استواری تھی۔روایات کے مطابق پہلے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی کمان میں تین سو مجاہدین بھیجے گئے تھے، پھر بطور کمک مزید دوسو مجاہدین حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی کمان میں روانہ کیے گئے۔اس طرح کل تعداد پانچ سو ہو گئی تھی۔اپنے مقصد کی بنیاد پر یہ مہم زیادہ مال غنیمت حاصل بھی نہیں کر سکتی تھی اور روایات بھی وضاحت کرتی ہیں کہ صرف چند مویشی ملے تھے، جن کو بھوکے سپاہیوں کی شکم پری کے لیے قربان کیا گیا تھا۔

روایات میں مویشیوں کی تعداد یا دونوں کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔ورنہ مویشیوں کی تعداد روزانہ غذائی ضرورت کے اعتبار سے متعین کر لی جاتی کہ غزوۂ بدر کی روایات کی شہادت کے مطابق تین سو کے لیے روزانہ تین اور پانچ سو افراد کے لیے پانچ اونٹوں کا گوشت کافی ہوتا تھا یعنی فی صد ایک اونٹ کافی ہوتا تھا، بہر حال یہ غنیمت کافی معمولی تھی۔

غزوۂ تبوک (رجب ۹ ہجری بمطابق اکتوبر ۶۳۰ء):

''تبوک'' مدینہ سے ۱۴ منزل کی مسافت پر شام اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔یہ کسی قلعے یا چشمے کا نام تھا جس کی مناسبت سے شہر کا نام بھی ''تبوک'' پڑ گیا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تیس ہزار مجاہدوں کو لے کر رجب ۹ ہجری میں ''تبوک'' گئے اور دشمن کو بتا دیا کہ ناسازگار حالات میں بھی مسلمان اپنی بقا کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہیں۔

''غزوہ موتہ'' اور ''غزوۂ ذات السلاسل'' کے بعد غسان اور دوسرے عیسائی قبیلوں نے بازنطینی شہنشاہ کے بل بوتے پر مدینے پر چڑھائی کیلئے فوجی نقل و حرکت شروع کر دی تھی۔حضرت عمر فاروق کے پاس ایک انصاری گھبرائے ہوئے آئے تو انہوں نے فوراً پوچھا:

''کیوں خیر تو ہے! کیا غسانیوں نے حملہ کر دیا۔؟''

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ غسانی حملے کا خطرہ ہر وقت موجود تھا۔''قبطی تاجروں'' نے بھی آ کر اسی خطرے کی خبر دی تھی۔اس زمانے میں قحط پڑ چکا تھا۔کھیت خشک ہو گئے تھے، پانی سوکھ گیا تھا اور گرم لو (باد سموم) ہر طرف چل رہی تھی۔ایسے ''عالم عسرت'' میں غسانی قوت کا شیرازہ منتشر کرنے کیلئے آپ نے فوجی تیاری کا حکم دے دیا۔ہر ایک نے دل کھول کر اس فوج کیلئے امداد دی۔حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سارا ''سرمایہ حیات'' آپ کے قدموں پر ڈال دیا۔حضرت عمر فاروق نے اپنی آدھی دولت دے دی اور حضرت عثمان غنی نے دوسو اونٹ اور دوسو اوقیہ چاندی پیش کی، دس ہزار مجاہدوں اور اونٹوں

Marfat.com

کی رسد کا انتظام کیا اور ابن سعد کے مطابق ہزار دینار بھی دیئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ ''فی سبیل اللہ'' کسی نے خرچ نہیں کیا تھا۔ ان کے اسی جذبہ ایثار سے خوش ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللھم ارض عن عثمان فانی عنه راض))

''اے اللہ! عثمان سے راضی ہو، کیونکہ میں ان سے بہت ہی خوش ہوں۔''

اسی طرح ہر مسلمان نے حسب توفیق مالی امداد دی لیکن منافقوں نے اس موقع پر بھی دھوکہ دیا۔ انہوں نے شدت گرمی اور قحط و تنگی کا شور مچا کر مسلمانوں کو ہراساں کرنے کی کوشش کی۔ مارگولیس کے خیال میں انصاری ''فتح حنین'' کے بعد مال غنیمت کی تقسیم سے خوش نہیں تھے، اس لیے انہوں نے بھی سرد مہری سے کام لیا اور فوجی تیاری میں جوش و خروش سے حصہ نہیں لیا۔ مارگولیس کا یہ خیال محض قیاسی ہے۔ درحقیقت انصار نے تو جیش عسرت کی تیاری میں اور بھی سرگرمی سے حصہ لیا، جو لوگ غربت کی وجہ سے مجبور تھے وہ اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ قرآن حکیم کے مطابق وہ رونے لگے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ انصار و مہاجرین میں سے ہر ایک نے اس ''جیش عسرت'' کے اسلحہ، سامان رسد اور اونٹوں کی فراہمی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس طرح قحط و خشک سالی کے عالم میں باہمی امداد و تعاون سے جو فوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشکیل دی وہ تاریخ میں ''جیش العسرۃ'' (تنگی و عسرت کے لشکر) کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی مناسبت سے حضرت عثمان کا لقب ''مجہز جیش العسرۃ'' پڑ گیا۔

فوجی تیاری مکمل ہونے کے بعد تیس ہزار مجاہدوں (بیس ہزار پیدل اور دس ہزار سوار) کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے اور وہیں قیام فرمایا۔ اسلامی فوج کی نقل و حرکت کی خبر سنتے ہی عیسائی عربوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور جدھر منہ اٹھا بھاگ کر وہ روپوش ہو گئے۔

تقریباً کچھ اوپر بیس راتوں تک آپ تبوک میں رہے۔ اس عرصے میں آپ نے قرب و جوار کے قبیلوں سے رابطہ استوار فرمایا اور انہیں اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ ایلہ، جرباء، اذرح اور مقنا نے معاہدہ کر لیا۔ کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے، لیکن جو مسلمان نہیں ہوئے انہوں نے جزیہ ادا کر کے اسلامی نظام امن کو قبول کر لیا۔ اسی دور میں حضرت خالد بن ولید نے ''دومۃ الجندل'' کے رئیس اکیدر کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ان قبیلوں کو حلیف اور غیر جانبدار بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید مال غنیمت لے کر پہنچے تو منافق بہت ہی پچھتائے، مگر آپ ان کی منافقت سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے آپ نے ان کی معذرت قبول نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں معتوب قرار دے دیا۔ البتہ صرف ان تین مسلمانوں کو معاف کر دیا جو دل سے شرمندہ و تائب ہوئے تھے:

1: حضرت کعب بن مالک۔ 2: حضرت مرہ بن ربیع۔ 3: حضرت بلال بن امیہ۔

یہ تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک نہیں گئے تھے لیکن بعد میں سچے دل سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔

Marfat.com

مسجد ضرار:

''سورۂ منافقون'' میں عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین کی حالت بتائی گئی ہے۔انہوں نے مسجد کے نام سے ایک عمارت ''قبا'' میں بنائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تخریبی سرگرمیوں کا اڈا تھی۔اس لیے تبوک سے واپسی پر آپ نے اسے جلوا دیا۔قرآن شریف کے مطابق یہ مسجد مسلمانوں کو نقصان پہنچانے (ضرار) اور کفر و تفریق پھیلانے کیلئے بنائی گئی تھی۔اسی وجہ سے یہ مسجد تاریخ میں ''مسجد ضرار'' کے نام سے مشہور ہو گئی۔

عسکر اسامہ بن زید (صفر ۱۱ ہجری بمطابق مئی ۶۳۲ء):

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو حکم دیا کہ وہ مجاہدوں کو لے کر شام جائیں اور فلسطین کے علاقے بلقا اور روم پر حملہ کر دیں۔حضرت اسامہ کی فوج میں بڑے بڑے صحابہ کرام شریک تھے۔ابن ہشام کے مطابق یہ آخری فوج تھی جسے آپ نے کوچ کرنے کا حکم دیا تھا۔اسی کے بعد آپ بیمار ہو گئے تو اس کی روانگی بھی ملتوی ہو گئی۔آپ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے تو انہوں نے پہلا کام یہی کیا کہ صحابہ کرام کی مخالفت کے باوجود اس فوج کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔''جیش اسامہ'' نے مدینہ طیبہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر ''جرف'' کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔

رسالت مآب کی حکمت عملی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے شام جانے والے راستوں کو دشمنوں کے تسلط سے نکالنا چاہتے تھے تاکہ خوراک و رسد کی فراہمی میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور قریش کی معاشی سرگرمیاں معطل ہو کر رہ جائیں۔اسی لیے آپ نے شمالی علاقے کے عیسائیوں سے سیاسی و مذہبی تعلقات استوار کیے۔آپ نے ان تمام قبیلوں سے معاہدے کیے جو ان گزرگاہوں اور راستوں پر آباد تھے،عذرہ، جذام قضاعہ اور لخم کو اپنے ساتھ ملانے میں آپ کو نمایاں کامیابی ہوئی۔باہمی رابطے کی وجہ سے وہ اسلام سے روشناس ہوئے اور بہت سے گھرانے مسلمان بھی ہو گئے۔البتہ مملکت روما نے اپنی طاقت کے زعم میں ''اسلامی ریاست مدینہ'' کے خلاف مسلسل تصادم کی روش کو کم نہیں کیا تو پھر سورۂ توبہ کے احکام کی تعمیل میں آپ بھی اپنی دفاعی حکمت عملی پر آخر دم تک عمل پیرا رہے۔

چھٹے سال کی مہمات نبوی اور ان سے حاصل شدہ غنائم

ہجرت کے چھٹے سال (جون سنہ 627ء تا مئی 628ء) کو ''اہم سرایا'' کا سال کہہ سکتے ہیں کہ اس برس صرف سرایا ہی میں مال غنیمت ملا تھا۔اس سنہ کے تین غزوات غنیمت کے لحاظ سے بے ثمر رہے تھے۔سرایا میں بھی اٹھارہ میں سے صرف سات میں ہی مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ مالی فائدہ یا اقتصادی نفع ہوا تھا۔

Marfat.com

سریہ القرطاء:

اس سال کا پہلا القرطاء حضرت محمد بن مسلمہ اوسی انصاری رضی اللہ عنہ کی کمان میں القرطاء نامی علاقہ کی طرف بھیجا گیا۔ بعض روایات میں مال غنیمت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر دوسری روایات کے مطابق مسلم غازیوں کو ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بھیڑ بکریوں پر مشتمل غنیمت ملی تھی جو کہ تیس مجاہدین پر تقسیم ہوئی تھی۔

سریہ الغمر:

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سریہ کے تین ماہ بعد چالیس مجاہدین پر مشتمل یہ مہم حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن اسدی کی قیادت میں الغمر نامی مقام کی طرف گئی اور کامیابی کے بعد دو سو اونٹ بطور غنیمت حاصل کر کے مدینہ منورہ لائی۔

سریہ ذوالقصہ:

اسی ماہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح فہری مدینہ منورہ کے نواہی گاؤں ذوالقصہ کی طرف ایک مہم لے کر گئے اور بعض روایات کے مطابق صرف کچھ مویشی حاصل کر سکے اور کچھ دوسری روایات کے مطابق مویشیوں کے ساتھ کچھ مال واسباب یا گھریلو سامان بھی لانے میں کامیاب رہے۔ مآخذ میں مال غنیمت کی مقدار کا ذکر نہیں ہے تاہم یہ واضح ہے کہ وہ معمولی اور حقیر تھا۔

سریہ جموم:

اسی عرصہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی جلیل حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ کا سریہ جموم نامی علاقے کی طرف بھیجا گیا۔ دشمنوں کی سرکوبی کرنے کے بعد اس نے کچھ مویشی اور کچھ قیدی بطور غنیمت حاصل کیے جن کی تعداد کا خاص کر اول الذکر کی تعداد کا واضح ذکر نہیں کیا گیا تھا، لیکن یہ واضح ہے کہ مالیت زیادہ نہ تھی۔

سریہ العیص:

دو ماہ بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے العیص نامی مقام کی طرف کوچ کیا اور ایک مالدار مکی کارواں پر کامیاب تاخت کی۔ دوسرے سامان تجارت کے علاوہ اس کارواں میں خام چاندی کافی مقدار میں تھی۔ وہ سب بطور مال غنیمت مدینہ لا گیا۔ بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ کچھ قیدی بھی پکڑے گئے تھے اور انہوں نے زرفدیہ ادا کیا تھا۔ ان میں ایک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے داماد حضرت ابوالعاص بن ربیع عبد شمس بھی تھے جو اس وقت تک کفر پر قائم تھے اور بعض مآخذ کے مطابق اس کارواں کے سردار تھے۔ روایات کے اختلاف کے باوجود یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں سے زرفدیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا یا انہوں نے اپنے مکی رشتہ داروں سے ازخود منگوایا تھا تاکہ رہائی حاصل کی جائے، لیکن بعض دوسری روایات یہ بتاتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا زرفدیہ نہ صرف واپس کر دیا تھا بلکہ حضرت ابوالعاص اور کارواں کا تمام مال بھی واپس کر دیا تھا، غالباً اس بنا پر کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کو پناہ دے دی تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ مکی کارواں کا لوٹا ہوا مال جب واپس کیا گیا تو ان کے کھانے پکانے کے برتن اور جانور باندھنے کی رسی تک واپس کر دی گئی۔ لہٰذا اس سریہ کو مال غنیمت کے لحاظ سے خالی سمجھنا چاہیے۔

Marfat.com

سریہ الطرف:

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دوسرے ماہ ایک اور مسلم سریہ کی کمان کی اور ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ الطرف نامی علاقے میں گئے۔ مہم کی کامیابی کے نتیجہ میں بیس اونٹ بطور غنیمت حاصل کیے جو پندرہ مجاہدوں میں تقسیم ہوئے، خمس نکالنے کے بعد۔ واقدی نے ایک اور روایت بیان کی ہے جس کے مطابق ہر مجاہد مہم کو دو اونٹ یا ان کی مالیت کی مساوی تعداد میں بکریاں اور بھیڑیں ملی تھیں۔ اس صورت میں اونٹوں کی تعداد مذکورہ بالا تعداد سے ڈیڑھ گنا سے بھی زیادہ ہو جائے گی کیونکہ تیس اونٹ مجاہدوں کے حصے میں آئیں گے اور باقی خمس اور صفی کے اونٹوں کی تعداد بھی اس میں شامل کرنی ہوگی۔ بظاہر اولین روایت زیادہ صحیح ہے لیکن دوسری روایت بھی تسلیم کر لی جائے تو زیادہ فرق مالیت کے لحاظ سے نہیں پڑے گا۔

سریہ حسمی:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ایک اور سریہ تھا جس میں انہوں نے دشمن سے کافی مال حاصل کیا تھا مگر وہ سب کا سب ان کے مالکوں کو واپس کر دیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما لیا تھا۔ یہ بھی مال غنیمت سے خالی سریہ تھا۔

سریہ فدک:

سریہ فدک کی سربراہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور اس کی منزل خیبر کی نواحی بستی فدک تھی۔ بعض روایات کے مطابق اس میں سو مجاہد شریک تھے۔ کچھ روایات سرے سے کسی مال غنیمت کے حصول کا انکار کرتی ہیں یا کم از کم اس کا ذکر نہیں کرتیں۔ کچھ روایات سے البتہ معلوم ہوتا ہے کہ خاصا مال غنیمت ملا تھا کہ وہ پانچ سو اونٹوں اور دو ہزار بھیڑ بکریوں پر مشتمل تھا۔ اس لحاظ سے اس کی مالیت خاصی وقیع تھی۔

سریہ ام قرفہ:

سریہ ام قرفہ نامی مہم حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں بنو فزارہ کے ایک سرکش گروہ کی سرکوبی کے لیے بھیجی گئی تھی۔ اس کی کل غنیمت ایک باندی تھی مگر اس سے بھی عام مسلمانوں کو کوئی مالی فائدہ نہیں ہوا کیونکہ وہ باندی ایک صحابی کی زوجیت میں دے دی گئی تھیں۔

اس برس کے تین غزوات اور اٹھارہ سرایا میں سے صرف سات مہموں میں مسلمانوں کو مال غنیمت ملا تھا۔ مذکورہ بالا سرایا میں سے دو میں مال غنیمت ملا ضرور لیکن اس کا کوئی فائدہ مسلمانوں کو مالی یا اقتصادی طور سے نہیں ہوا۔ اس لیے ہم نے ان کو مال غنیمت والی مہموں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔

مالِ غنیمت کے لحاظ سے مذکورہ بالا سات مہموں میں صرف تین ایسی تھیں جن کو وقیع یا کسی حد تک مالدار کہا جا سکتا ہے اور وہ سریہ قرطاء، سریہ الغمر اور سریہ فدک تھے۔ باقی چار مہموں میں غنیمت بہت معمولی تھی۔ خاص کر دو مہمیں جن میں غنیمت کی مقدار وغیرہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ سنہ 6 ہجری کے دوران جب سرایا میں مال غنیمت ملا تھا ان کے تحلیل و تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حاصل شدہ تمام مویشیوں اور جانوروں کی کل تعداد لگ بھگ ایک ہزار پچاس اونٹوں اور پانچ ہزار بھیڑ بکریوں کی بنتی ہے۔ اس میں ان مویشیوں کی تعداد بھی جوڑنی چاہیے جن کا واضح ذکر ماخذ میں نہیں کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس سال مال

Marfat.com

میں اس اسباب اور گھریلو سامان کی مالیت میں بھی اضافہ کرنا چاہیے جو بعض سرایا میں مسلمانوں کو ملے تھے اور جن کی مقدار یا مالیت کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔

تمام امکانات کو مدنظر رکھا جائے اور اونٹوں کی تعداد بارہ سو اور بھیڑ بکریوں کی تعداد پانچ ہزار دو سو پچاس متعین کی جائے تو قرین قیاس اور قریب انصاف ہوگا۔ اگر اس تعداد غنائم کی مالیت اس شرح پر متعین کی جائے جو ہم نے اس بحث میں اب تک اختیار کی ہے تو مویشیوں پر مشتمل غنیمت کی مالیت تقریباً انہتر ہزار درہم قرار پائے گی۔ اگر اس میں بعض قیدیوں کے فدیہ کی رقم اور غلاموں کی قیمت کے علاوہ تمام مقبوضہ اسباب کی مالیت بھی شامل کر لی جائے تو سنہ 5 ہجری میں حاصل شدہ تمام اموال غنیمت کی مجموعی مالیت ستر ہزار درہم مقرر کی جاسکتی ہے۔ اس میں خمس کی رقم چودہ ہزار بنتی ہے۔ اس کو منہا کر کے بقیہ رقم چار سو شریک مجاہدین مہمات میں برابر برابر تقسیم کر دی گئی تھی۔ اس حساب سے ایک معیاری مسلم حصہ ایک سو چالیس درہم کی مالیت بنتا ہے۔ یہ سال بھر کی جنگی کوششوں کا ثمرہ تھا۔

سنہ 7 ہجری کی مہمیں اور ان سے حاصل ہونے والا مال غنیمت

چھ غزوات اور آٹھ سرایا:

ساتویں اسلامی سال / مئی 627ء تا اپریل 629ء نے کل چودہ مہموں کا مشاہدہ کیا۔ ان سے چھ غزوات تھے اور آٹھ سرایا۔ ایک سریہ مذہبی نوعیت کا اور پرامن مقصد کے لیے تھا کہ عمرہ کے لیے اختیار کیا گیا تھا، اسی بنا پر اس کو عمرۃ القضاء کا نام دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کسی غنیمت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لیکن اس برس کی مہموں کا ایک خاص امتیاز ہے کہ بیشتر میں کچھ نہ کچھ مال غنیمت ضرور ملا چاہے زیادہ رہا ہو یا کم۔

غزوات فدک و تیماء و وادی القریٰ:

خیبر کی فتح کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نواحی یہودی بستیوں کے خلاف بھی فوجی کارروائی کی تاکہ اس علاقے سے یا حجاز سے یہودی فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ مآخذ کی روایات کے مطابق تینوں بستیوں نے اسلامی ریاست کی سیاسی بالادستی قبول کر لی اور بطور خراج خیبر کی مانند اپنی پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کرنے پر صلح کر لی۔ گویا کہ انہوں نے بھی اراضی کی ملکیت پر اسلامی ریاست کا حق تسلیم کر لیا تھا اور اپنے آپ کو اسلام کا مزراع مان لیا تھا۔ فدک اور تیماء نے بلا کسی حیلہ و حجت یا جنگ و جدال کے معاہدہ صلح کر لیا تھا، جبکہ وادی القریٰ نے پہلے تھوڑی سی زور آزمائی کرنے کے بعد صلح کی تھی جیسا کہ خیبر والوں نے کیا تھا۔

چنانچہ پہلے دو یہودی بستیوں فدک و تیماء سے مال و اسباب، ہتھیار و اسلحہ اور مویشی وغیرہ اموال منقولہ پر مشتمل مال غنیمت نہیں ملی۔ جب کہ وادی القریٰ سے منقولہ اسباب اور مویشیوں کی شکل میں کچھ نہ کچھ مال ملا تھا۔ واقدی کے مطابق یہ مال غنیمت کچھ گھریلو سامان اور دوسرے ''اسباب کثیر'' (متاع کثیر) پر مشتمل تھا۔ غیر منقولہ اسباب و جائیداد میں اراضی

Marfat.com

کی ملکیت کا حق اور سالانہ پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج ملا تھا۔

ان تینوں یہودی بستیوں کی مفتوحی اراضی، ان کی سالانہ پیداوار، اس کی مالیت اور وادی القریٰ کے منقولہ مال واسباب وغیرہ کی مقدار و مالیت کا کوئی سراغ مآخذ میں نہیں ملتا۔ اسی طرح اس میں مسلم اور یہودی حصوں کے بارے میں بھی کوئی حوالہ اور قرینہ تک نہیں ملتا۔ ان حالات میں ان یہودی بستیوں سے حاصل شدہ مال غنیمت کا تخمینہ لگانا مشکل ہے۔

بہر کیف بعد کے زمانے سے متعلق ایک روایت ملتی ہے جس سے اس کا کچھ تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں جب حجاز کے تمام یہودیوں کو جلاوطن کیا تو فدک کے یہودیوں کو ان کے نصف حصہ پیداوار کا معاوضہ پچاس ہزار درہم ادا کیا۔ گویا کہ انہوں نے فدک کی اراضی کی کل مالیت ایک لاکھ درہم قرار دی جس میں سے نصف کے مالک مسلمان مجاہدین یا ان کی جانب سے اسلامی ریاست تھی۔

اس روایت کی بنیاد پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ باقی دو یہودی بستیوں، تیماء اور وادی القریٰ، کی مالیت بھی کم وبیش اتنی ہی تھی۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے جس کے صحیح ہونے کے متعدد قرآئن ہیں تو ان تینوں یہودی بستیوں کی اراضی کی کل مالیت تین لاکھ درہم تھی اور اس کا نصف یعنی ڈیڑھ لاکھ درہم مسلمانوں کو بطور خراج ملتا تھا۔ عہد نبوی میں اس حساب سے خیبر اور اس کی تینوں نواحی بستیوں سے جو مال غنیمت ملا وہ زیادہ سے زیادہ ساڑھے چھ لاکھ درہم بنتا ہے جو کافی موزوں تخمینہ کہا جا سکتا ہے۔

المیفعہ کی مہم:

المیفعہ کی مہم میں اختلاف ہے کہ یہ مہم المیفعہ کی طرف بھیجی گئی تھی یا اس کی منزل فدک تھی، لیکن بیشتر مؤرخین کی رائے یہی ہے کہ وہ المیفعہ کے مقام کی طرف بھیجی گئی تھی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ مہم حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کی کمان میں روانہ کی گئی تھی۔ اس کا مقصد بھی تادیبی تھا کہ بنو عوال اور بنو عبد بن ثعلبہ نامی دو چھوٹے چھوٹے گروہوں کو سزا دے کیونکہ انہوں نے ایک مسلم جماعت پر حملہ کیا تھا۔ مسلم سریہ کا حملہ کامیاب رہا۔ انہوں نے دشمن کی سرکوبی کرنے کے بعد ان کے مویشی پکڑ لیے اور ان کے کچھ بچوں اور عورتوں کو بھی بطور قیدی مدینہ لائے۔ دو سو مجاہدین پر مشتمل اس مہم کے ہر سپاہی کو سات اونٹ یا ان کے مساوی بھیڑ بکریاں بطور غنیمت ملیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مویشیوں، قیدیوں اور دوسرے سامان واسباب پر مشتمل مال غنیمت کی کل مالیت ایک ہزار سات سو پچاس اونٹوں کی قیمت کے مساوی یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔

سریائے حضرات غالب لیثی اور بشیر انصاری:

حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کی قیادت میں دو مہمیں اس علاقے میں بھیجی گئی تھیں اور پھر بشیر بن سعد انصاری ایک مہم علاقہ الجناب میں لے کر گئے، ان تینوں مہموں میں مسلمان مجاہدوں کو کچھ مویشی مال غنیمت میں ملے تھے۔ مگر ان کی تعداد یا مسلم حصوں کا ذکر نہیں ملتا۔ غالباً اس کا ایک اہم ترین سبب یہ تھا کہ ان کے اموال غنیمت کی مقدار زیادہ نہ تھی۔

ظاہر ہے کہ سنہ 7 ہجری/629-628ء کی ان آخری مہموں اور سرایا کے اموال غنیمت کا تخمینہ لگانا خاصا مشکل ہے اور صرف ایک مہم کے سوا باقی میں محض ظن وگمان سے ہی کام لینا پڑے گا۔ اگر ہم ان آخری مہموں کے مال غنیمت کا مجموعی

Marfat.com

تخمینہ دو لاکھ درہم لگالیں تو وہ خاصا منصفانہ وقرین قیاس معلوم ہوگا۔ ہمارے اس حساب کتاب کے مطابق ساتویں برس کی تمام مہم جوئی کے نتیجہ میں ملنے والے تمام اموال غنیمت کی مجموعی مالیت تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ درہم آتی ہے جو بظاہر خاصی بڑی رقم لگتی ہے۔

اس پوری غنیمت میں منقولہ مال واسباب کی مالیت بہت زیادہ نہ تھی۔ بظاہر غیر منقولہ اراضی پر مشتمل غنیمت کے نصف کے قریب نظر آتی ہے، لیکن اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ مجموعی میزان میں دونوں کے پلڑے برابر تھے تو عارضی اور مستقل نفع کے اعتبار سے یہودی بستیوں کی مفتوحہ اراضی کی مالیت غیر منقولہ جائیداد کے پلڑے جھکا دیتی ہے۔ خیبر کی مفتوحات سے جو مستقل آمدنی کے ذرائع اور مقرر پیداوار کے وسائل ہاتھ آئے تھے، انہوں نے مسلم مجاہدوں کو تو مالا مال کیا ہی تھا، مدینہ منورہ کی مسلم امت کی فارغ البالی یا خوشحالی کی ضمانت بھی فراہم کردی تھی، کیونکہ روایات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں سے قطع نظر خود خاندان رسالت مآب کو ان کی پیداوار نے پیٹ بھرا اناج فراہم کیا تھا۔

آٹھویں برس کے غزوات وسرایا سے حاصل ہونے والا مال غنیمت

بیس غزوات وسرایا:

ہجرت نبوی کے آٹھویں برس (8 ہجری/30-629ء) اگرچہ بیس غزوات وسرایا ترتیب دیئے گئے، مگر ان میں سے صرف آٹھ نو میں مال غنیمت ملا اور باقی گیارہ بارہ غنیمت کے لحاظ سے خالی گئے۔ غزوات میں صرف ایک میں کچھ مال غنیمت ملا اور وہ بھی بہت کم تھا۔ باقی سرایا زیادہ مالدار نہ نکلے کہ ان کہ مجموعی مالیت بھی معمولی تھی۔ ذیل میں ان کی تفصیل سے مزید تجزیہ کا موقع ملے گا۔

سریہ الکدید:

حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کی قیادت میں صفر/جون کے زمانے میں علاقہ الکدید کا رخ کیا گیا۔ روایات میں اختلاف ہے کہ اس مہم میں دس مجاہد شامل تھے یا پندرہ۔ بہر حال اس پر اتفاق ہے کہ یہ بہت معمولی مہم تھی جو تادیبی کاروائی کے لیے بھیجی گئی تھی۔ اس مہم کو کامیابی کے نتیجہ میں چند قیدی اور کچھ مویشی ملے جن کی تعداد بہت کم تھی۔ اس سے حاصل ہونے والی مال غنیمت کی مالیت بھی معمولی تھی۔

سریہ السی:

دوسرے ماہ (ربیع الاول/جولائی میں) حضرت شجاع بن وہب اسدی کی کمان میں چوبیس مجاہدین پر مشتمل دستہ علاقہ السی پر حملہ کیا اور کاروائی کر کے کچھ مال غنیمت حاصل کیا۔ روایات وضاحت کرتی ہیں کہ اس سریہ میں شریک ہر مجاہد اس کے حصہ غنیمت کے بطور پندرہ اونٹ یا اس کی قیمت کے مساوی بھیڑ بکریاں ملیں۔ گویا کہ اس مہم میں کل چار سو پچاس اونٹ یا ان کی قیمت کے برابر مویشی ملے تھے۔ یہ تعداد خمس ریاست اور مجاہدین کے حصوں پر حاوی ہے۔ اس میں رسو

Marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی بھی شامل رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مہم کی کل مالیت اٹھارہ ہزار درہم تھی۔ کچھ قیدی بھی ہاتھ لگے تھے، لیکن وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی پر رہا کر دیئے گئے تھے، کیونکہ ان کے عزیزوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر دعویٰ کیا تھا کہ وہ مسلمان ہیں اور ان پر غلطی سے حملہ کیا گیا ہے۔ مال اس لیے واپس نہ کیا جا سکا کہ تقسیم ہو چکا تھا۔

سریہ خضرہ:

غالباً غنیمت کے لحاظ سے سریہ خضرہ کافی اہم سریہ تھا۔ یہ مہم حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بن ربعی کی کمان میں علاقہ خضرہ کی طرف بھیجی گئی تھی۔ اس نے کاروائی کر کے کچھ قیدیوں کے علاوہ دو سو اونٹوں اور ایک ہزار بھیڑ بکریوں پر مشتمل مال غنیمت حاصل کیا تھا۔ سولہ نفری مہم کے ہر شریک مجاہد کو بارہ اونٹ یا اس کے مساوی بھیڑ بکریاں بطور غنیمت ملی تھیں۔ اس کے علاوہ بعض قیدیوں نے زر فدیہ بھی دیا تھا جس کا نفع مجاہدین اور اسلامی ریاست کو بالترتیب حصص اور خمس کی صورت میں ہوا تھا۔

ان تمام مہموں سے حاصل ہونے والے اموال غنیمت کی مالیت کا اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں، کیونکہ روایات میں کچھ قرینے مدد کرتے ہیں اور کچھ یہ حقیقت بھی کہ مال غنیمت کی مقدار زیادہ نہ تھی۔ اگر ان تمام پانچوں مہموں کی غنیمت کا تخمینہ پچاس ہزار درہم متعین کیا جائے تو تقریباً بالکل صحیح ہوگا۔

نویں ہجری کی مہمات سے حاصل ہونے والا مال غنیمت

غیر اقتصادی برس:

سنہ 9 ہجری/630-31ء کی بیشتر مہموں میں کچھ نہ کچھ مال غنیمت ضرور ملا تھا۔ بعض میں خاصا وقیع اور بعض میں کم بلکہ صرف نام بھر کا۔ ان مہمات میں مال غنیمت والی سب کی سب سرایا تھیں۔ غزوات میں کچھ نہ ملا تھا۔ اس سنہ کا بلکہ پورے عہد نبوی کا سب سے بڑا غزوہ تبوک تھا لیکن اقتصادی اعتبار سے اس کی حیثیت ناقابل نظر آتی ہے۔ البتہ وہ بعض غنیمت والی مہموں اور سرایا کی اوصیلہ بن گیا تھا۔

سریہ بنی تمیم:

سریہ بنی تمیم حضرت عیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں بھیجی گئی تھی اور یہ ایک تادیبی مہم تھی کیونکہ قبیلہ بنو تمیم کے ایک سرکش و متمرد طبقہ/خاندان نے اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت پر کمر باندھ رکھی تھی۔ ان کی جسارت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے اپنے پڑوسی قبیلہ بنو خزاعہ کو خاص کر ان کے مسلمان طبقات کو زور زبردستی سے نبوی اعمال کو صدقات ادا کرنے سے روک دیا اور مدینہ منورہ کے افسروں کو واپس بھگا دیا تھا۔ اس برس کے ماہ صفر/اپریل، مئی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف یہ مہم بھیجی جس نے ان کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا اور شاید کچھ مویشی پکڑ لیے۔ مہم کے پیچھے پیچھے وہ

Marfat.com

لوگ بھی خاص کر بنو تمیم کے سمجھدار لوگ بھی مدینہ پہنچے اور انہوں نے اپنے سرکش لوگوں کی حرکات شنیعہ کی مذمت کی اور آپ سے معافی مانگنے، توبہ کرنے کے علاوہ آئندہ فرماں برداری کرنے بلکہ اسلام پر عمل کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ آپ نے ان کے تمام قیدی بلا معاوضہ رہا کر دیئے۔

قیدیوں کے رہا کرنے کے مسئلہ پر مورخین کا اختلاف ہے۔ دراصل ان کے دو طبقے ہیں:

اول طبقہ جن میں ابن اسحاق اور ان کے ہم زمانہ مؤلفین ہیں، ان کا بیان ہے کہ اکثر قیدیوں نے زر فدیہ ادا کیے بغیر آزادی پائی تھی مگر بعض کو رقم ادا کرنی پڑی تھی۔

دوسرا طبقہ واقدی اور ابن سعد کا ہے، ان کے مطابق تمام قیدیوں کو اسلام کا دعویٰ کرنے پر بلا معاوضہ فوراً رہا کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے قیدیوں کی تعداد گیارہ بتائی ہے۔ بلاذری نے ان کی رہائی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ بظاہر واقدی کا نقطہ نظر زیادہ صحیح نظر آتا ہے۔

سریہ بیشہ:

دوسرے ماہ ایک اور قبیلہ کے سرکش گروہ کے خلاف ایک تادیبی مہم روانہ کی گئی۔ وہ حضرت قطبہ بن عامر کی مہم تھی جو قبیلہ خثعم کے لوٹ مار کرنے والے ایک گروہ کی تادیب کے لیے علاقہ بیشہ کی طرف بھیجی گئی تھی۔ اس مہم میں بیس مجاہد شامل تھے۔ انہوں نے کارروائی کر کے مویشیوں پر مشتمل غنیمت حاصل کی اور ہر ایک شریک مجاہد کو چار اونٹ بطور حصہ غنیمت ملے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خمس وضفی سمیت کل مال غنیمت سو یا ایک سو ایک اونٹ پر مشتمل تھا۔ بعض روایات کے مطابق اس میں کچھ قیدی بھی ہاتھ لگے تھے۔

سریہ الفلس:

سریہ بیشہ کے بعد دو مہموں میں کوئی مال غنیمت نہیں ملا مگر اس برس کی پانچویں مہم میں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کمان میں قبیلہ بنو طے کے صنم کدہ ''الفلس'' کو ڈھانے کے لیے بھیجی گئی تھی، کچھ قیدیوں، مویشیوں اور دوسرے اسباب ضرورت کے علاوہ تین تلواروں اور تین زرہ بکتروں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ ہمارے مآخذ میں اس امر کا کوئی ذکر ،اشارہ یا قرینہ نہیں ملتا کہ اس مال غنیمت کی مجموعی قیمت کیا تھی یا اس میں ایک معیاری مسلم حصہ کیا تھا۔

مگر یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی باقاعدہ فوجی مہم نہیں تھی بلکہ بنیادی طور سے ایک مذہبی کارروائی تھی اور جو کچھ مال غنیمت ملا تھا وہ اتفاقاً ہاتھ آیا تھا، اس لیے اس کی مقدار بہت زیادہ یقیناً نہیں تھی۔ روایات سے اس قیاس کو مزید تقویت ملتی ہے کہ بنو طے کے بیشتر لوگ مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر مع مال واسباب یا تو فرار ہو گئے تھے یا پہاڑوں میں جا چھپے تھے۔ لہٰذا مال غنیمت معمولی تھا۔

جہاں تک قیدیوں کا سوال ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب نے زر فدیہ نہیں ادا کیا تھا یا وہ غلام نہیں بنائے گئے تھے۔ مثلاً: حضرت عدی بن حاتم طائی جو عرب کے مشہور فیاض اور ضرب المثل سخی حاتم طائی کے فرزند دلبند تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے تھے، ان کی ایک بہن بھی قیدیوں میں شامل تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو از راہِ مرحمت آزاد کر دیا تھا جو ان کے اور ان بھائی کے اسلام لانے کا سبب بن گیا تھا۔ ممکن ہے کہ بعض قیدیوں کو بھی اسی طرح آزاد کر دیا

Marfat.com

گیا ہو۔ بہر حال اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت زیادہ نہ تھی۔

سریہ دومۃ الجندل:

عظیم ترین غزوۂ تبوک میں جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ کوئی مال غنیمت نہیں ملا تھا کیونکہ دشمن میدان جنگ میں آیا ہی نہ تھا۔

البتہ اس دوران اس غزوہ کی ذیلی سرایا میں سے بعض میں غنیمت ضرور حاصل ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید مخزومی کی مہم تھی جو رسول اکرم نے سلطنت دومۃ الجندل کے عیسائی بادشاہ اکیدر بن عبد الملک کندی کے خلاف بھیجی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جو مال غنیمت حاصل کیا وہ دو ہزار اونٹوں، آٹھ سو بھیڑ بکریوں، چار سو زرہ بکتر اور چار سو نیزوں پر مشتمل تھا۔ مہم کے عظیم سالار نے خمس ریاست اور صفی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکال کر بقیہ غنیمت مسلم مجاہدین میں تقسیم کر دی۔ چار سو پچاس جانبازوں پر مشتمل اس مسلم لشکر کے ہر سپاہی کو پانچ اونٹ یا ان کے مساوی رقم بطور حصہ غنیمت ملی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل مال غنیمت صفی نبوی نکال کر دو ہزار چھ سو پچیس اونٹوں کی مالیت پر مشتمل تھا۔ ہمارے اختیار کردہ حساب کے مطابق اس سریہ کی غنیمت کی مجموعی مالیت ایک لاکھ پانچ ہزار پچاس درہم یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔

ہمارے ماخذ کی بعض روایات میں کچھ اختلاف بھی ملتا ہے اور کچھ اضافہ بھی۔ اس سریہ کے مال غنیمت کا ذکر کرتے ہوئے ابن کثیر نے ابن لہیعہ کی ابوالاسود سے روایت پر نقل کیا ہے، لیکن اس میں تھوڑا سا اختلاف بھی ہے۔ اس کے مطابق آٹھ سو غلام، ایک ہزار اونٹ، چار سو زرہ بکتر اور چار سو نیزے تھے۔ روایات میں اور ان کی بنا پر بعض جدید مورخین کی تحقیقات میں غلام یا گھوڑوں یا بھیڑ بکریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہم نے ان سے مراد بھیڑ بکری یا مویشی لیے ہیں، کیونکہ یہی زیادہ قرین قیاس اور صحیح لگتے ہیں۔

بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکیدر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ایک جبہ ہدیہ کیا تھا یا اسے بھی غنیمت میں حاصل کیا گیا تھا۔ یہ بالاتفاق بیان کیا گیا ہے کہ اس سریہ کے نتیجہ میں عیسائی شاہد دومۃ الجندل نے اسلامی حکومت کو تین سو دینار سالانہ جزیہ دینا منظور کیا تھا کہ یہی تعداد اس سلطنت کی کل بالغ مردوں کی آبادی تھی لیکن اس کا تعلق براہ راست مال غنیمت سے نہ تھا۔

دسویں برس کی مہمیں اور ان سے حاصل ہونے والا مال غنیمت

سریہ علی:

عہد نبوی کے آخری برس سنہ 11-10 ہجری/632-631ء میں غزوات تو ہوئے نہیں، البتہ بعض سرایا ضرور مرتب کی گئیں۔ ان میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کمان میں یمن گئی تھی۔ وہ دراصل کوئی فوجی کارروائی نہ تھی، بلکہ تبلیغی مہم

Marfat.com

تھی۔ کسی سبب سے یمن کے قبیلہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تصادم مول لیا جس کے نتیجہ میں مویشیوں، قیدیوں اور کپڑوں پر مشتمل کچھ مال غنیمت حاصل ہوا، مسلمانوں سے بھی شاید غلطی ہوئی تھی یا غلط فہمی کہ انہوں نے حملہ کر کے مال غنیمت حاصل کیا، کیونکہ ان کے سرداروں نے مدینہ منورہ آ کر اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا مطالبہ ثبوت یا بلا حیل و حجت قبول فرمالیا۔ لہٰذا ان کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا مگر مال غنیمت چونکہ مجاہدین میں تقسیم کیا جا چکا تھا اس لیے وہ مسلم قبضہ ہی میں رہا۔ اندازہ ہی نہیں تقریباً قطعی ہے کہ اس سریہ کا مال غنیمت بہت معمولی تھا۔

گیارہویں ہجری کے سرایا اور ان سے حاصل ہونے والا مال غنیمت

گیارہویں سنہ ہجری کے آغاز اور سنہ 632ء کے وسط میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کلبی کی کمان میں فلسطین حدود شام کی طرف ایک بڑی مہم جو تین ہزار سپاہ پر مشتمل تھی بھیجنے کا حکم صادر کیا مگر اس کی روانگی سے قبل ہی آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

روایات و واقعات کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات نبوی کے آخری دو برسوں کے دوران کئی مہمیں ترتیب دی گئیں، مگر ان میں صرف چار سرایا میں ہی کچھ مال غنیمت ملا۔ ان میں سے بیشتر میں وہ معمولی، کم مایہ بلکہ حقیر تھا، صرف ایک مہم کے مال غنیمت کو کسی حد تک وقیع کہا جا سکتا ہے۔

اگرچہ اس برس کے تمام غزوات و سرایا کی غنیمت کی مالیت طے کرنے کے زیادہ قرینے نہیں ہیں لیکن بہر حال اتنے ہی کہ یہ بہ اطمینان قیاس کیا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری ایام کی مہموں سے حاصل شدہ کل مال غنیمت کی مالیت زیادہ سے زیادہ دو لاکھ پچاس ہزار درہم رہی تھی۔

جمیع غزوات و سرایا سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا عمومی تجزیہ

سات اہم نکات:

1: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے دس سالہ مدنی دور کے کل غزوات رسرایا میں صرف چند مہموں میں مال غنیمت ملا تھا۔ اس باب کی فصل نمبر 1 سے فصل نمبر 36 تک کی بحث سے ایک واضح نتیجہ اور پکا ثبوت یہ فراہم ہوتا ہے کہ تمام غزوات و سرایائے نبوی میں نصف سے بھی کم میں غنیمت ملی تھی۔

2: دوسری حقیقت یہ ثابت ہوتی ہے کہ بیشتر میں بہت ہی معمولی منفعت ہوئی تھی، اور صرف گنی چنی مہموں میں بہت غیر معمولی مال ملا تھا۔

3: تیسرے یہ کہ مدینہ منورہ کے تین یہودی قبیلوں، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے ہتھیاروں کے مال غنیمت کے

Marfat.com

علاوہ غیر منقولہ جائیدادوں، اراضی اور خیبر / فدک، تیماء اور وادی القری کے یہودی قبیلوں کی اراضی کی غنیمت ملی تھی جو مستقل آمدنی کا ذریعہ بنی تھی اور اس سے اسلامی ریاست کے حق ملکیت کی داغ بیل پڑی تھی۔

4: چوتھے یہ کہ قریشی کاروانوں سے شروع میں کچھ مال نہیں ملا، حالانکہ ان پر تاخت کے افسانے بڑی شدومد سے کہے اور سنائے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت مستشرقین اور جدید مؤرخین کے دعوؤں اور نظریوں کی تردید کرنے کے علاوہ ابتدائی مہموں کو ان کے صحیح تاریخی تناظر میں بھی پیش کرتی ہے۔

5: پانچویں یہ کہ بعد کے زمانے میں مسلم سرایا نے جن قریشی کاروانوں پر چھاپہ مارا ان کا سارا مال ان کے مالکوں کو بیشتر صورتوں میں واپس کر دیا گیا۔ لہٰذا قریشی کاروانوں کی دولت یا غنیمت نبوی غزاوات وسرایا کی محرک یا کاروانوں پر تخت کرنے کی نبوی پالیسی نہیں بنتی اور اس سے مستشرقین کے نظریات خام کی مزید تردید ہوتی ہے۔

6: چھٹے ایک اہم حقیقت یہ نظر آتی ہے کہ جن مہموں میں مال غنیمت ملا ان کا زیادہ تر تعلق مشرقی قبیلوں سے تھا یا کسی حد تک شمالی عرب قبیلوں سے، مغربی اور جنوبی قبیلوں سے تقریباً مال غنیمت ملا ہی نہیں۔

7: ساتویں اسلامی ریاست کے دشمن جانی اور حریف اصلی قریش سے سوائے بدر کے اور کسی میں خاطر خواہ مال نہیں ملا اور جن سرایا میں ملا ان کو واپس کر دیا گیا۔ یہ اور ایسے دوسرے بہت سے شواہد ودلائل یہ واضح کرتے ہیں کہ مال غنیمت کا حصول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد، محرک یا سطحی نظر تھا ہی نہیں اور جو بھی غنیمت ملی وہ غزوات وسرایا کی ثمرہ ونتیجہ تھی۔

غنیمت والی مہموں کی تاریخی جدول:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام غزوات وسرایا کی ایک جدول یا فہرست دی جائے جن میں کچھ نہ کچھ مال غنیمت ملا تھا تاکہ ایک نظر میں ہر مہم کی غنیمت، تاریخ، مقام اور مالیت کا پتہ لگ سکے اور اس کی بنیاد پر جو کل میزان لگایا جائے، وہ مضبوط حسابی بنیاد پر ہو، اگرچہ وہ تخمینی زیادہ ہوگا اور ریاضیاتی کم۔

سنہ	نمبر شمار	مہم/سریہ یا غزوہ	مال غنیمت کا تخمینہ
2ھ/624ء	1	سریہ نخلہ	بیس ہزار درہم۔
2ھ/624ء	2	غزوہ بدر اکبر	ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم۔
2ھ/624ء	3	غزوہ بنی قینقاع	دو لاکھ پچاس ہزار درہم۔
2ھ/624ء	4	غزوۂ سویق	دو ہزار درہم۔
3ھ/624ء	5	غزوۃ الکدر	بیس ہزار درہم۔
3ھ/624ء	6	سریہ قردہ	ایک لاکھ درہم۔
3ھ/624ء	7	غزوۂ احد	چھ سو سولہ درہم۔

Marfat.com

4ھ/625-26ء	8	سریہ قطن	باون ہزار چار سو درہم۔
4ھ/625-26ء	9	غزوۂ بنی نضیر	تین لاکھ درہم۔
5ھ/626-27ء	10	غزوہ دومۃ الجندل	دس ہزار درہم۔
5ھ/626-27ء	11	غزوہ مریسیع	دو لاکھ درہم۔
5ھ/626-27ء	12	غزوہ خندق	دو ہزار درہم۔
5ھ/626-27ء	13	غزوہ بنی قریظہ	سات لاکھ بیس ہزار درہم۔
6ھ/627-28ء	14	سریہ القرطاء	
6ھ/627-28ء	15	سریہ الغمر	
6ھ/627-28ء	16	سریہ ذوالقصہ	
6ھ/627-28ء	17	سریہ الجموم	ستر ہزار درہم۔
6ھ/627-28ء	18	سریہ الطرف	
6ھ/627-28ء	19	سریہ فدک	
6ھ/627-28ء	20	سریہ ام قرفہ / فزارہ	
7ھ/628-29ء	21	غزوۂ خیبر	
7ھ/628-29ء	22	غزوہ فدک	چھ لاکھ پچاس ہزار درہم۔
7ھ/628-29ء	23	غزوۂ تیماء	
7ھ/628-29ء	24	غزوۂ وادی القریٰ	
7ھ/628-29ء	25	سریہ نجد	
7ھ/628-29ء	26	سریہ میفعہ / افدک	دو لاکھ درہم۔
7ھ/628-29ء	27	سریہ فدک	
7ھ/628-29ء	28	سریہ الجناب	
8ھ/629-30ء	29	سریہ الکدید	
8ھ/629-30ء	30	سریہ الیمن	
8ھ/629-30ء	31	سریہ موتہ	پچاس ہزار درہم۔
8ھ/629-30ء	32	سریہ ذات السلاسل	
8ھ/629-30ء	33	سریہ خضرہ	

Marfat.com

8ھ/30-629ء	34	غزوہ فتح مکہ	
8ھ/30-639ء	35	فتح مکہ	
8ھ/30-629ء	36	صنم کدوں کے سرایا	
8ھ/30-629ء	37	غزوہ حنین	بتیس لاکھ درہم۔
9ھ/31-630ء	38	سریہ بنی تمیم	
9ھ/31-630ء	39	سریہ بیشہ	
9ھ/31-630ء	40	سریہ الفلس	دولاکھ پچاس ہزار درہم۔
9ھ/31-630ء	41	سریہ دومۃ الجندل	
9ھ/31-630ء	42	سریہ الیمن	
کل برس:	**کل مہمات:**		**کل مال غنیمت:**
دس برس	42 مہمات نبوی		اکسٹھ لاکھ ستاون ہزار سولہ درہم۔

مجموعی میزان:

یہ میزان ہر مہم نبوی میں حاصل شدہ مال غنیمت کی زیادہ سے زیادہ مالیت متعین کرنے کی صورت میں بنتا ہے۔ بھول چوک یا شمارہ ذکر میں نہ آسکنے والے مال غنیمت کی قیمت از خود اس میزان میں شامل ہو جاتی ہے۔ غزوۂ حنین کی غنیمت کی مالیت زیادہ سے زیادہ جو ہم نے مقرر کی وہ بھی بہت زیادہ ہے، تاہم مزید احتیاط کی خاطر ہم مجموعی تخمینہ باسٹھ لاکھ درہم لاکھ لگا لیتے ہیں۔

مجموعی تخمینہ کو کم کرنے والے قرینے:

عہد نبوی کے غزوات وسرایا کی مجموعی مالیت باسٹھ لاکھ درہم احتیاط کی بنا پر بہت زیادہ متعین کی گئی ہے، ورنہ متعدد ایسے قرینے، اشارات اور شواہد ہیں جو اس میزان کو کم کرتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا قرینہ تو یہ ہے کہ اونٹوں کی قیمت کو نقد رقم میں تبسیل کرنے کی جو شرح ہم نے اس پوری بحث میں اختیار کی ہے، یقیناً اتنی زیادہ نہ تھی۔ یہ وہ قیمت یا شرح ہے جو اوسط درجہ کے اونٹوں کی ہوتی تھی جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ ورنہ یہ بھی شہادت ملتی ہے کہ باربرداری اور سواری کے عام قسم کے اونٹ بہت معمولی قیمت پر مل جاتے تھے، جیسا کہ ایک صحابی حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہ بن جبر نے غزوہ خیبر کے موقع پر جہاد میں شرکت کے لیے چار درہم میں ایک اونٹ خریدا تھا اور اسی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔

اس ضمن میں ایک دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اموال غنیمت میں جو مویشی، اونٹ یا بھیڑ بکری پکڑے جاتے تھے ان میں زیادہ تر عام قسم کے ہوتے تھے اور وہ بھی مختلف سن وسال اور جسامت وجنس کے۔ ریوڑوں میں اکثر کم قیمت کے ہی مویشی ہوتے تھے۔ یہ بھی بہر حال شہادت ملتی ہے کہ بعض اونٹ یا دوسرے مویشی غیر معمولی قیمت کے ہوتے تھے جیسا کہ ابوجہل

Marfat.com

کے اونٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے یا بعض دوسرے سرداران مکہ کے گھوڑوں وغیرہ کی قیمتوں سے معلوم ہوتا ہے، لیکن وہ شاذ و نادر قسم کے مویشی ہوتے تھے جن کی خرید و فروخت اور دیکھ بھال خاص طور سے کی جاتی تھی اور وہ بالعموم ریوڑوں میں شامل نہ ہوتے تھے۔ ہمارے مآخذ کی ایک دلچسپ اور اچوک عادت یہ ہے کہ وہ بالعموم قیمتی چیزوں اور قیمتی جانوروں کی قیمت یا مالیت ضرور بتاتے ہیں جو فطری ہے۔ پھر مال غنیمت میں حاصل ہونے والے قیمتی جانوروں اور چیزوں کا ذکر اور ان کی قیمت کی صراحت خاص توجہ سے کرتے ہیں کہ وہ نادر شے ہونے کے علاوہ خاص مواقع بھی تھے۔ جیسا کہ ابوجہل کے اونٹ کا ذکر محض انہیں دو اسباب سے کیا ہے۔ تیسرا سبب ابوجہل کی اسلام دشمنی اور مکہ کی سرداری بھی تھی۔ اگر دوسرے اموال میں اتنے قیمتی جانور یا مویشی ہوتے تو ان کا ذکر یا حوالہ کسی نہ کسی جگہ ضرور ملتا۔ پھر بھی ایک عام حقیقت ان کی معمولی قیمت پر دلالت کرتی ہے کہ فی کس حصہ مجاہد، خمس ریاست یا مجموعی مالیت غنیمت بہت معمولی بیان کی جاتی ہے۔ ایک اور اہم قرینہ یہ ہے کہ اموال غنیمت کے مجموعی میزان میں مدینہ منورہ کے یہودی قبیلہ بنو قینقاع کی غیر منقولہ جائیدادوں، دکانوں، گڑھیوں، قلعوں، مکانوں اور کھیتوں وغیرہ کی مالیت بھی شامل ہے۔

اگر دیگر مورخین کی تحقیق تسلیم کر لی جائے جس کے نہ ماننے کی وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں کہ وہ عام روایات کے خلاف ہے اور ہماری روایت پرستی اس کو قبول کرنے میں مانع ہے تو کم از کم دو لاکھ درہم اس میزان سے بھی منہا کرنا چاہیے۔

غزوۂ بنی قریظہ سے حاصل شدہ اموال غنیمت کی مالیت سب سے زیادہ لگائی ہے، ورنہ حقیقت میں وہ اتنی نہیں تھی، کیونکہ ان کے معتدد خاندانوں کی جائیدادیں واپس کر دی گئی تھیں جو مسلمان ہو گئے تھے یا جن کے احسانات و خدمات کی بناء پر انصار کے محبوب و محترم اشخاص نے سفارش کی تھی۔ ہم نے ان کی تمام اراضی اور اسباب کی قیمت لگالی ہے، حالانکہ واپس کی جانے والی اراضی کی قیمت منہا کرنی چاہیے۔ پھر یہ حقیقت بھی نہ بھولنی چاہیے کہ بنو قریظہ کی اراضی خواہ کتنی ہی قیمتی رہی ہو خیبر کی اراضی اور اس کی پیداوار کی مالیت سے زیادہ کسی طور نہ تھی۔ ہم نے نہ صرف خیبر کی اراضی اور پیداوار سے زیادہ ان کی جائیدادوں کی قیمت کا تخمینہ لگایا ہے بلکہ خیبر اور اس کی نواحی بستیوں کی مجموعی قیمت سے بھی اس کو بڑھا دیا ہے۔ ہماری مجبوری یہ تھی کہ ہم نے جو شرح متعین کی تھی اس کو بنی قریظہ کے معاملے میں نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

پھر غزوۂ حنین کی غنیمت کی مالیت کا معاملہ ہے۔ اگر مآخذ کے بیان کردہ اعداد و شمار پر ہم اس کی مالیت متعین کریں تو ہمارے تخمینے سے بہت کم رہ جاتی ہے۔ اگر فی کس حصہ کی کسوٹی بنائیں تو ہمارا تخمینہ صحیح ٹھہرتا ہے۔ قرائن و شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل مالیت یقیناً اس کی آدھی رہی ہوگی۔ اگر اس کو مجموعی میزان سے گھٹا دیں تو کافی کمی آجائے گی۔ ایک حساب سے کم از کم ایک چوتھائی رقم مجموعی تخمینہ سے کم ہو جائے گی۔

بایں ہمہ ہم نے عہد نبوی کے غزوات و سرایا میں حاصل شدہ غنائم کا سب سے زیادہ شرح پر تخمینہ لگایا ہے۔ نہ صرف تخمینہ لگایا ہے بلکہ ہر چھوٹے بڑے مال غنیمت میں بھول چوک، کمی بیشی کو بھی مدنظر رکھا ہے اور اکثر جگہ مجموعی تخمینہ میں منکسر اعداد و شمار کو مکمل کرنے کی خاطر مزید اضافہ کیا ہے تاکہ مستشرقین، جدید مؤرخین اور ناقدین مشرق و مغرب یہ الزام نہ لگا سکیں کہ ہم نے گھٹانے کی کسی طور کوشش کی ہے یا اسلام اور مسلمانوں کی جانبداری کی ہے یا کوتاہ نظری اور کم حسابی سے جائزہ لیا

Marfat.com

ہے۔ان سب باتوں کے علاوہ مسئلہ زیر بحث کی اہمیت بجائے خود تقاضا کرتی ہے کہ اموال غنیمت کا تخمینہ زیادہ سے زیادہ شرح کی بنیاد پر لگایا جائے کہ عہد نبوی کے معاشرہ اور مسلم معیشت میں اموال غنیمت کے تناسب کو متعین کیا جائے۔

معیشت نبوی میں غنائم کا تناسب:

اس پوری تفصیل، شرح وبسط، بحث ومباحثہ اور تخمینہ وحساب کو جان لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کی مسلم معیشت میں اموال غنیمت نے کس حد تک کردار ادا کیا تھا؟ کیا یہ کردار صرف مسلم مدنی معیشت تک محدود تھا یا عرب کے دوسرے علاقوں تک بھی وسیع تھا؟ اموال غنیمت نے مسلمانان مدینہ کی غربت، مفلسی اور ناداری کسی حد تک دور کر دی تھی اور ان کو کتنا مالدار بنایا تھا؟ پھر مدینہ منورہ کے باہر اور دوسرے مسلم علاقوں کے مسلم افراد وطبقات کی ناداری اور غربت کس حد تک کم کی تھی؟

ان سوالات کا جواب تلاش کرنا اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے جدید مورخین اور بالخصوص مستشرقین نے یہ مفروضہ عام طور پر مقبول بنایا ہے کہ غزوات وسرایا نبوی کے اموال غنیمت نے مدنی مسلمانوں، خاص کر نادار مہاجروں کی مفلسی دور کر کے ان کو مالدار بنا دیا تھا۔ ہماری بحث اور اب تک کے نتائج سے بظاہر یہ تاثر صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ خاصی بڑی رقم مسلمانوں کو ملی تھی۔اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بڑی قیمتی اراضی اور اس سے مستقل پیداوار کی مالیت بھی اس میں شامل تھی لہٰذا مستشرقین ومورخین کے دعوے صحیح ہیں لیکن تاثر محض یک طرفہ یا ناقص ہے جو صرف اموال غنیمت کی مالیت کے ظاہری اعداد وشمار دیکھ کر ابھرتا ہے کیونکہ حقیقت میں متعدد دوسرے عوامل واسباب ایسے تھے جو اس کی اصل اقتصادی اہمیت کو واضح کرتے ہیں اور اس عمومی تاثر کی تغلیط کرتے ہیں۔ان اسباب وعوامل اور عناصر کو کسی نے بھی خاطر میں لانے کی کوشش تو درکنار خیال میں بھی لانے کی سعی نہیں کی، کیونکہ ان پہلوؤں پر ان کی نظر گئی ہی نہیں۔متوازن ومتناسب اور صحیح تجزیہ کرنے کے لیے ان اسباب وعوامل اور عناصر کا مطالعہ کرنا ازبس ضروری ہے۔

مسلم معیشت میں غنائم کے حصہ کے عوامل

غنیمت بطور وسیلہ رزق:

سب سے پہلے اور غالباً سب سے اہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں حاصل ہونے والے غنائم کی مالیت اور قیمت امت اسلامی کے کتنے افراد کی خورد ونوش اور دوسری ضروریات زندگی کی کفالت کر سکتی تھی۔ یہ خاصا مشکل اور پیچیدہ سوال ہے اور اس کا جواب اس سے زیادہ مشکل تر اور پیچیدہ تر، لیکن خوش قسمتی سے ہمارے مآخذ میں کم از کم دو ایسی شہادتیں مل جاتی ہیں جو ایک خاندان اوسط درجہ کے خاندان کے محض جسم وجان کا رشتہ برقرار رکھنے کے وسیلہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔

ان میں سے ایک روایت کا تعلق عہد نبوی سے ہے اور دوسری کا تعلق عہد نبوی کے متصلاً بعد کے زمانے اور عہد صدیقی سے ہے۔حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہ بن جبر کا حوالہ گزر چکا کہ انہوں نے چار درہم میں ایک اونٹ غزوۂ خیبر میں

Marfat.com

شرکت کے لیے خریدا تھا۔اسی روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ انہوں نے دو درہم میں اپنے زادراہ کی تیاری کی تھی اور دو درہم اپنے گھر والوں کی ضرورت کے لیے چھوڑے تھے، مگر اس روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے گھر والے کتنے تھے اور یہ دو درہم کا کھانا کتنے دنوں کے لیے تھا۔بہر حال قیاس یہی کہتا ہے کہ ان کا خاندان مختصر رہا ہوگا اور انہوں نے اپنے اور گھر والوں کے لیے صرف ایک دن کا رزق فراہم کیا تھا۔بعض دوسری روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روایت زیادہ دلچسپ اور رہنما ہے۔اس کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تنخواہ جب بیت المال سے مقرر کی گئی تو وہ صرف تین ہزار درہم سالانہ تھی۔اسی واقعہ سے متعلق بعض دوسری روایات بھی ملتی ہیں جو کافی مختلف ہیں لیکن عام طور سے محققین نے اس روایت کو قبول کیا ہے۔تمام روایات کا بہر حال اس پر اتفاق ہے کہ حضرت موصوف کی تنخواہ ان کے مختصر خاندان کے لیے جو غالباً پانچ چھ افراد پر مشتمل تھا بقدر کفاف ہی کفایت کرتی تھی کیونکہ عام کھانے اور دوسری چیزوں کے علاوہ وہ کھانے میں معمولی میٹھے کی متحمل نہیں ہوسکی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے میٹھا کھانے کے لیے کافی دنوں تک ضروری مصارف سے رقم بچائی تھی، تب جا کر اس تنخواہ میں سے ایک دن اس کی گنجائش نکالی تھی۔بہر حال تین ہزار درہم سالانہ کی رقم ایک مختصر خاندان کی بہت معمولی گزر بسر کی کفالت کرتی تھی اور وہ بھی خاص جز رسی اور کنجوسی کے ساتھ۔

اگر ہم اس رقم کو جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بطور تنخواہ ملتی تھی رہنما اور معیار تسلیم کرلیں اور ان کے خاندان کو ایک معیاری مختصر خاندان، تو عہد نبوی کے غنائم کے مجموعی تخمینہ کی کل رقم یعنی باسٹھ لاکھ درہم صرف دو ہزار چھیاسٹھ خاندانوں کی معمولی ضروریات کی کفایت صرف ایک سال تک کرسکتی تھی۔دوسرے الفاظ میں یہ رقم سال بھر کے لیے صرف بارہ ہزار تین سو چھیانوے مسلم افراد کی کفالت کرسکتی تھی۔اگر ہم چھ افراد فی خاندان مقرر کریں اور اگر سات افراد فی خاندان مقرر کریں تو وہ رقم زیادہ سے زیادہ چودہ ہزار دوسو اکتیس (14231) افراد کی ایک سال کی ضروریات پوری کرسکتی تھی۔

ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں مدینہ منورہ کی کل آبادی اس سے کہیں زیادہ تھی اور مال غنیمت سے متمتع ہونے والے صرف مدینہ منورہ کے افراد نہ تھے، بلکہ عرب کے دوسرے علاقوں کے لوگ بھی تھے۔سوال یہ ہے کہ اس فاضل مسلم آبادی کی گزر بسر میں اموال غنیمت نے کیا حصہ لیا تھا۔؟

اب ایک اور اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کتنی تھی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے خاتمہ تک پورے جزیرہ نمائے عرب کی مسلم آبادی کیا تھی؟ اگرچہ ان دونوں سوالوں کا جواب براہ راست ہمارے اموال غنیمت کے کردار سے متعلق نہیں ہے، لیکن اس کی اپنی اہمیت دوسرے اسباب سے بھی ہے اور بالواسطہ تعلق کی بنا پر بھی۔اس سے جڑا ہوا ایک اور سوال یہ بھی ہے کہ مدینہ منورہ کی مسلم آبادی میں برابر اضافہ ہوتا رہا تھا، دس برسوں میں یہ اضافہ کس قدر اور کس شرح سے ہوا تھا؟

مدینہ منورہ کی مسلم آبادی:

ابھی تک عہد نبوی کے مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کے نہ تو باقاعدہ اور واضح اعداد و شمار مل سکے تھے اور نہ ہی اس کا کوئی اہم منتظم و تحقیقی مطالعہ سامنے آیا ہے۔چنانچہ یہ کہنا خاصا مشکل ہے کی شہر نبوی کی کل آبادی کتنی تھی اور اس میں مسلم آبادی کا

Marfat.com

کیا تناسب تھا؟ بہر حال ہمارے مآخذ میں کچھ واقعات، قرآئن اور شواہد ایسے ملتے ہیں جو مدینہ منورہ کی آبادی خصوصاً مسلم آبادی کے اعداد و شمار کا تخمینہ لگانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اس مسئلہ پر ہم بحث کا آغاز ایک جدید علمی مطالعہ سے کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی کل یہودی آبادی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارکہ کے وقت تیس ہزار سے چالیس ہزار افراد یا پانچ، چھ ہزار خاندانوں پر مشتمل تھی۔ بلاشبہ مسلم آبادی اس سے کسی طرح کم نہ تھی، کیونکہ انصاری یعنی اوس اور خزرج کے دو قبیلوں کی آبادی ہی غالباً یہودی آبادی سے زیادہ تھی۔ پھر مسلم مکی مہاجرین کی آبادی نے اس میں مزید اضافہ کیا تھا اور ہجرت کے بعد مہاجرین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا اور مدینہ کی آبادی میں مسلم اضافہ ہوتا رہا۔ اسی کے ساتھ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں بسے ہوئے قبائل خاص کر مغربی قبائل جیسے مزینہ، جہینہ وغیرہ مختلف طبقات بھی مدینہ آکر بس گئے تھے۔ ان کے علاوہ مدنی مسلم آبادی میں اضافہ کے دو اور عناصر و اسباب تھے۔ اول پیدائش و ولادت اور دوم تبدیلی مذہب۔ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ عرب مسلم معاشرہ میں تعداد ازواج کی آبادی میں اضافہ کرنے والا عنصر موجود تھا اور مزید برآں باندیوں اور کنیزوں کی روایت بھی اضافہ آبادی کی وجہ تھی۔ ان اسباب سے ہجرت نبوی کے وقت سے لے کر وفات نبوی تک مدنی معاشرہ کی آبادی برابر بڑھتی رہی تھی۔

مدینہ منورہ کی روز افزوں مسلم آبادی کا ایک اشاریہ مختلف غزوات نبوی میں روز افزوں عددی طاقت بھی ہے۔ غزوۂ بدر میں مسلم مجاہدین کی تعداد تین سو تیرہ یا اس کے قریب تھی جو غزوۂ احد میں ایک ہزار، غزوۂ خندق میں تین ہزار، فتح مکہ میں دس ہزار اور غزوۂ تبوک میں تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ مؤخر الذکر دو غزوات میں مدینہ منورہ کے علاوہ دوسرے علاقوں کے مسلم افراد طبقات بھی شامل تھے کم از کم فتح مکہ کے اسلامی لشکر میں مدنی مجاہدوں کی عددی طاقت اور تناسب کا ذکر ملتا ہے۔ دس ہزار مجاہدوں میں سے کم از کم نصف پانچ ہزار افراد کا تعلق انصار و مہاجرین کے طبقات سے تھا۔ اس اعتبار سے مدینہ منورہ کے کل مسلمانوں کی تعداد فتح مکہ کے وقت تیس پینتیس ہزار تک جا پہنچی ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مدینہ منورہ کے تمام مرد یا قابل جنگ مجاہدوں نے فتح مکہ لشکر میں شرکت نہیں کی تھی جیسا کہ بعض روایات سے تاثر ابھرتا ہے بلکہ مردوں کی ایک خاص بڑی تعداد شہر نبوی کی حفاظت کے لیے چھوڑ دی گئی تھی اور ممکن ہے کہ بہت سے دوسرے مختلف وجوہ و اسباب سے شریک نہ ہوئے ہوں۔ البتہ غزوۂ تبوک میں مدینہ منورہ کی تقریباً تمام بالغ مرد آبادی شریک جہاد رہی تھی۔

اگر یہ دلیل دی جائے کہ فتح مکہ کے لشکر میں یا دوسرے اسلامی غزوات میں ایک ہی خاندان کے کئی افراد بھی شامل ہوئے تھے تو یہ بالکل صحیح ہوگی کیونکہ بلاشبہ ایسا کئی خاندانوں کے سلسلہ میں نظر آتا ہے، لیکن یہ اصول نہیں ہے بلکہ استثناء ہے۔ اس دلیل کو اگر تسلیم بھی کر لیں تو بھی مزید ترک خاندانوں کے افراد کو اصلی میزان سے منہا کرنے کے بعد بھی کافی بڑی آبادی بہر حال نظر آتی ہے۔ مآخذ کی یہ بھی صراحت ہے کہ فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ کی مسلم آبادی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تھا اور دو برس بعد جب غزوۂ تبوک کے لیے اسلام کا لشکر جرار گیا تو اس میں مدنی مجاہدین کی تعداد کم از کم دس ہزار رہی تھی۔ اگر فی خاندان چھ یا سات افراد کی شرح پر ہم آبادی کا تخمینہ لگائیں تو کل آبادی ساٹھ ستر ہزار بنتی ہے۔ اگر مشترک خاندانوں کے متعدد افراد کی بنا پر ہم اس میں کمی کریں تو بھی پچیس تیس ہزار سے زیادہ ہی نظر آتی ہے۔

Marfat.com

ابن کثیر کی روایت کردہ ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ عہد نبوی میں مسلمانوں کی کل آبادی تیس ہزار تھی۔ اگرچہ اس روایت میں کل مسلم آبادی کا ذکر ہے تاہم اس سے مراد اصلاً شہر نبوی کی مسلم آبادی ہے، ورنہ اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ پورعرب کی مسلم آبادی اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ مثال کے طور پر ایک جدید محقق کے مطابق وفات نبوی کے وقت پورے عرب کی کل مسلم آبادی پانچ لاکھ سے دس لاکھ تھی اور حجۃ الوداع کے موقع پر کم از کم ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس میں میدان عرفات میں اپنے رب کے حضور حاضر تھے۔

یہ پوری تاریخی شہادت اور ہماری منطق بحث ثابت کرتی ہے کہ عہد نبوی کے دس سال مدنی زمانے میں غزوات وسرایا سے حاصل شدہ مال غنیمت زیادہ سے زیادہ مدینہ منورہ کی ایک تہائی مسلم آبادی کی صرف ایک سال کی ضرورت زندگی کی کفالت کر سکتے تھے۔ ہماری مقررہ اوسط کی بنیاد پر مدینہ کی پوری مسلم آبادی کے سالانہ اخراجات ومصارف کی کفالت کے لیے کم از کم اٹھارہ ملین سے بیس ملین درہم کی رقم درکار تھی۔

مسلم آبادی کی معیشت اور غزوات وسرایا کی غنیمت کے تناسب کے حوالے سے یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی لازمی ہے کہ مسلم آبادی محض شہر مدینہ کی حدود میں محصور نہیں تھی۔ ہجرت سے قبل اور اس کے بعد مکہ مکرمہ میں قابل لحاظ مسلم نفری موجود رہی جو بلاشبہ گھٹتی اور مدینہ کی طرف ہجرت کرتی رہی۔ مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں مسلم آبادی ہجرت کے زمانے سے موجود تھی۔ ان کے علاوہ مختلف قبیلوں اور علاقوں میں مسلم آبادی وقت کے ساتھ وجود میں آتی رہی اور غزوات میں کم از کم شرکت کرتی رہی۔ ان میں مزینہ، جہینہ، خزاعہ، اسلم، غفار، سلیم وغیرہ بہت سے قبیلوں کے لوگ شامل تھے جو بدوی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔

مرکزی عرب کے علاوہ مشرقی وجنوبی عرب اور شمالی علاقہ جات میں بھی مسلم آبادی وقت کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی اور ترقی کرتی گئی۔ اشعر، دوس، بجیلہ، عبدالقیس، بلی، کندہ، حفت موت، کلب قضاء وغیرہ ایسے بہت سے قبائل تھے جن میں مسلم آبادی موجود تھی۔ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان شریک تھے اور عہد نبوی کے اواخر میں ان کی تعداد پانچ سے دس لاکھ کے درمیان تھی۔

آبادی اور اموال غنیمت کا تناسب:

اگر ہم پورے جزیرہ نمائے عرب کی عہد نبوی کی کل مسلم آبادی کی کم سے کم تعداد پانچ لاکھ مسلم تسلیم کر لیں تو صرف ایک سال میں مسلم مصارف واخراجات کا تخمینہ کم سے کم شرح زندگی کے اوسط کی بنیاد پر لگ بھگ تین سو ملین درہم آئے گا اور پورے دس سال مدنی دور کے کل مصارف کا تخمینہ تین ہزار ملین درہم ہوگا۔ اس حساب سے صرف مدنی آبادی کے ایک سال کے مصارف کا میزان پورے دس برسوں میں حاصل شدہ مال غنیمت کے تخمینہ سے چوبیس گنا زیادہ آتا ہے اور اگر پورے دس سال کے مصارف مدینہ کو شمار وحساب کیا جائے تو کل مالیت اموال صرف تین اعشاریہ چار فیصد رہ جاتی ہے۔ ان اعداد وشمار کی روشنی میں اگر پورے جزیرہ نما عرب کی مسلم آبادی کے صرف ایک سال کے مصارف کے مدنظر رکھا جائے تو حاصل شدہ غنائم کی مجموعی رقم سچ مچ صفر بن جائے گی۔

لیکن یہ تو مجموعی مسلم آبادی کے سالانہ یا دس سال مصارف کا موازنہ دس برس کے اموال غنیمت کی رقم سے کیا جا

Marfat.com

جواس لحاظ سے غیر حقیقی کہا جاسکتا ہے کہ ہر سال حاصل ہونے والی رقم مجاہدین کے درمیان تقسیم ہونے کے بعد ان کی ضرورت کی کفالت کا باعث بنی تھی، بلاشبہ یہ کسی حد تک صحیح ہے لیکن اس کو کئی اور پہلو ہیں جس کو مدنظر رکھنے سے اصل حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے۔

اول یہ کہ مستشرقین اور جدید مؤرخین کے دعوے کے مطابق ہجرت کے بعد نادار مہاجرین کی ایک بڑی آبادی کے نقل وطن کرنے سے مدینہ منورہ کی معیشت پر ناقابل برداشت بوجھ پڑا تھا جو پہلے ہی سے خاصی نحیف ونزار اور خستہ وخراب تھی۔ اس لیے غزوات وسرایا کے ذریعہ مال غنیمت حاصل کرنے کا پرانا عرب طریقہ اپنایا گیا۔ اس دعوے میں کئی نقائص ہیں جو بالترتیب یہ ہیں:

سارے مہاجرین نادار نہ تھے، کئی بہت مالدار تھے۔ ہمارے حساب سے خاصی بڑی آبادی ہجرت کر کے مدینہ آتی تھی مگر دعویداروں کے مطابق تو اولین مہاجرین کی تعداد محض سوسوا سو نفوس پر مشتمل تھی۔ مدنی معیشت اتنی خراب وخستہ نہ تھی بلکہ خاصی خوشحال اور مستحکم تھی جو بآسانی کئی سو نفوس کے مصارف کو برداشت کر سکتی تھی۔ پھر اس دعوے کی سب سے بڑی تردید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ پہلے اٹھارہ ماہ یعنی ڈیڑھ سال تو مسلمانوں کو کوئی مال غنیمت نہیں ملا اور مسلم آبادی کی گزر بسر ہوتی رہی۔ پھر جب سریہ نخلہ اور غزوۂ بدر میں جو مال ملا وہ صرف ساڑھے تین سو نفوس سے لگ بھگ مشتمل آبادی کے کام آیا اور اس کی مجموعی حیثیت خواہ کچھ رہی ہو مگر انفرادی مالیت (فی کس) کیا تھی۔ محض اسی (80) یا زیادہ سے زیادہ سو (100) درہم۔ البتہ قیدی گرفتار کرنے والوں میں سے بیس یا تئیس ہزار افراد کو چار ہزار درہم مل گئے تھے جن کو ایک بڑی رقم کہا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہجرت کے بعد پہلے اٹھارہ مہینوں میں پوری مدنی مسلم آبادی نے اپنے ذرائع ووسائل سے اپنی ضروریات پوری کی تھیں۔ خواہ وہ انصار کرام کی بے مثال سخاوت، بے لوگ اخوت اور بے نظیر مہمان نوازی رہی ہو یا مہاجرین عظام کے اپنے دست وبازو کی کارکردگی اور کارفرمائی، یا انہوں نے محض نان جویں اور آب شیریں پر ہی گزارا کیا ہو لیکن ان کی رزق رسانی میں اموال غنیمت نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔

ایک بہت اہم نکتہ اموال غنیمت کے تعلق سے یاد رکھنے کا یہ ہے کہ ان سے صرف ان مسلمانوں کو اور ان کے ذریعہ ان کے اہل وعیال اور دوسرے متعلقین کو فائدہ پہنچا تھا جو غزوات وسرایا میں شریک ہوتے تھے۔ باقی مسلم آبادی کو فیض پہنچتا تھا تو محض ریاست سے مگر اس کے لیے شرط یہ تھی کہ وہ نادار ومفلس اور غریب ومحتاج ہوں۔ مثال کے طور پر سریہ نخلہ کے گیارہ مجاہدین نے زیادہ سے زیادہ اور غزوۂ بدر کے سوا تین سو مجاہدین نے کسی حد تک فائدہ اٹھایا تھا یا ان کے گھر والوں نے، یہی حال غزوۂ بنی قینقاع اور دوسرے غزوات کا تھا، سوائے اس اراضی کو جو فے قرار دی گئی تھی اور مجموعی طور سے امت مسلمہ کی فلاح وبہبود کے کام آتی تھی۔ باقی مسلم آبادی جس نے ان غزوات وسرایا میں شرکت نہ کی تھی، کہاں سے اپنا رزق اور دوسری ضروریات کے لیے رقم حاصل کی تھی؟ ظاہر ہے کہ اپنے ذرائع ووسائل سے۔ دس سال مدنی دور کے تمام غزوات وسرایا میں جو مجاہدین شریک ہوئے تھے، ان کی مجموعی تعداد ایک لاکھ نفوس تک پہنچتی ہے۔ اس تعداد کا تجزیہ انفرادی تجزیہ بتاتا ہے کہ ان کی غالب اکثریت کو غنیمت سے کوئی مالی یا اقتصادی فائدہ نہیں پہنچا تھا۔ چند بڑے اعداد وشمار سے ہمارا دعویٰ

Marfat.com

واضح اور ثابت ہوگا۔ ابتدائی مہموں کے چند سو مجاہدین کے علاوہ غزوۂ اُحد کے ساڑھے سات سو، جنگ خندق کے تین ہزار، صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضاء کے چودہ سو، فتح مکہ کے دس ہزار، محاصرہ طائف کے بارہ ہزار اور غزوۂ تبوک کے تیس ہزار مجاہدین کو تقریباً کچھ نہیں ملا تھا یعنی ایک لاکھ میں سے تقریباً ساٹھ ہزار مجاہدین کو کوئی اقتصادی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ یہ اعداد و شمار مکمل نہیں ہیں۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ بہت سی مہموں کے مجاہدین بھی غنیمت کے فوائد سے محروم رہے تھے۔ ایک موٹے سے حساب کے مطابق صرف پچیس ہزار افراد کو مالی فائدہ پہنچا تھا اور ان کی تین گنا تعداد ان سے محروم رہی تھی۔

اس ضمن میں ہر سال کی مہموں کے اموال غنیمت سے متمع ہونے والوں کا تجزیہ ایک دوسرے پہلو کو سامنے لاتا ہے۔ پہلے دو برسوں میں سے اٹھارہ ماہ منہا کرنے کے بعد باقی چھ ماہ میں جو کل مال غنیمت ملا اس کی مالیت ہمارے حساب کے مطابق تین لاکھ بیاسی ہزار درہم تھی، جو لگ بھگ ایک ہزار افراد کے مصارف کے لیے کچھ معاون ثابت ہوئی۔ چوتھے برس ساڑھے تین لاکھ سے کچھ زیادہ رقم اتنے ہی مجاہدین کے حصے میں آئی، پانچویں برس کا میزان نو لاکھ تیس ہزار درہم رہا جو لگ بھگ آٹھ ہزار مجاہدین کی قسمت میں آیا۔ چھٹے برس صرف ستر ہزار درہم تقریباً تین ہزار مجاہدین کو حاصل ہوئے۔ ساتویں برس کا میزان آٹھ لاکھ پچاس ہزار درہم کا ہے جو لگ بھگ ڈھائی ہزار مجاہدوں کے حصے میں آیا اور آخری دو برسوں میں صرف دو لاکھ پچاس ہزار درہم کی رقم لگ بھگ بتیس ہزار مجاہدوں کو مل سکی۔

ان میں بعض برسوں میں بڑی رقم نظر آتی ہے مگر حقیقت میں وہ اتنی ہے نہیں کیونکہ ان میں سے سوائے غزوۂ حنین کے تمام دوسرے غزوات میں خاص کر یہودی قبیلوں کے خلاف غزوات میں ان کی پوری غیر منقولہ اراضی کی قیمت یا مالیت شامل ہے، جس کو دراصل ان کی فتح کے بعد باقی عہد نبوی کے برسوں پر بھی تقسیم کرنا چاہیے، کیونکہ ان کا فائدہ کئی برسوں پر منقسم تھا۔ پھر ان میں سے کچھ اراضی پیداواری یا مستقل آمدنی دینے والی تھی جیسے بنو قینقاع کے بازار اور دکانیں، بنو نضیر کے باغات اور کھتیاں، خیبر و فدک اور تیماء و وادی القریٰ کے باغات اور کھیت وغیرہ۔ ان میں سے بہت سی اراضی مالیت والی ضرور تھی مگر غیر پیداواری تھی جیسے یہود مدینہ کے مکانات اور گڑھیاں وغیرہ۔ بہر حال اراضی پیداواری رہی ہو یا غیر پیداواری، وہ اپنی اپنی ذاتی مالیت اور پیداواری دولت کے لحاظ سے مسلم آبادی کے کام آتی تھی اور کافی کام آتی تھی۔

غزوات پر مصارف اور فوج کشی نے نقصانات

مسلم مہمات کے مصارف:

غزوات و سرایا اور ان سے حاصل شدہ اموال غنیمت سے متعلق دوسرا عامل جس کو تمام مشرقی و مغربی مورخین دانستہ یا نا دانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں، یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی تمام فوجی، نیم فوجی، سیاسی، مذہبی اور تبلیغی مہموں کی ترتیب و تنظیم پر کافی مصارف برداشت کیے تھے۔ اس نکتہ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ مجاہدوں نے ضروری ہتھیاروں، کپڑوں، کھانے پینے اور دوسرے سامان رسد، ذرائع نقل و حمل، جانوروں کے لیے چارے اور دوسرے متعدد امور پر کافی بڑی رقمیں خرچ کی تھیں۔ خواہ یہ خرچ انفرادی مجاہدوں کے کندھوں پر پڑا ہو یا اسلامی ریاست کے دوش پر

Marfat.com

رہا ہو۔ بہر حال امت مسلمہ نے ان اخراجات کو برداشت کیا تھا۔ اگر اموال غنیمت آمدنی کے زمرہ میں آتے ہیں تو غزوات وسرایا پر اٹھنے والے مصارف خرچ کے زمرہ میں شمار کرنے چاہئیں اور جب تک آمد وخرچ یا Income یا Investment کا توازن برقرار نہ رکھا جائے، تب نفع ونقصان کا صحیح پتہ کیسے چلے گا۔؟ مستشرقین کی زبان میں غنائم آمدنی تھی تو مہینوں کے مصارف سرمایہ کاری اور ان کا تناسب معلوم کرنا آمدنی کی نفع بخشی معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے۔

مصارف کا تخمینہ:

ہمارے مآخذ میں اسلامی غزوات وسرایا کے مصارف واخراجات کے بارے میں حتمی اور پکی تفصیلات اور واضح اعداد وشمار نہیں ملتے، لیکن بہر کیف خوش بختی سے بعض ایسے قرآئن، شواہد اور روایات مل جاتے ہیں جو مہم بہ مہم، غزوہ بہ غزوہ اور سریہ بہ سریہ انفرادی تخمینہ لگانے میں مدد کر سکتے ہیں اور ان کی بنیاد پر تمام غزوات وسرایا کا مجموعی تخمینہ بھی متعین کر سکتے ہیں۔

فوجی کارروائی پر اخراجات کا پہلا قرینہ قریش مکہ کے حوالہ سے ملتا ہے کہ انہوں نے غزوہ احد میں شریک ہونے والے اپنے لشکر پر جو تین ہزار مسلح سپاہ پر مشتمل تھا پچاس ہزار دینار یعنی چھ لاکھ درہم کی رقم خرچ کی تھی۔ قریش مکہ کے بارے میں ایک دوسری روایت یہ ملتی ہے کہ خندق واحزاب کے عظیم لشکر کے لیے جس میں متفقہ روایات کے مطابق دس ہزار فوجی شامل تھے، مکہ مکرمہ کے ہر صاحب حیثیت یا بے حیثیت فرد نے قومی مقصد کی خاطر کم از کم ایک اوقیہ چاندی (جو چالیس درہم کے برابر تھی) جمع کی تھی اور سرداران قریش نے اس طرح ''اموال عظام'' اکٹھا کر لیے تھے۔ اس روایت میں فی کس خرچ یا کل رقم کا میزان مذکور نہیں ہے۔

دوسری طرف مسلم فوج کے مصارف کے بارے میں بھی بعض روایات ملتی ہیں۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ فتح مکہ مکرمہ کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے لیے خرچ کا فیصلہ فرمایا تو مکہ کے تین مالدار قریشیوں سے مجموعی طور سے ایک لاکھ تیس ہزار درہم (لگ بھگ دس ہزار آٹھ سو دینار) کی خطیر رقم اور کافی بڑی تعداد میں ہتھیار ادھار حاصل کیے تھے۔ روایات کے مطابق صفوان بن امیہ جمحی نے پچاس ہزار درہم، عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی نے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبدالعزی عامری نے بھی چالیس ہزار درہم مستعار دیئے تھے۔

ہتھیاروں کی تعداد اور ان کی مالیت کا اندازہ نہیں ملتا۔ اس ضمن میں یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رقم اور ہتھیار اپنی پوری مسلم فوج دس ہزار سپاہ کے کل مصارف کے لیے نہیں لیے تھے، کیونکہ مدینہ منورہ سے آپ جو لشکر لے کر آئے تھے وہ ہر طرح مسلح ومستعد، کیل کانٹے سے لیس اور تیار تھے۔ غالباً آپ نے یہ اُدھار اضافی خرچ پورا کرنے کے لیے لیا تھا، کیونکہ غزوۂ حنین میں دس ہزار مدنی فوج میں مزید دو ہزار مکی سپاہ کا اضافہ ہو گیا تھا اور غالباً غیر مسلح اور بے سروسامان تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے مسلم فوج بارہ ہزار سپاہ کے اضافی خرچ کے لیے ادھار لیا ہو، مگر یہ بہر کیف حتمی ہے کہ وہ پوری مسلم فوج کے مصارف کے لیے ہرگز نہ تھا۔

مسلم فوج کے مصارف کا ایک تخمینہ غزوہ تبوک کے لشکر جرار کے لیے مسلم عطیات کی رقوم سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال (چار ہزار درہم) دے دیا تھا، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

اپنی آدھی دولت پیش کی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف زہری نے سواوقیہ چاندی (آٹھ ہزار درہم) چندہ میں دی تھی۔ حضرت عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ اسی طرح تمام مسلمانوں نے اپنی بساط بھر عطیاتِ مالی نبوی خزانہ میں جمع کرائے۔ ان میں سے سب سے بڑا عطیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس کے بارے میں روایات کا کافی اختلاف ملتا ہے مگر ہمارے مقاصد کے لیے وہ روایت ہے جس کے مطابق حضرت موصوف نے ستر ہزار درہم یا اس سے کچھ زیادہ رقم بارگاہ نبوی میں نذر کی تھی۔ اس پر مآخذ کا تبصرہ اور بھی دلچسپ اور رہنما ہے کہ اس رقم نے ایک تہائی لشکر کی ضروریات اور مصارف کی کفالت کی تھی۔

تخمینہ لگانے سے قبل اس تبصرہ کے بارے میں یہ وضاحت کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گراں قدر عطیہ یا عطیات پوری تیس ہزار مسلم فوج کے ایک تہائی حصہ کے مصارف کے لیے نہ تھا کیونکہ روایات بتاتی ہیں کہ مالدار اور صاحب حیثیت مسلمانوں نے اپنے اپنے مال سے اپنا اپنا فوجی اسباب اور ساز وسامان فراہم کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے عطیات خاص کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عطیہ ان مفلس ومحتاج مسلم فوجیوں کے لیے تھا جو اپنی جیب سے سامان تیار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود بہت سے مجاہدین مادی اسباب اور مالی وسائل کی عدم فراہمی کے سبب اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، جیسا کہ قرآن مجید صراحت کرتا ہے۔ لہٰذا لازمی طور سے اور منطقی لحاظ سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ کے عطیات غیر مستطیع مجاہدین کے لیے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عطیہ نے ان نادار مجاہدین کی صرف ایک تہائی تعداد کو اسباب ضرورت فراہم کیے تھے۔

ان روایات سے جو مکی افواج اور مسلم لشکروں کے جزوی یا کلی مصارف سے متعلق ہیں ایک مسلم لشکر کے اخراجات کے تخمینہ لگانے میں مدد ملتی ہے۔ اگر قریشی لشکر نے غزوۂ اُحد کے موقع پر چھ لاکھ درہم تین ہزار سپاہ پر خرچ کیے تھے تو ان کے دس ہزار لشکر احزاب پر یہ رقم بیس لاکھ بن جاتی ہے یعنی دو ملین درہم۔ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے لشکروں پر مسلم خرچ مکہ والوں سے ادھار کی رقم کی بنیاد پر لگ بھگ ایک ملین درہم (دس لاکھ درہم) آتا ہے۔

غزوہ تبوک کے عطیات وغیرہ کی بنیاد پر اگر حساب لگایا جائے تو لگ بھگ تین ملین درہم کا صرف معلوم ہوتا ہے دس ہزار گھوڑوں اور بیس ہزار اونٹوں کی قیمت اور اگر ہم تین سو درہم اور چالیس درہم کے حساب سے لگائیں تو بھی تین ملین درہم میزان بنتا ہے۔ دوسرا ساز وسامان ان کے علاوہ تھا۔ اس پر بھی کم از کم ایک ملین رقم خرچ ہوئی ہوگی۔ غزوہ تبوک کے ضمن میں یہ وضاحت بھی کر دی جائے کہ اونٹوں کی تعداد بیس ہزار سے کم تھی مگر بہر حال دس ہزار ضرور تھی اور ان کی لاگ گھوڑوں کی قیمت بھی کم سے کم لگائی جائے تو کل خرچ تین ملین سے کم نہیں ہوگا۔

یہ تو چند غزوات کے مسلم لشکروں کے مصارف کا تخمینہ تھا۔ اگر مکی قریش کے لشکر اُحد پر ہونے والے مصارف کو معیار تسلیم کر کے، جو کہ زیادہ حتمی اور واضح نظر آتا ہے، مدنی دور کے دس سالہ غزوات وسرایا میں شریک ہونے والے تمام مجاہدین کی تعداد کے مطابق حساب کریں تو مسلم مجاہدین کی کل تعداد ایک لاکھ بنتی ہے اور ان پر ہونے والے مصارف کا میزان پندرہ ملین دینار یا ایک سو اسی ملین درہم تک پہنچتا ہے۔ اگر ہم قریشی مکہ کی مضبوط معیشت کے بالمقابل مدنی معیشت کو کمزور اور فروتر تسلیم کر کے حساب کریں اور غزوات پر مسلم مصارف کو قریش کا صرف ایک تہائی خرچ مان لیں

Marfat.com

پانچ ملین دینار یا 33، 60 ملین درہم کے قریب کل مصارف کا میزان آتا ہے۔ قریشی مصارف کے مقابلہ میں ہم کسی حد تک بھی مسلم مصارف کو کم کرتے جائیں۔ یہ حقیقت بہر حال اپنی جگہ رہتی ہے کہ دس سالہ مدت میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت کی رقم مصارف کے مقابلہ میں صفر سے بھی نیچے اتر جاتی ہے۔ مال غنیمت کی آمدنی اور مسلم فوجی تیاریوں پر صرف کا توازن برقرار رکھنے کی واحد صورت یہ رہ جاتی ہے کہ مصارف کے میزان کو تین گنا سے بھی گھٹا دیں مگر یہ ناانصافی کے قرین ہوگا، نہ کہ حقیقت کے اور نہ ہی منطق و عقل کے۔ ایک آخری صورت جو مستشرقین اور جدید مورخین نے اختیار کی' یہ رہ جاتی ہے کہ ہم آمدنی اور مال غنیمت کی تو بات کریں اور مسلم افواج کے مصارف کو سرے سے خاطر میں نہ لائیں۔ اس صورت میں نفع ہی نفع، آمدنی اور فائدہ ہی فائدہ نظر آئے گا مگر کیا یہ سچ بھی ہوگا؟

فوج کشی کے نقصانات:

فوجوں کی تیاری، سامان رسد کی فراہمی اور آلات حرب کی حصول یابی اور دوسرے متعدد قسم کے اخراجات کے علاوہ مسلمانوں کو اپنی دس سالہ جنگجوئی کے زمانہ میں مختلف قسم کے دوسرے اخراجات و مصارف بھی برداشت کرنے پڑے تھے اور یہ مصارف و اخراجات مسلمانوں نے اپنے غیر مسلم دشمن کے سبب برداشت کیے تھے یا دشمن کے ہاتھوں اپنے اموال و اراضی پر حملہ کے نتیجہ میں ہونے والے نقصانات کی صورت میں اٹھائے تھے۔

قیدیوں پر مصارف..... مسلمانوں کے لیے سراسر نقصان:

مختلف مہمات کے دوران مسلمان افواج نے بہت سے قیدی پکڑے تھے۔ یہ تو سب نے دیکھا اور لکھا بھی کہ ان سے مسلمانوں نے زر فدیہ کی صورت میں خطیر رقوم وصول کیں یا ان کو بیچ کر یا غلام بنا کر ان سے مالی فائدے اٹھائے، مگر یہ کسی نے حساب نہ لگایا کہ مسلمانوں نے ان قیدیوں پر کیا کچھ صرف کیا اور کس طرح ان کی دیکھ بھال کی۔ غزوۂ بدر میں قریش کے گرفتار شدہ ستر قیدیوں کو نگہداشت کھانے پینے، کپڑے اور دوسری ضروریات کی کفالت صحابہ کرام رضوان اللہ نے ایک مدت تک کی تھی۔

روایت میں آتا ہے کہ مسلمانوں نے نہ صرف ان کو بہتر کھانا کھلایا بلکہ ان میں سے کئی بسا اوقات خود بھوکے رہ گئے کہ کھانا کم پڑ گیا تھا جیسا کہ ابو عزیز عبدری کی گرفتار کرنے والے انصاری صحابی کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا کرتا عنایت کیا تھا کہ ان کے پاس پہننے کے لیے کچھ نہ تھا۔ یہی حسن سلوک تھا کہ جس نے گفتاران بلا میں سے متعدد کے دل جیت لیے تھے اور ان کو اسلام کا شیدائی بنا دیا تھا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قیدیوں کو زر فدیہ وصول کیے بغیر رہا کر دیا تھا جس کو قرآن مجید نے احسان سے تعبیر کیا ہے۔ آپ چاہتے تو مکہ والوں سے ان کا فدیہ بھی وصول کر سکتے تھے۔

ہوازن و حنین کے قیدیوں کے بارے میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر رحمت ان کے پھٹے پرانے کپڑوں اور چیتھڑوں پر پڑی تو آپ کی رحمت و شفقت جوش میں آئی اور اپنے دشمن قیدیوں کے لیے جو آپ سے جنگ کرنے بلکہ آپ کو قتل کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے آپ نے باقاعدہ ایک صحابی کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ ان کے لیے اچھے کپڑے خرید کر لائیں اور ان کی ستر پوشی کریں۔

Marfat.com

ایسی متعدد مثالیں ہیں اور ان سب کا مفصل ذکر کرنا طول بیان کا باعث ہوگا۔ اختصار کے ساتھ چند قیدیوں کا حوالہ دیا جاتا ہے، جیسے کہ حکم بن کیسان، ثمامہ بن اثال، حاتم طائی کی دختر، فدک کی اسیر و دختر ام قرفہ اور بنو قریظہ کے بعض یہودیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حسن سلوک کیا اور ان پر جو خرچ کیا تھا وہ مسلم مادی نقصانات کی فہرست میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اور دوسرے جنگی قیدیوں کی خورد و نوش اور پوشش پر کافی بڑی رقوم خرچ کی تھیں۔ اگر ان کو اموال غنیمت کے میزان سے منہا کر دیا جائے تو آمدنی میں مزید کمی واقع ہو جاتی ہے۔

مسلم فصلوں اور اراضی کے نقصانات:

ایک اور اقتصادی نقصان اور معاشی عامل جس کو تمام مؤرخین نے نظر انداز کیا ہے، یہ رہا تھا کہ حملہ اور فوج کشی کے دوران دشمن فوجوں اور لشکروں نے مسلم اراضی اور ان کی پیداوار کو خاصا نقصان پہنچایا تھا۔ ان نقصانات میں چراگاہوں پر حملہ کر کے جانوروں کو ہنکا لے جانا، کھیتوں اور فصلوں کو آگ لگانا، قرب و جوار کے علاقہ کو تباہ و برباد کرنا اور مسلم سرایا وغزوات میں مالی خسارہ اٹھانا وغیرہ شامل ہے۔

مسلم چراگاہوں پر حملے:

مکہ اور مدینہ کے درمیان جنگ بھڑکنے سے پہلے قریش مکہ کے ایک اہم سردار کرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ کے قریب واقع ایک چراگاہ پر جو ''الجمار'' کے نام سے مشہور تھی حملہ کر کے چراگاہ کے نگران کو قتل کر دیا اور چراگاہ کے بہت سے جانور خاص کر دودھاری بکریاں ہنکا لے گئے۔ ایسے بعض اور حملے کیے گئے تھے۔

مسلم کھیتوں اور پیداوار کو جلانا:

میدان بدر میں قریش مکہ کے سرداروں اور دوسرے مقتولوں کا انتقام اور شکست کا بدلہ لینے کی غرض سے قریشی سپہ سالار اعظم ابو سفیان بن حرب اموی نے مدینہ منورہ کے قرب و جوار کے علاقہ پر جس کو مآخذ میں عام طور سے ''العریض'' کہا گیا ہے حملہ کر کے مسلمانوں کے کھجور کے باغات اور اناج کے کھیتوں میں سے بعض کو آگ لگا دی اور ایک انصاری کاشتکار اور ان کے مددگار کو قتل کر کے نقصان پہنچایا تھا۔

غزوۂ احد سے قبل جیسا کہ سب کو معلوم ہے، مکی فوج مسلمانوں سے پہلے میدان جنگ میں پہنچ گئی تھی۔ اس نے اُحد پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈالا تو مسلمانوں کے کھیتوں میں اپنے جانور چرنے کے لیے چھوڑ دیئے اور پوری کی پوری فصلیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیں۔ قریشی سرداروں کی یہ خالص انتقامی کارروائی تھی۔ انہوں نے مدینہ کے قرب و جوار کے علاقوں میں کافی لوٹ مار بھی کی۔ اناج اور چارے کے نقصانات بہت بھاری تھے۔ اتنے بھاری کہ انہوں نے ایک طرف تو مدینہ والوں کو بھکمری کے قریب پہنچا دیا تھا تو دوسری طرف مدنی کاشتکاروں کو اتنا خوف زدہ اور برہم کیا کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں سخت احتجاج کیا اور مہاجروں پر ان نقصانات کی ذمہ داری ڈالی۔ یہی شدید مالی نقصانات تھے، جنہوں نے ایک حد تک پرجوش مسلمانوں خاص کر انصاری نوجوانوں کو اتنا برافروختہ کر دیا تھا کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کیا کہ شہر سے باہر نکل کر کھلے میدان میں جنگ کریں۔ اس اصرار و جوش کا محرک اول دراصل کھڑی فصلوں کی تباہی و بربادی بنی تھی، دوسرے عوامل نے ثانوی محرکات کا کام کیا تھا۔

Marfat.com

اسی طرح جنگ خندق کے زمانے میں قریشی فوجوں نے مدینہ منورہ کے ایک ماہ کے محاصرے کے دوران شہر نبوی کے اردگرد کے علاقوں میں خوب لوٹ مار مچائی تھی اور تہس نہس کا بازار گرم کر دیا تھا۔ اگر چہ اس بار مسلم کاشتکاروں نے ہوشیاری دکھائی کہ انہوں نے اپنی فصلیں شروع موسم ہی میں کاٹ کر محفوظ کر لی تھیں لیکن بہر حال دوسرے نقصانات ان کو برداشت کرنا پڑے تھے۔

مسلم مہموں کے مالی خسارے:

مدنی مسلمانوں کو بعض مہموں میں دوسرے نقصانات کے علاوہ کافی مالی خسارے برداشت کرنا پڑے تھے۔ مثال کے طور پر 6 ہجری بمطابق 628ء میں مسلمانانِ مدینہ کا ایک تجارتی کارواں سامان تجارت سے لیس شام بھیجا گیا۔ اس کے سربراہ حضرت زید بن حارثہ کلبی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزادہ کردہ غلام تھے۔ مؤرخین اور ہمارے بنیادی مآخذ نے اس کارواں کو بھی سریہ ہی قرار دیا ہے۔ شمال کے بعض سرکش قبیلوں نے تاک لگا کر ان پر حملہ کیا اور سارا مال واسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح متعدد مہمات میں مسلمانوں کو مالی، جانی اور دوسرے مادی نقصانات ہوئے تھے۔

غزوات وسرایا کے جانی اور مادی نقصانات:

اس ضمن میں ان مادی اور جانی نقصانات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو مختلف مہموں کے دوران مسلمانوں کو دشمنوں کے ہاتھ اٹھانے پڑے تھے۔ بئر معونہ اور رجیع کے سرایا دراصل مذہبی اور تبلیغی اسفار اور ان کے شرکاء کرام اساتذہ وقراء تھے اور ان میں سیاسی اور فوجی عناصر کی آمیزش بہت کم تھی، لیکن جدید مورخین کو ان کے فوجی اور سیاسی کردار پر ہی اصرار ہے۔ بہر کیف ان دونوں ''مہموں'' کو ''المیوں'' میں بدل دیا گیا اور تمام مجاہدین کو شہید اور ان کے تمام ساز وسامان ہتھیار واسلحہ وغیرہ چھین لیا گیا۔ یہ ہر لحاظ سے بہت بھاری نقصانات تھے۔

ان دونوں المیوں کے علاوہ متعدد دوسرے غزوات وسرایا میں مسلمانوں کو مادی، مالی اور جانی نقصانات اٹھانے پڑے تھے۔ تفصیل سے کتاب بہت طویل ہو جائے گی، لہٰذا صرف ان کا نام ہی گنانا کافی ہوگا۔ ان میں اہم ترین خسارہ والی مہمات حسب ذیل تھیں:

1: غزوۂ احد۔
2: حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کا سریہ ذوالقصہ۔
3: حضرت زید بن حارثہ کلبی کا سریہ وادی القریٰ۔
4: حضرت بشیر بن سعد انصاری کا سریہ فدک۔
5: حضرت ابن ابی العوجاء سلمی کا سریہ بنو سلیم۔
6: حضرت کعب بن عمیر غفاری کا سریہ ذات اطلاع۔
7: سریہ موتہ۔

یقیناً ان کے علاوہ دوسرے کئی غزوات وسرایا تھے جن میں مسلمانوں کو صرف نقصان وخسارے سے ہی واسطہ پڑا تھا اور مال غنیمت کا منہ بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ ان تمام شکستوں، ناکامیوں اور محرومیوں میں مدینہ والوں کو جان وروح، بدن وجسم، نقد ومال، اسباب وسامان، جان ومویشی اور جائیداد واموال میں نقصان اٹھانا پڑتا تھا جو بعض حالت میں بہت بھاری ہوتا۔ ہم نے ان نقصانات، ناگزیر نقصانات کا حساب وشمار نہیں کیا ہے جو مسلمانوں کو اپنی کامیاب وبامراد مہموں میں انسانی جانور اور مادی اسباب کے خساروں کی صورت میں اٹھانا پڑے تھے کہ ان کی قیمت کا حساب لگانا ممکن نہیں۔

Marfat.com

اگر چہ ان نقصانات کو خاص کر انسانی جانوں کے نقصانات کو رقوم میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا تاہم آمد وصرف اور لاگت اور فائدہ کا تناسب لگانے کے لیے ان نقصانات کو بھی محسوب کرنا ضروری ہے اور غنیمت کی ''آمدنی'' سے ان کے ''خرچ'' کو منہا کرنا لازمی ہے، ورنہ منافع کی ظاہری شکل دھوکہ دینے والی ہوگی۔ اگر ان تمام جانی اور مالی، مادی اور منفی نقصانات کو بھی محسوب کر لیا جائے تو نفع کا پلہ ہلکا اور نقصان کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ یہ بھی سچ ہے کہ دونوں قسم کے نقصانات اور خسارے بہر حال فوائد ومنافع کے مقابلے میں کم تھے اور بعض صورتوں میں خاصے کم تھے تاہم اموال غنیمت کی مالیت اور قدر و قیمت طے کرتے وقت اور مسلم معیشت میں ان کی کارفرمائی اور کارکردگی متعین کرتے وقت ان کو بھی محسوب کرنا ضروری ہے تا کہ نفع ونقصان کا میزان متوازن ہو جائے۔

اس بحث سے اب تصویر کے دونوں رخ سامنے آتے ہیں۔ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ غزوات وسرایا سے خاصی دولت ملی ،نقد وجنس کی صورت میں بھی اور اراضی واموال کی شکل میں بھی اور یہ بھی اجاگر ہوتا ہے کہ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں کو اپنی مہمات پر کافی مصارف کرنے پڑے اور جانی، مالی، مادی اور مختلف دوسرے اقسام کے نقصانات اٹھانے پڑے۔ نفع ونقصان کے اس میزان میں پلہ کسی کا بھی جھکے، یہ بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ صرف نفع ہی نفع نہیں ہوا بلکہ نقصانات اور مصارف نے نفع کو خاصا کم کیا تھا۔

مسلم معیشت اور غنائم

مسلم معیشت کے اصل عناصر:

یہ حقیقت تو سب کو حتیٰ کہ مستشرقین اور جدید مورخین کو بھی تسلیم ہے کہ عہد نبوی میں بالخصوص مدنی دس سالہ دور میں مسلم معیشت کے بنیادی عناصر اور اصلی معالم کچھ اور تھے۔ صرف غزوات وسرایا سے حاصل شدہ مال غنیمت نہ تھے۔ غنیمت تو محض ایک ذریعہ بنی تھی اور وہ بھی عارضی یا وقتی۔ اس نے مسلم معیشت میں خواہ کچھ بھی حصہ لیا ہو مگر وہ اصل مسئلہ کا حل نہ تھی اور نہ ہی معیشت کی بنیاد واساس، مگر بدقسمتی سے اموال غنیمت کی کارگردگی پر ضرورت سے زیادہ زور دینے والوں نے مسلم معیشت کے اصل عناصر کو نظر انداز کر دیا اور اموال غنیمت کے تجزیہ میں ان کا لحاظ نہیں کیا ہے جو صحیح صورت حال اور حقیقت کو جاننے کے لیے ضروری ہے۔

کسی اور سے کیا شکوہ خود مسلمان مورخین نے اور ان سے زیادہ سیرت نگاروں نے ہجرت نبوی کے بعد مدنی مسلم معیشت کا مطالعہ وتجزیہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی اور اپنی روایت پرستی اور غیر تجزیاتی طرز نگارش سے ان پر مزید دھند پھیلا دی۔ کچھ ہی سیرت نگار ومورخین ہیں جن کو اس مسئلہ کا شعور تھا اور انہوں نے اس کا ادراک کر کے تجزیہ کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن ان کا تجزیہ مختصر بھی ہے اور محدود بھی کیونکہ وہ ان کا اصل مقصود تھا ہی نہیں۔ اسی بنا پر انہوں نے صرف اشارہ کرتے ہوئے مہاجرین کی تجارت کا ذکر کیا ہے کہ مہاجرین کرام نے اپنے تجارتی کاروبار اور محنت مزدوری وغیرہ سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی تھی۔

Marfat.com

بلاشبہ تجارت مہاجرین کا اصل یا سب سے بڑا پیشہ تھا مگر وہ زراعت وغیرہ سے قطعی نابلد تھے، جس طرح انصار کرام کی اصل پیداوار زراعت تھی مگر ان میں تجارت پیشہ حضرات بھی تھے۔ اسی طرح مسلمانوں کے دونوں بڑے طبقات میں حرفت و دستکاری اور مزدوری ومحنت کے دو پیشے تھے۔ اس طرح واضح ہوتا ہے کہ مسلم معیشت کے مکی یا دوسرے معاشی نظاموں کی مانند چار بنیادی عناصر تھے۔ تجارت، کاروبار، زراعت اور کھیتی باڑی، حرفت و دستکاری اور محنت و مزدوری، ان پر مفصل بحث کا یہ موزوں مقام نہیں کہ اس صورت میں ہم اپنے زیر بحث موضوع سے دور جا پڑیں' تاہم ایک مختصر تبصرہ ضروری ہے تاکہ اموال غنیمت کے وسیلہ رزق ہونے کا تجزیہ وسائل آمدنی کے آئینہ میں کیا جا سکے لیکن اس سے قبل یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہجرت کے وقت مدنی مسلم معیشت کیا تھی؟

ہجرت مدینہ کے وقت مدنی معیشت:

سماجی اعتبار سے مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے وقت اور اس کے متصلاً بعد کے زمانے میں چار طبقات تھے۔ انصار کے دو قبیلے اوس وخزرج کی غالب اکثریت مسلمان ہو چکی تھی۔ مہاجرین مکہ واطراف میں سب کے سب مسلمان تھے۔ یہودی قبیلے جن کی تعداد دو درجن سے اوپر تھی اور انصار کے بعض خاندانوں کے غیر مسلم عرب طبقات جو خاصے کم تھے۔ انصار کے کچھ اموال اور خلفاء بھی مدینہ منورہ میں آباد تھے اور اسی طرح مسلم اور غیر مسلم طبقات میں منقسم تھے مگر ان کا شمار انصار سرپرست خاندانوں میں ہوتا تھا۔

اقتصادی لحاظ سے تقریباً سب مدنی سماجی طبقات چاروں عناصر معیشت، تجارت، زراعت و دستکاری، مزدوری رکھتے تھے۔ یہودی میں بنوقینقاع اگر تاجر تھے تو بنونضیر اور بنوقریظہ زیادہ تر تجارت پیشہ۔ ان میں تجارت وزراعت مشترکہ تھی کہ تاجروں میں زراعت پیشہ بھی تھے اور کاشتکاروں کے درمیان تجارت پیشہ۔ دستکاری بنوقینقاع کے سناروں اور اسلحہ سازوں کی جاگیر تھی۔ کمزور یہودی طبقات حرفت پیشہ ہونے کے علاوہ مزدوری بھی کرتے تھے۔ انصار مدینہ میں بھی یہی تقسیم تھی۔ اوس وخزج زیادہ تر زراعت پیشہ تھے کہ ان کے کھجوروں کے باغات اور اناج کے کھیت تھے، لیکن وہ تجارت بھی کرتے تھے کہ ان کا شہر بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا، وہ عرب بازاروں کے علاوہ شام اور دوسرے علاقوں سے تجارت کرتے تھے۔ نصاری میں متعدد لوگوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ دستکاری کرتے تھے اور ان کے غریب غرباء محنت مزدوری سے اپنے پیٹ پالتے تھے۔

غیر مسلم عرب طبقات کی تعداد کافی تھی اور ان کے بارے میں معلومات بھی کم ہیں لیکن قیاس یہی کہتا ہے کہ وہ انہیں ذرائع ووسائل سے یا ان میں سے بعض کے ذریعہ اپنی روزی روٹی حاصل کرتے تھے۔ مہاجرین مدینہ کے بارے میں یہ غلط فہمی عام ہوگئی ہے کہ وہ شروع میں انصار کے ایثار وجود وکرم پر تکیہ کرتے رہے اور پھر ضرورت شدید لاحق ہونے پر لوٹ مار، سریہ اور غزوہ پر اتر آئے تاکہ اپنا اور اپنے متعلقین کا پیٹ پال سکیں۔ ہمارے مآخذ سے اس خیال خام کی پختہ تردید ہوتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ ہجرت کے ابتدائی صدمات اور غریب الوطنی کے اولین اثرات کے زائل ہوتے ہی انہوں نے اپنی صلاحیتوں سے کام لینا شروع کر دیا تھا اور معاشی وذرائع سے گزر بسر کا خاطر خواہ انتظام کر لیا تھا۔

ایک دوسری غلط فہمی یہ عام ہوگئی ہے کہ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کے مقابلے میں محض ایک گاؤں یا صرف معمولی بستی تھی۔

Marfat.com

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک اہم تجارتی مرکز، عمدہ زراعتی علاقہ اور وسیع شہر تھا۔ اقتصادی اعتبار سے انصار رضی اللہ عنہم یہودی قبائل سے ممکن ہے کمزور رہے ہوں مگر ایسا نہیں تھا کہ وہ ان کے دست نگر اور اجیر تھے، جیسا کہ عام طور سے بتایا جاتا ہے۔ اوس وخزرج کے بہت سے افراد وطبقات خاصے متمول اور کافی مالدار تھے۔ ان میں ان کے شیوخ حضرات سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر، اسعد بن زرارہ، ابوایوب انصاری اور متعدد دوسرے بزرگوں کے نام آتے ہیں۔ ان کے مکانات، ڈیوڑھیاں، باغات، کھیتیاں اور دوسرے ذرائع پیداوار تھے۔ غیر منقولہ جائیدادوں کے متمول مالک کے لحاظ سے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کا نام سرفہرست آتا ہے۔

ایک زیادہ دور رس غلط فہمی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ منورہ آئے تھے، حالانکہ یہ ہے کہ بعض حضرات وطبقات کے علاوہ کئی بلکہ زیادہ تر طبقات وافراد اپنا سارا منقولہ مال ومتاع ساتھ لے آئے تھے۔ مثلاً: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آئے تو چار ہزر درہم کے مالک تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت اور مدینہ پہنچنے پر قریش کے مالدار ترین لوگوں میں تھے۔ بنو مظعون/بنو جمح، بنو غنم بن دودان وغیرہ کے خاندان اپنا سارا مال واسباب تک اٹھالائے تھے۔ حضرات طلحہ بن عبداللہ تیمی اور زبیر بن عوام اسدی شامی تجارت سے واپس ہوئے تھے کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ حضرات عثمان بن عفان اور عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف زہری قریش مکہ کے مالدار ترین نوجوانوں میں شامل تھے۔

مدنی معیشت کے وسائل وعناصر

تجارت:

ہمارے مآخذ سے ثابت ہوتا ہے کہ درج ذیل صحابہ تجارت کا کام کرتے تھے:

1: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کپڑے کا کارخانے اور اس کی تجارت۔

2: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملکی اور بین الاقوامی تجارت (ایران) میں شرکت۔

3: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدنی تجارت جنس واناج وکھجور کے ساتھ ساتھ کپڑوں، کھالوں اور غلاموں کی تجارت۔

4: حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی سامان رسد، کپڑے، غلے اور غلاموں کی تجارت۔

5: حضرت طلحہ بن عبداللہ تیمی اور حضرت زبیر بن عوام اسدی رضی اللہ عنہ کی کپڑے کی شامی تجارت۔

6: حضرت طالب بن ابی بلتعہ لخمی رضی اللہ عنہ کی غلہ کی بین الاقوامی تجارت۔

7: متعدد دوسرے مہاجرین کی ملکی، مقامی اور بین القوامی تجارت میں حصہ داری کا ذکر آتا ہے۔

مہاجرین تاجروں کے بارے میں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں حضرات مقداد بن عمرو کذاعی، عبداللہ بن جحش اور ان کے خاندان والے، عبداللہ بن عمر عدوی وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

Marfat.com

انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ کی تجارتی سرگرمی کا ذکر بالعموم ہمارے مآخذ میں کم ملتا ہے کیونکہ وہ زیادہ تر زراعت پیشہ تھے، لیکن بہر حال بعض حوالے ان کے تجارتی کاروبار کے مل ہی جاتے ہیں۔ خاص طور سے غزوات وسرایا کے دوران ان کے تجارتی لین دین کے واقعات کا ذکر ملتا ہے۔

امام بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوشعیب انصاری رضی اللہ عنہ گوشت کا روبار کرتے تھے اور ان کا ایک غلام ان کی دکان پر بیٹھتا تھا، زرعی پیداوار کے مالک انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ اپنی ضرورت سے زیادہ پیداوار دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ غزوہ ذات الرقاع کے دوران حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اپنا اونٹ بیچا تھا۔ مہاجرین اور انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بالعموم مال غنیمت میں ملنے والی اشیاء فروخت کر دیا کرتے تھے جیسا کہ حضرات ابوسعید خدری، ابوقتادہ انصاری، قیس بن عبادہ خزرجی رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے اصحاب کے واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ پھر غزوات خیبر وتبوک کے دوران صحابہ کرام رضوان اللہ کے تجارتی کاروبار کا مجموعی تذکرہ ملتا ہے، اس میں حضرات انصار بھی کافی حد تک سرگرم رہے تھے۔

بدوی عرب مسلموں کے کاروبار اور تجارت کے بھی اسی طرح حوالے ملتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر مویشیوں، اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے تاجر تھے۔ بنوسلیم کے مہاجرین مدینہ اور غیر مہاجرین طبقات زیادہ تر سونے کی کان کنی اور تجارت کرتے تھے کہ ان کے علاقے میں ان کی کافی کانیں تھیں۔ دو مہاجر سلمی صحابہ کرام حضرت حجاج بن علاط اور ابوحصن کے بارے میں وضاحت سے ذکر آتا ہے کہ وہ تجارت پیشہ تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے، وہ اپنا مال اور تجارتی نفع دونوں مدینہ منورہ لاتے تھے کہ شہر نبوی ان کی تجارت کا مرکز تھا۔ دوسرے شہروں اور علاقوں اور قبیلوں کی تجارتی سرگرمیوں کے ناقابل تردید شواہد ملتے ہیں۔

زراعت:

عمومی تاثر یہ ہے کہ انصار کرام زراعت پیشہ تھے اور مہاجرین تجارت پیشہ۔ ہمارے مآخذ دونوں کی تجارتی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہیں، اسی طرح ان کے زرعی کارناموں کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ زراعت میں انصار ممتاز تھے اور تجارت میں مہاجرین اور ان کے اسباب جغرافیائی تھے۔ مکہ مکرمہ پہاڑی علاقہ اور ''غیر ذی زرع وادی'' تھی جہاں تجارت ممکن تھی اور زراعت ناممکن، جبکہ مدینہ منورہ میں زراعت غالب پیشہ تھا اور تجارت ثانوی کاروبار، لیکن ہوتے تھے دونوں۔

انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جو مالدار اور خوش حال زراعت پیشہ لوگ سمجھے جاتے تھے ان میں متعدد طبقات اور حضرات شامل تھے۔ خاندانوں میں بنوسلمہ، بنوحارثہ، بنوظفر اور بنوعبدالاشہل کے بارے میں صراحت کے ساتھ اور بعض دوسرے بطون کے بارے میں مضمر طور سے ذکر آتا ہے کہ مدینہ منورہ کے ''العرض'' نامی علاقے میں ان کے بڑے بڑے کھیت تھے جن میں کافی مقدار میں اناج پیدا ہوتا تھا۔

حضرات سعد بن عبادہ خزرجی اور سید بن حضیر اوسی کے کھیتوں کی آبپاشی بیس بیس اونٹوں سے کی جاتی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق مدنی مسلمانوں کے متعدد کھیت ''الجلائق'' نامی وادی میں تھے، جس طرح حوالی شہر میں ان کے

Marfat.com

زرعی فارم تھے۔غزوہ سویق کے دوران ایک انصاری کے کھیت کو آگ سے جلانے کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔اناج وغلہ کے علاوہ انصار کے کھجوروں کے باغات بھی تھے اوران میں خالی مقامات پر کھیتی باڑی کی جاتی تھی اور سبزی وغیرہ اُگائی جاتی تھی۔ باغات کے مالکوں میں حضرت سعد بن عبادہ خزرجی،قیس بن عبادہ،سعد بن معاذ اوسی،سعد بن ربیع،بشیر بن عبدالمنذر، حارثہ بن نعمان، جابر بن عبداللہ،محمد بن مسلمہ،ابو قتادہ،معاذ بن جبل، براء بن معرور،اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے اسمائے گرامی ممتاز مقام کے مالک ہیں۔

مہاجرین کی زرعی جائدادوں کا ذکر بھی برابر مآخذ میں ملتا ہے۔ان میں سے اہم ترین حضرات حسب ذیل تھے:

متعدد مدنی مہاجرین طائف میں آبائی زرعی جائدادیں، باغات،کھیت اورکوٹھیاں (فارم) وغیرہ رکھتے تھے جیسے عثمان بن عفان اموی،فرزندان سعید بن العاص اموی، خالد،سعید،عمر اور عبداللہ،ام المومنین ام سلمہ مخزومی وغیرہ۔ مدینہ منورہ میں جن مہاجرین نے زرعی جائدادیں بنائیں اور زراعت کا پیشہ اختیار کیا ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص ''حیکۃ الذباب'' نانی اراضی کے مالک تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں ایک باغ تھا،جس کی سینچائی کے لیے انہوں نے ایک نوبی غلام رکھ چھوڑا تھا۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دینی بھائی حضرت عتبان رضی اللہ عنہ بن مالک انصاری کے باغ کے قریب زرعی اراضی بنالی تھی اوراس سے پیداوار حاصل کرتے تھے۔ان کے علاوہ حضرات عثمان بن عفان ماوی،عبدالرحمان بن عوف زہدی،زبیر بن عوام اسدی،طلحہ بن عبداللہ تیمی رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد بزرگ صحابہ کے باغات،کھیت اورزرعی جائدادیں تھیں۔

مہاجر وانصار دونوں گلہ بانی جو زرعی کاروبار کی ایک شاخ سمجھی جاتی ہے،بھی بڑے پیمانے پر کرتے تھے،ان کے کافی تعداد میں مویشی اونٹ،،بھیڑ،بکری،گھوڑے وغیرہ چراگاہوں میں چرتے تھے۔خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد دودھاری جانور تھے جن کا دودھ روزانہ آپ کی ازواج مطہرات کے لیے آتا تھا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں حضرات عبدالرحمان بن عوف زہری،محمد بن مسلمہ اوسی،سعد بن عبادہ خزرجی،سعد بن معاذ اوسی، ابوبکر صدیق تیمی،سعد بن ابی وقاص زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ ممتاز گلہ بان تھے۔

مدینہ منورہ کی زرعی پیداوار کی مالیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جنگ خندق کے خطرناک لمحات میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے ایک بڑے فریق بنوغطفان سے واپس جانے کا معاہدہ کرنا چاہا تو ان کو مدینہ منورہ کی ایک تہائی پیداوار کی پیش کش کی مگر آپ نے بعد میں اس کو حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کے مشورہ پر منسوخ کردیا۔اس معاملہ کی اہل بات یہ ہے کہ بنوغطفان نے اس تجویز کو قبول کرلیا تھا۔

حرفت ودستکاری:

مہاجرین وانصار دونوں میں بہت سے لوگ دستکار اور حرفت پیشہ تھے اور متعدد قبل از اسلام زمانے سے ممتاز چلے آرہے تھے۔ان میں کچھ معمولی قسم کے کاریگر تھے اور بعض بہت اعلیٰ قسم کے،اقتصادی لحاظ سے خوشحالی ومتمول بھی تھے اور کمزور افراد بھی۔ ہمارے مآخذ میں مختلف النوع دستکاریوں اور گناگوں حرفوں کا ذکر ملتا ہے جیسے پارچہ بانی یا کپڑے کی حرفت،نجکاری،لوہاری،اسلحہ سازی،چمڑہ سازی،صیقل گری،خرادگری وغیرہ۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کپڑے بننے کی کارخانہ مدینہ منورہ کی نواحی بستی سنح (س ن ح) میں تھا جہاں ان کے کاریگر کپڑا بنتے تھے اور حضرت موصوف تجارت کرتے تھے۔ مکی عہد میں بھی متعدد دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ نے کپڑے کی صنعت یا حرفت میں مقام بنالیا تھا۔

حضرت خباب بن ارت تمیمی لوہاری اور اسلحہ سازی کے فن حرفہ میں مکی عہد سے ممتاز تھے اور مکہ مکرمہ میں انہوں نے خاصی دولت جمع کر لی تھی۔ ہجرت کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ میں اپنی دستکاری سے بھی جلد ہی مال کمالیا۔ اسی طرح حضرت صہیب بن سنان نمری نے مکہ اور مدینہ دونوں زمانوں میں اپنی دستکاری سے کافی دولت پیدا کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ماہر تیر گر، اسلحہ ساز تھے۔ حضرت مرزوق ماہر صیقل گر تھے۔ حضرت زاہر دھات کے کاریگر تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قدیم غلام ومولیٰ حضرت ابو رافع معروف بڑھئی تھے۔ حضرت سلمان فارسی ''خوص'' (کھجور کے پتوں) سے ضرورت کی چیزیں بنایا کرتے تھے۔ حضرت ابوسیف انصاری مدینہ منورہ کے مشہور لوہار تھے اور دن رات اپنی بھٹی پر کام کیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں حداکین/خراطین (خراد کا کام کرنے والوں) کا ایک پورا بازار تھا جس میں متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم وابستہ تھے۔ بعد کے زمانہ میں خاص کر فتح مکہ وغیرہ کے زمانہ میں خاص کر فتح مکہ وغیرہ کے زمانے کے بعد مدینہ منورہ میں دستکاری کو بہت فروغ ملا، لیکن ابتدائی زمانہ میں کچھ کام نہ تھا۔

محنت اور مزدوری:

انصار و مہاجرین کے کمزور طبقات اور بے مال افراد زیادہ تر اپنے ہاتھوں کی محنت سے اپنا پیٹ پالتے تھے، اس لیے ان کو مآخذ میں عمال ایدیہم (اپنے ہاتھ سے کام کرنے والے) کہا گیا ہے۔ ہجرت سے پہلے اور بعد میں بھی انصار کے بیوی بچے بالعموم یہودی کاشتکاروں، زمین داروں کے باغوں اور کھیتوں میں کام کرتے تھے اور اکثر و بیشتر غلام کی حیثیت سے کیونکہ ان کے مردوں نے یہودی مہاجنوں سے سودی قرضہ لے رکھا تھا اور جسے نہ ادا کرنے کی پاداش میں وہ غلام بنا لیتے تھے۔ ہجرت کے فوراً بعد مہاجرین میں سے بعض بے مال بزرگوں نے بھی یہودی زمین داروں اور باغات کے مالکوں کے ہاں بطور مزدور کام کیا تھا۔ ان کے علاوہ آزاد مزدور بھی تھے جو روزانہ اجرت پر کام کیا کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر گلہ بان اور مویشی چرانے والے لوگ تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتدائی مدنی زمانے میں ایک یہودی زمیندار کے باغ میں آب کشی کا کام اجرت پر کیا تھا اور اپنی شادی کے لیے کچھ ضروری سامان اجرت کے ذریعہ سے ہی اکٹھا کیا تھا جیسا کہ بعض روایات سے واضح ہوتا ہے۔ حضرت جیجاہ بن سعید غفاری، حضرت عمر بن خطاب عدوی رضی اللہ عنہما کے اجیر تھے۔ ان کا دوسرا اجیر ان کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ غزوہ سویق کے ضمن میں ایک انصاری کاشتکار کے ایک زرعی اجیر کا ذکر آتا ہے جس کو سالار قریش ابوسفیان اموی نے قتل کر دیا تھا۔ تجارتی اور زرعی اجیروں کا ذکر برابر مآخذ میں ملتا ہے۔ ان میں بہت سے غلام بھی تھے اور آزاد مزدوری کرنے والے بھی۔

عربوں میں اجرت پر دودھ پلانے والیوں کا ایک بڑا طبقہ ہر جگہ خواتین میں پایا جاتا تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت نبوی کا واقعہ تو بہت مشہور ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بعد ولادت ہوئی تو ان

Marfat.com

کے لیے دایہ اور انا تلاش کی گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کی اولادوں کی رضاعت کا ذکر برابر ملتا ہے اور بعد کے زمانے میں آپ نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضاعت کے لیے حضرت ام بردہ رضی اللہ عنہا کی خدمات اجرت پر حاصل کی تھیں۔ عربوں میں رضاعت کی روایت قدیم تھی جو عہد نبوی اور عہد اسلامی میں برابر جاری رہی اور ان کے ذریعہ بہت سے خواتین اور ان کے خاندان والے روزی روٹی کماتے رہے۔

مدنی معیشت اور عہد نبوی کی اقتصادی زندگی کا مذکورہ بالا بہت ہی مختصر اور سادہ تجزیہ ہے۔ ورنہ وہ نہ تو اتنی مختصر تھی اور نہ ہی اتنی سادہ۔ ہمارے بیان کردہ چار بنیادی عناصر تجارت، زراعت، حرفت اور مزدوری کے بہت سے ذیلی انواع واقسام تھے اور ان سے حاصل کردہ رقوم وآمدنی کے گوشوارے بھی کافی پیچیدہ اور مشکل بنتے ہیں۔ مثلاً: تجارت مقامی، ہلکی اور بین الاقوامی ہونے کے ساتھ ساتھ بعض دوسری صورتیں بھی رکھتی تھی، خاص کر عربوں کی فوجی اور جنگی زندگی میں ان میں کمزور اور روزمرہ کے دوکاندار بھی تھے اور پھیری لگانے والے خوانچہ فروش بھی۔ ہفتہ واری اور روزانہ بازاروں میں تجارت کرنے والے بھی تھے اور عرب کے مختلف بازاروں میں سال بہ سال گھوم گھوم کر تجارت کرنے والے بھی۔ عمرہ وحج کے مناسک ومقامات پر تجارت کرنے والے بھی تھے اور دوسرے میلوں ٹھیلوں میں شرکت کرنے والے بھی۔ قافلے اور کارواں بنا کر جانے والے بھی تھے اور انفرادی تجارت بھی۔ یمن وشام، حبشہ، ایران وغیرہ سے تجارت کرنے والے بین الاقوامی تاجروں کا طبقہ بہت مالدار اور خوشحال تھا۔

عرب تجارت کا ایک اہم عنصر یہ تھا کہ وہ مہموں میں جنگوں کے ارادے سے نکلتے تو سامان تجارت ساتھ لے لیتے کہ وقت ملتے ہی یہ کاروبار عیش بھی کریں گے۔ غیر مسلم عربوں کے اس حسین روایت تجارت کو مسلم تاجروں نے بھی قبول کر کے رواج عام دیا تھا۔ ہمارے مآخذ سے بہت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے غزوات وسرایا کے دوران تجارت کرنے کا ناقابل تردید ثبوت ملتا ہے، مثلاً: غزوہ بدر کے موقع پر قریشی فوج میں شامل سالاروں اور سپاہیوں نے کھالوں، اون وغیرہ پر مشتمل سامان تجارت صرف اس ارادہ سے ساتھ لیا تھا کہ بدر کے بازار میں اس سے نفع کمائیں گے۔ بدر الموعود کے موقع پر مسلمان تاجران مدینہ بھی بدر کے بازار میں اپنا سامان تجارت لے گئے تھے۔ اسی طرح متعدد دوسرے غزوات ومہمات کے دوران مسلمانوں کی تاجرانہ سرگرمی کا ذکر خیر ملتا ہے اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ مدنی معیشت اپنے چار بنیادی عناصر کی تسہیل کے باوجود خاصی پیچیدہ اور متنوع تھیں۔

مال غنیمت کا مجموعی تناسب:

اگر مال غنیمت اور نقصانات کا باہمی تناسب مدنظر رکھا جائے جیسا کہ اوپر کی مفصل بحث میں مذکور ہوا ہے تو غزوات وسرایا میں حاصل ہونے والے منافع کا پلڑا ان کے نقصان کے پلڑے سے خاصا ہلکا نظر آتا ہے، بلکہ آمدنی صفر رہ جاتی ہے۔ پھر ان مصارف اور اخراجات کو بھی اگر جوڑ لیا جائے جو مسلمانوں نے مدنی حیات نبوی کے دس سالہ زمانے میں اپنی مہمات کے سلسلے میں برداشت کیے تھے تو اموال غنیمت کی آمدنی ان کے مقابلے میں صفر سے اور نیچے پہنچ جاتی ہے۔ صرف غزوہ تبوک کے مصارف ثابت کرتے ہیں کہ وہ دس سالہ مہم جوئی سے حاصل شدہ منافع سے زیادہ نہ تھے تو کم بھی نہ تھے۔

اگر چہ مسلم معیشت کے بنیادی عناصر سے حاصل شدہ آمدنی کا مجموعی میزان نہیں ملتا اور نہ اس کا تخمینہ بہ آسانی لگایا

Marfat.com

جاسکتا ہے تاہم یہ طے ہے کہ اموال غنیمت کے ہنگامی ذریعہ اور وقتی وسیلہ سے کہیں زیادہ ان (دیگر صنعتوں) سے آمدنی ہوتی تھی اور دراصل وہی عہد نبوی کی اقتصادیات ومعیشت کی ریڑھ کی ہڈی تھے کیونکہ مسلم امت کی بیشتر بلکہ غالب اکثریت انہیں پرامن ذرائع اور مستقل وسائل کے ذریعہ سے اپنا پیٹ پالتی اور دوسرا کاروبار زندگی چلاتی تھی۔ اموال غنیمت سے اگر بھلا ہوتا بھی تھا تو صرف غزوات وسرایا کے شامل مجاہدین کا اور ان کے ذریعہ کسی حد تک ان کے متعلقین کا۔

اعداد وشمار بالعموم حقیقت کی پوری عکاسی نہیں کرتے۔ یہ اصول ہمارے تجزیے پر بھی کافی حد تک صادق آتا ہے۔ یہ سب تسلیم کرنے کے بعد کہ مسلم حیثیت کے بنیادی عناصر دراصل ان کی اقتصادی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی اور معاشی ڈھانچے کی اساس تھے، یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ مال غنیمت نے بہر حال مسلم معیشت کے فروغ وتوسیع میں حصہ لیا تھا۔ رہی اس کے باہمی تناسب کی بات تو ہم بہ آسانی اسے صرف دو فیصد مان سکتے ہیں اور باقی اٹھانوے فیصد آمدنی پرامن وسائل رزق سے حاصل ہوتی تھی۔ یہ کوئی ریاضیاتی یا پکی حسابی تقسیم نہیں ہے۔ ایک آدھ فیصد ادھر ادھر کرنے سے مجموعی حیثیت میں کئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ یہ ضرور واضح ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کی اصل آمدنی کے ذرائع اور وسائل پرامن رہے تھے۔

غنائم کی قدر و قیمت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کی مسلم معیشت کے مجموعی تناظر میں اس مال غنیمت کے تناسب وکردار کا علمی تجزیہ کرنے کے بعد بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مدینہ منورہ کے مسلمانوں کی زندگی میں خاص کر دوسرے مجاہدین کی اقتصادیات میں عام طور سے اموال غنیمت نے خاصا اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ کردار مختلف نوعیتوں اور متعدد صورتوں میں ادا ہوا تھا جن کا مختصر تجزیہ بھی موضوع کا تقاضا ہے۔

فوجی ترقی میں حصہ:

چونکہ مال غنیمت ایک جنگی ذریعہ آمدنی تھا، اس لیے پہلے ایک نظر مسلم جنگی قوت کی ترقی اور مسلم افواج کی نشو ونما پر ڈالنی ضروری ہے۔ مختلف غزوات وسرایا میں مسلم مجاہدین کو جو اسلحے، سامان حرب اور اونٹ، گھوڑے وغیرہ ملے تھے انہوں نے مسلم فوج کو لیس کرنے میں خاصا اہم کردار ادا کیا تھا۔ ابتدائی غزوات وسرایا میں مسلم مہاجرین نہتے، بے ہتھیار اور ذرائع نقل وحمل کے محتاج نظر آتے ہیں۔ ان کے پیادوں کے مقابلہ میں گھوڑ سوار، شہسوار فوج بھی صفر معلوم ہوتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ مسلم فوج کیل کانٹے سے لیس اور اسلحہ اور دوسرے سامان جنگ سے آراستہ ملتی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار مسلم فوج کے بارے میں آتا ہے کہ وہ لوہے میں غرق تھی۔ اس میں سابقہ غزوات وسرایا خاص کر مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے حاصل شدہ ہتھیاروں نے خاصا اہم حصہ لیا تھا، اگر چہ تمام ہتھیار غزوات وسرایا سے نہیں ملے تھے۔

شہسوار فوج کا ارتقاء:

اس سے زیادہ اہم معاملہ مسلم شہسوار فوج کی ترقی کا ہے۔ غزوہ بدر میں اس کے پاس صرف دو گھوڑے تھے، لیکن غزوہ تبوک میں ان کی تعداد دس ہزار ہوگئی تھی جو کہ مسلم فوج کی ایک تہائی تھی۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ممکن ذریعہ سے شہسوار فوج کو ترقی دی تھی۔ آپ خمس ریاست سے جو اموال غنیمت کا پانچواں حصہ ہوتا تھا،

Marfat.com

فوج کے لئے سامان حرب کے علاوہ گھوڑے ضرور خریدا کرتے تھے۔اس میں مسلم مجاہدین کے نجی گھوڑے بھی شامل تھے اور خرید کے ذریعہ حاصل شدہ گھوڑے بھی، لیکن بہر حال دشمن سے حاصل شدہ مال غنیمت اور خمس نے مسلم شہسوار فوج کی قوت میں کافی اضافہ کیا تھا۔

نقد رقوم کا کردار:

نقد اور سامان کی صورت میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت نے مدینہ کے بعض بلکہ متعدد افراد کو کسی حد تک مالدار بنا دیا تھا۔خاص کر غزوہ بدر کے قریشی اسیروں کے زر فدیہ کی رقم (چار ہزار درہم سے ایک ہزار درہم) خاصی معقول رقم تھی جو اس کے مالک کو ''مالدار'' بنا سکتی تھی۔اس طرح خیبر کے نقد اموال غنیمت نے مسلم سپاہ کی رسدی ضروریات کو پورا کیا تھا اور ان کے مجاہدوں میں سے کچھ کو خاصا مال عطا کیا تھا۔غزوہ حنین کے اموال غنیمت نے مجاہدین کے ایک بڑے طبقے کو مالا مال کیا تھا۔مؤلفۃ القلوب کے ملنے والے عطایا ان کی مالی قدر و قیمت بڑے حد تک متعین کرتے ہیں۔مسلم معیشت کی ترقی میں ان غزوات و سرایا سے حاصل شدہ جانوروں کی تعداد نے حصہ لیا تھا اور دوسرے سامان ضرورت اور سامان عیش نے بہت سے مجاہدین کی معاشی زندگی بہتر بنائی تھی۔بعض بعض کو تو ان ہی اموال غنیمت سے اہل و عیال بھی ملے تھے جن سے ان کے خاندان چلتے تھے یا ان میں اضافہ ہوا تھا۔

مقبوضہ و مفتوحہ اراضی کا حصہ

مدنی اراضی:

اموال غنیمت کا غالباً سب سے اہم اقتصادی فائدہ اور معاشی نفع مدینہ منورہ اور خیبر کی یہودی بستیوں کی زرعی، رہائشی اور افتادہ اراضی سے پہنچا تھا۔مدینہ منورہ کے تین باغی اور سرکش قبیلوں، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کی اراضی، مکانات، دکانوں اور گھڑیوں سے مسلمانان مدینہ کی صرف رہائش کا انتظام مزید آسان ہوا تھا، بلکہ ان کو مستقل آمدنی کے ذرائع بھی ہاتھ لگے تھے۔یہ صحیح ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد مدینہ منورہ کے انصار کرام کے ایثار و سخاوت اور تمام افتادہ اراضی کے عطیہ وغیرہ نے مسلم مجاہدین/مہاجرین کی زندگی آسان بنائی تھی۔تاہم یہ بھی صحیح ہے کہ ان تینوں مدنی یہودی بستی کی اراضی نے مسلم نادار غریب مجاہدین و مہاجرین کی آبادکاری میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔

اموالِ خیبر:

اموال یا اراضی پر مشتمل سب سے اہم اور منفعت غنیمت خیبر سے ملی تھی اور اس کی ملحقہ بستیوں سے بھی خاصی غنیمت حاصل ہوئی تھی۔ان کی جائیدادی غنیمت کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ کم سے کم اٹھارہ سو مسلمانوں کو مستقل آمدنی اور فصل بہ فصل پیداواری دولت ملنی شروع ہوئی تھی اور ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ذی شان بھی شامل و شریک تھا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے واضح ہوتا ہے کہ خیبر سے حاصل شدہ پیداوار نے نان شعیر کا کھانا خاندان رسالت مآب کو پیٹ بھر فراہم کیا تھا۔یہ پہلا مسلم خراج تھا جو غیر مسلم باج گزار قوم سے ان کو ملا تھا۔

Marfat.com

خیبر کی پیداواری دولت کا ذکر اوپر آچکا ہے۔اس میں سے نصف حصہ مسلمانوں کا ہوتا تھا جو لگ بھگ بیس ہزار وسق کھجور، ڈھائی ہزار صاع جو اور پانچ سو نوی پر مشتمل تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خمس ریاست ملا تھا (اور جو آپ کے اپنے حصہ غنیمت کے علاوہ تھا) اس میں سے آپ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو نان نفقہ فراہم کرتے تھے۔ایک زوجہ کا معیاری اور رسدی حصہ اسی وسق کھجور اور بیس وسق جو سالانہ یافی فصل تھا۔اگر اس حصہ کو معیار بنایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لگ بھگ دو ہزار مسلم خاندانوں کی روٹی کا انتظام ہو جاتا تھا اور شاید ان کی کھجور کی ضروریات بھی پوری ہو جاتی تھیں ،لیکن کھانے کی دوسری اشیاء اور لباس وغیرہ دوسری ضروریات زندگی کی فراہمی ان کو اپنی گرہ سے کرنی پڑتی تھی۔بلاشبہ خیبر کی پیداوار سے مسلم خاندانوں کو کافی راحت ملی تھی جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

دوسری ملحقہ بستیوں فدک، وادی القریٰ اور تیماء سے مسلم خاندانوں کو خاصی پیداوار حاصل ہوئی تھی، مگر اس کا تخمینہ یا اندازہ نہیں ملتا، چونکہ بستیوں کے فاتحین بھی خیبر کے مجاہدین تھے، اس لیے ان کے اموال سے بھی وہی اور ان کے متعلقین متمتع ہوئے تھے۔کہا جا سکتا ہے کہ ان کے پیداواری اور رسدی حصوں نے ان کی ضروریات پوری کی ہوں گی اور فاضل پیداوار بیچ کر انہوں نے دوسری ضروریات کی فراہمی آسان بنائی ہوگی۔

اموال غنیمت کی فروخت:

نقد ہو یا جنس، اراضی ہو یا اس کے علاوہ سلب وغیرہ مسلم مجاہدین میں ایک رجحان یہ نظر آتا ہے کہ وہ اپنے حصہ غنیمت کو بیچ دیتے تھے اور اس سے حاصل شدہ رقم سے دوسرا ضروری سامان خرید لیا کرتے تھے۔گھریلو اسباب یا دوسرے ساز و سامان کی بھی اپنی جگہ کافی اہمیت تھی کہ وہ بہر حال مسلم معیشت کو مجموعی طور پر مضبوط بنانے میں کارآمد ثابت ہوئے تھے۔مثلاً: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو زرہ بکتر بطور مال غنیمت ملی تھی اس کو بیچ کر ان کی شادی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق مہر کی رقم ادا کی گئی تھی۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی حدرد اسلمی نے خیبر کے غزوہ میں جو باندی پائی تھی مدینہ منورہ کے ایک یہودی مہاجن ابوالشحم کے ہاتھ فروخت کر دی تھی اور اس سے خاصی رقم پائی تھی۔ایسی بعض اور مثالیں بھی ملتی ہیں۔

غیر منقولہ جائیدادوں کا حصول:

لیکن اس سے زیادہ اہم رجحان یہ تھا کہ مجاہدین اپنے حصہ غنیمت کو یا اس کے کسی حصہ کو فروخت کر کے جائیداد خرید لیا کرتے تھے۔اس طرح مستقل پیداوار اور مستقل آمدنی کے ذریعہ کے مالک بن جاتے تھے۔حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس خزرجی اور ان کے چچازاد بھائی نے بنوالمصطلق کے مال غنیمت سے حاصل ہونے والی رقم سے مدینہ منورہ میں ایک باغ خرید لیا تھا۔حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بقول واقدی ''الردینی'' نامی اور بقول امام بخاری ایک مخرف /خراف (باغ) خریدا تھا جو بنوسلمہ کے محلے میں تھا۔حضرت غزیہ انصاری نے سریہ موتہ میں جو یاقوت پایا تھا وہ خلافت فاروقی میں ایک سو دینار میں بیچ کر ایک کھجور کا باغ مدینہ منورہ کے علاقہ بنوخطمہ میں خریدا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب عدوی، عثمان بن عفان اموی، بریدہ بن حصیب اسلمی وغیرہ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں روایات آتی ہیں کہ انہوں نے مختلف اوقات میں خیبر کی اراضی کے حصے ان کے مالکوں سے خرید کر اپنی جائیدادیں بنائی تھیں، وہ زیادہ تر مال غنیمت کی رقم سے خریدی گئی تھیں اور اس اسے اہم روایت یہ ہے کہ رسول

Marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش اسدی خزیمی کی وفات کے بعد ان کے یتیم فرزند کے لیے خمس کے ایک حصہ سے ایک جائیداد خرید کر دی تھی۔ یہ چند مثالیں ہیں، تلاش جستجو سے ان میں مزید اضافہ کیا جا سکتا ہے، بہر حال ان سے ہمارا دعویٰ مدلل ہو جاتا ہے کہ اموال غنیمت سے جائیدادیں اور وہ بھی پیداواری جائیدادیں خریدنے کے رجحان نے مسلم معیشت کا خاصا استحکام عطا کیا تھا اور اموال غنیمت کا یہی سب سے اہم کردار تھا۔

تبلیغ اسلام.....سلاطین کو اسلام کی دعوت

عالمین کے رسول

عالمگیر ملت:

اللہ تعالیٰ نے رسول برحق، سرور کائنات اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو رفعت جلیلہ پر فائز فرما کر آپ کو دین ابراہیم و دین حنیف کے احیاء، تبلیغ اور تنفیذ کے فرائض تفویض فرمائے۔ اس نے اپنی الوہی کتاب ''قرآن حکیم'' کی شکل میں آپ پر نازل فرما کر عالم انسانیت میں ایک عالمگیر شریعت، ایک ہمہ گیر دستور حیات، ایک مکمل و جامع دین، دین اسلام کے نفاذ کے لئے مبلغ، داعی اور ہادی برحق کی حیثیت سے مبعوث فرمایا، اسی لیے آپ نے مکان و زمان اور رنگ و نسل کے محدود گھروندوں کو مٹا کر ایک ''عالمگیر ملت اسلامیہ'' کی تشکیل فرمائی جس کے گہوارے میں حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی، حضرت سلمان فارسی اور حضرت عداس نینوائی نے روحانی و مادی تربیت حاصل کی۔ اس طرح آپ نے اسلام کا دروازہ دنیا کی ساری قوموں کے لئے کھول دیا اور رنگ و نسل، امارات و غربت اور ملک و قوم کی حدوں کو مسمار کر کے ایک ایسے معاشرے کی بنا ڈالی جس میں ہر فرد کو برابر سے شہری، سیاسی، سماجی اور مذہبی حقوق حاصل ہو گئے۔

قرآن حکیم میں آپ کی اس عالمگیر شخصیت کو واضح طور سے اجاگر کیا گیا ہے۔ ''سورۂ سبا'' میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو ساری دنیائے انسانیت کیلئے ''بشیر و نذیر'' بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سورۂ فتح میں تو یہاں تک مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشن دلیلوں اور سچے دین کے ساتھ مبعوث فرمایا تا کہ اسے دنیا کے سارے مذہبوں پر غلبہ و فوقیت حاصل ہو جائے۔ ''سورۂ انبیاء'' میں آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت قرار دے کر اس نے واضح کر دیا کہ اسلام ہی ایک ایسا عالمگیر مذہب ہے جسے اپنا کر انسان دنیوی و اخروی رحمتوں سے مستفیض اور مادی و روحانی خوشیوں سے ہم کنار ہو سکتا ہے، اسی لیے خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں پر واضح کر دیں کہ آپ ہی ساری دنیا کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

حکمرانوں کے نام خطوط:

ابن سعد کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ان واضح ہدایتوں پر عمل کرتے ہوئے آپ نے دنیا کے حکمرانوں کو خطوط بھیجے اور اسلام سے روشناس فرما کر انہیں اسے قبول کرنے کی دعوت دی۔ مروی ہے کہ ۶ ہجری کے اواخر یا ۷ ہجری کے آغاز (محرم) میں آپ نے ان کے نام الگ الگ خط لکھوائے اور اپنے سفیروں کو ان کی طرف روانہ فرما دیا۔ یہ سفیر ان ملکوں کی زبان جانتے تھے جہاں انہیں بھیجا گیا تھا۔

Marfat.com

صحابہ کو حکم:

ابن اسحاق کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع کر کے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، اس لیے تم انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اور میرا پیغام بھی انہیں پہنچا دو۔ دیکھو! تم حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرح میرے حکم سے منحرف ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی میری طرح اپنے حواریوں کو عیسائیت کی تبلیغ کیلئے دنیا کے مختلف علاقوں میں بھیجنا چاہا تو کچھ آمادہ ہو گئے لیکن دوسروں نے انکار کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی تو ان کے دل بدل گئے اور وہ اسی مقام کی زبان بولنے لگے جہاں انہیں بھیجا گیا تھا۔''

مہر نبی:

ابن سعد کے مطابق صحابہ کرام نے عرض کیا کہ بیرونی ملکوں میں اس خط کو مستند نہیں مانتے جس پر مہر نہ لگی ہو۔ یہ سن کر آپ نے چاندی کی ایک مہر بنوائی جس پر تین سطروں میں ''محمد رسول اللہ'' کندہ تھا۔ لفظ محمد سب سے نیچے، اس کے اوپر ''رسول'' اور سب سے اوپر ''اللہ'' کندہ تھا۔

گیارہ حکام کے نام خطوط:

ابن سعد کے مطابق چھ بادشاہوں اور حاکموں کے پاس آپ نے نامہ مبارک ایک ساتھ محرم ۷ ہجری (مئی ۶۲۸ء) میں بھیجے تھے۔ ابن اسحاق نے ان چھ حکمرانوں کے ساتھ عرب کے تین اور حاکموں کے نام درج کیے ہیں، مگر انہیں فتح مکہ اور معرکہ حنین کے بعد دعوت نامے بھیجے گئے تھے۔ طبری نے یمن کی سفارت کے علاوہ باقی سب کا تذکرہ کیا ہے۔

نمبر شمار	حکومت/مملکت	بادشاہ کا نام	سفیر رسول کا نام
1	بازنطینی مملکت (روم)	ہرقل، قیصر روم	حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی
2	ساسانی مملکت (فارس/ایران)	خسرو پرویز، کسریٰ فارس	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی
3	حبشہ	اصحم بن ابجر نجاشی	حضرت عمرو بن امیہ ضمری
4	مصر (اسکندریہ)	مقوقس	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ
5	غسان (تخوم الشام)	حارث بن ابی شمر	حضرت شجاع بن وہب اسدی
6	یمامہ	ہوذہ بن علی	حضرت سلیط بن عمرو
7	عمان	جیفر و عیاذ (عبد)	حضرت عمرو بن عاص سہمی
8	بحرین	منذر بن ساوی عبدی	حضرت علاء بن حضرمی
9	یمن	حارث بن نعبد کلال حمیری	حضرت مہاجر بن ابی امیہ

Marfat.com

10	یمامہ	ثمامہ بن اثال	حضرت سلیط
11	بنوغسان/ایک قبیلہ	جبلہ بن ایہم غسانی	شجاع بن وہب

دوسو پچیس خطوط:

مورخین کے مختلف اقوال کو سامنے رکھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال تک بہت سے حاکموں اور رئیسوں کے پاس داعی، مبلغ اور کارکن اپنے نامہ مبارک دے کر بھیجے۔ مورخوں اور سیرت نگاروں نے اس قسم کے تقریباً سوا دو سو نامہائے مبارک جمع کیے ہیں، جو آپ کی دینی جدوجہد اور سیاسی بصیرت کا بے مثال نمونہ ہیں۔

بازنطینی مملکت کے نام خط

حضرت دحیہ کلبی کی روانگی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کو نامہ مبارک دے کر بازنطینی شہنشاہ ہرقل کے پاس بھیجا۔ حضرت امام بخاری کا بیان ہے کہ آپ کا حکم تھا کہ نامہ مبارک گورنر بصری کے حوالے کر دیا جائے۔ خود گورنر نے یہ خط قیصر کے پاس حمص بھیجا تھا۔ اس وقت وہ صلیب مقدس کی واپسی اور دوبارہ تنصیب کی تقریب منانے کیلئے بیت المقدس جا رہا تھا۔ نامہ مبارک ملتے ہی اس نے حکم دیا کہ حجاز سے آئے ہوئے کسی تاجر کو اس کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ حجازی تاجروں کو بیت المقدس میں اس کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت دحیہ خود بیت المقدس گئے اور نامہ مبارک اس کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ ان سے اچھی طرح ملا اور نامہ مبارک بڑے احترام سے لے کر پڑھوایا۔ اس تقریب کے موقع پر شاہی دربار سجایا گیا، ابوسفیان اور دوسرے عرب تاجر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے آپ کے حالات معلوم کر کے نامہ مبارک پڑھوایا۔

ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ:

اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے بارے میں آپ ہی کے جانی دشمن ابو سفیان سے سوالات کیے۔ بڑے بڑے پایہ کے بطریق و راہب دربار میں حاضر تھے۔ ان کی موجودگی میں اس نے ابو سفیان سے جرح کی تو وہ دشمن اسلام بھی حقیقت چھپا نہ سکا، بے اختیار ہو کر اس نے قبول کر دیا:

1: آپ عرب کے سب سے معزز و شریف گھرانے میں پیدا ہوئے۔
2: آپ سے پہلے آپ کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا اور نہ ہی کسی فرد نے اس سے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا۔
3: آپ نے نہ تو کبھی دروغ گوئی سے کام لیا اور نہ ہی کسی نے آپ کو دروغ گو سمجھا بلکہ آپ کا کردار تو ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہے۔
4: آپ کے امتی غریب و نادار اور مسکین و بے کس ہیں، پھر بھی آپ کے جاں نثاروں کی تعداد روز بروز بڑھتی رہی ہے۔

Marfat.com

یہ سن کر اس نے ابوسفیان سے صاف وصریح الفاظ میں کہہ دیا:

''تمہاری باتوں ہی سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ ہی رسول برحق ہیں۔ایک نہ ایک دن آپ کا قبضہ میری قدم گاہ پر بھی ہو جائے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک رسول مبعوث ہونے والا ہے، مگر میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔اگر میرے بس میں ہوتا تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے پاؤں دھو دھو کر پیتا۔''

ہرقل کے منہ سے ایمان لگتی باتیں سن کر شاہی بطریق چراغ پا ہو گئے۔ وہ ان کی مخالفت مول لے کر برسر اقتدار نہیں رہ سکتا تھا۔اس لیے خاموشی ہی میں بس اپنی خیر سمجھ کر دربار برخواست کرنے کا حکم دے دیا۔اس کے دل میں نور اسلام کی کرن پھوٹی ہی تھی کہ اقتدار و جہاں بانی کی ہوس نے اسے مصلحتاً خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی اس نے تحائف و عطیات دے کر آپ کے سفیر کو انتہائی اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔

حضرت دحیہ کلبی پر حملہ:

عرب مورخوں کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت دحیہ کلبی ہرقل کی خدمت میں آپ کا مکتوب مبارک پہنچا کر مدینہ واپس آ رہے تھے کہ جذاب کے ایک آدمی ہبید اور اس کے ساتھیوں نے حملہ کر کے تحفے چھین لیے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو بھیجا۔انہوں نے ہبید کو سزا دی اور اس کے جانور چھین لیے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت دحیہ جمادی الثانی ۶ ہجری (اکتوبر نومبر ۶۲۷ء) میں سامان تجارت لے کر شام جا رہے تھے کہ جذام کے لٹیروں نے حملہ کر کے سارا سامان لوٹ لیا، لیکن جذام کے کئی گھر مسلمان ہو چکے تھے، اس لیے انہوں نے مداخلت کر کے ان کا سامان واپس دلا دیا۔انہوں نے واپس آ کر آپ سے شکایت کی تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو بھیجا۔حضرت زید نے حملہ کر کے ''حسمی'' میں دشمن کو شکست دی۔ ہبید مارا گیا اور لٹیروں کی عورتوں اور جانوروں کو گرفتار کر لیا گیا۔اس درمیانی مدت میں حضرت دحیہ آپ کے ساتھ خیبر گئے، پھر واپس آ کر آپ کا نامہ مبارک ہرقل کی خدمت میں پہنچانے کیلئے شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

ثقہ روایت:

حضرت ابن عباس، حضرت انس اور خود حضرت دحیہ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ پھر حضرت امام بخاری جیسی محتاط شخصیت نے بھی اس سفارت کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس لیے اگر عیسائی مؤرخوں نے تعصب کی بنا پر اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا تو محض اس تنگ نظری کی بنا پر اسے غیر مستند کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔قلقشندی نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ بعد میں بھی یہ خط و کتابت جاری رہی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے بعد بھی ایک اور نامہ مبارک بھیجا تھا۔مسند امام احمد بن حنبل کے مطابق یہ خط بھی حضرت دحیہ کلبی ہی لے کر گئے تھے۔

Marfat.com

ساسانی مملکت (فارس) کے نام خط

خسرو ایران کے نام خط:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایرانی فرمانروا کسری پرویز (خسرو پرویز) کا شاہانہ جاہ وجلال منتہائے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی اسی کے پاس آپ کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے اسے حاکم بحرین کے حوالے کر دیا اور پھر اس نے اپنے کسی آدمی کے ہاتھ اسے شہنشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ نامہ مبارک میں پہلے اللہ تعالیٰ کا نام، پھر آپ کا نام اور سب سے بعد میں کسریٰ پرویز (ابرویز) کا نام تحریر تھا۔ اس طرز تخاطب سے وہ آپے سے باہر ہو گیا اور نہایت ہی حقارت سے کہنے لگا:

((یکتب الی هذا وهو عبدی))

''میرا غلام ہو کر مجھے اس طرح مخاطب کرتا ہے۔؟''

یہ کہہ کر نامہ مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور سفیر رسول کو رسوا کر کے بھرے دربار سے نکلوا دیا۔

یمن کے گورنر کو حکم:

پھر کسریٰ پرویز نے یمن کے گورنر باذان کو حکم دیا کہ وہ آپ کو گرفتار کر کے اس کے پاس روانہ کر دے۔ حکم کے مطابق باذان نے اپنے دو آدمی مدینہ منورہ بھیج دیئے۔ مروی ہے کہ آپ کی ہدایت پر انہوں نے رات مدینہ منورہ میں گزاری۔ صبح ہوتے ہی آپ نے ان سے فرمایا:

''جاؤ! آج رات میرے رب (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے رب (بادشاہ) کو ہلاک کر دیا ہے۔''

کسری کا قتل:

یہ سن کر وہ یمن آئے تو باذان کے پاس سرکاری اطلاع آ چکی تھی کہ شہنشاہ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ آپ نے جس دن فرمایا تھا اسی رات کسریٰ پرویز کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ دیکھ کر باذان اس قدر متاثر ہوا کہ وہ اپنے درباریوں اور شہریوں کی کثیر تعداد کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ کسریٰ پرویز نے جس خنجر سے آپ کا نامہ مبارک پھاڑا تھا اس کے بیٹے شیرویہ نے اسی خنجر کے وار سے اسے قتل کر دیا۔

جب حضرت عبداللہ بن حذافہ نے آپ کو بتایا کہ کوتاہ نظر کسری (خسرو) نے آپ کا نامہ مبارک ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا، تو آپ نے نہایت ہی اعتماد سے فرمایا ''مزق ملکہ'' اس طرح آپ نے دنیا کو بتا دیا:

''جس طرح اس نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا، بالکل اسی طرح اس کا ملک بھی پارہ پارہ ہو جائے گا۔''

بوڈلے تحریر کرتا ہے:

''ابھی بیس سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ فارس اسلامی ریاست کا صوبہ بن گیا۔ وہ ریاست

Marfat.com

جس کی باگ ڈوران شخصیتوں میں سے ایک کے ہاتھ میں آ گئی، جنہوں نے اسی عظیم شخصیت سے فیض حاصل کیا جسے اس کے دشمن (نعوذ باللہ) پاگل سمجھتے تھے۔''

حاکم حبشہ کے نام خط

قبول اسلام:

حاکم حبشہ کا لقب نجاشی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سحم بن ابجر حبشہ کے نجاشی تھے۔ حضرت جعفر طیار کے ساتھ دوسرے مظلوم مسلمانوں نے ہجرت کر کے اسی نجاشی کے پاس پناہ لی تھی۔ اس وقت سے آپ نے نجاشی سے برابر رابطہ قائم رکھا۔ صلح نامہ حدیبیہ کے بعد آپ نے انہیں بھی دعوت اسلام دی۔ یہ دعوت نامہ لے کر حضرت عمرو بن امیہ ضمری ان کے دربار میں گئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آئے اور نامہ مبارک کو اپنی آنکھوں سے لگا کر پڑھوایا۔ امام طبری کے مطابق انہوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور حضرت جعفر طیار کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے۔

وفد دربار رسالت میں:

نجاشی نے اپنے صاحبزادے ''ارہا'' کی قیادت میں ساٹھ امیروں کا وفد بھی آپ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے آپ کے نامہ مبارک کے جواب میں جو خط بھیجا تھا، اس میں بھی اس وفد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر سمندر میں طوفان آنے کی وجہ سے کشتیاں ڈوب گئیں اور وفد کا ایک فرد بھی زندہ نہیں بچا۔

دوسری روایتوں میں مذکور ہے کہ وفد کے کچھ لوگ طوفان کی زد سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ''ارہا'' بھی زندہ بچنے والوں میں شامل تھا۔ انہوں نے حاضر ہو کر نجاشی کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ارہا اور اس کے ساتھیوں کی خاطر مدارت خود فرمائی اور حضرت علی نے تو ارہا کو اپنا بھائی بنا لیا تھا۔

نجاشی کا نماز جنازہ:

بوڈلے کی رائے میں:

> ''نجاشی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ دراصل وہ عیسائیوں کے اس فرقے کے پیرو تھے جو ''طبیعت واحدہ'' کا قائل تھا اور مسلمانوں کا عقیدہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں سے ہمدردی تو کی مگر وہ اور ان کی قوم عیسائیت پر قائم رہی۔ اس وقت بھی اہل حبشہ عیسائی ہیں اور ان میں کسی قسم کی مذہبی تبدیلی نظر نہیں آتی۔''

لیکن مستند روایتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ نجاشی نے ۹ ہجری میں وفات پائی۔ آپ نے ان کے جنازے کی غائبانہ نماز پڑھائی۔ ابن قیم نے اسی قول کو صحیح مانا ہے، لیکن صحیح مسلم میں مروی ہے کہ آپ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی، وہ یہ نہیں تھے۔

Marfat.com

نکاح رسول:

عدیس ابابا میں حضرت جعفر کے ساتھ ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ بھی رہتی تھیں۔ان کے شوہر عبداللہ بن جحش کا انتقال ہو چکا تھا،اسی لیے آپ نے نجاشی کو کہلا بھیجا کہ انہیں آپ کے ساتھ شادی کا پیغام دیں اور اگر قبول کرلیں تو رسم نکاح کے بعد انہیں واپس بھیج دیا جائے۔انہوں نے پیغام قبول کرلیا تو چار سو اشرفی مہر پر نکاح ہو گیا اور وہ بصد عزو احترام اسلامی سفیر کے ساتھ واپس مدینہ آ گئیں۔

مصر کے بادشاہ کی جانب خط

اس وقت مصر بازنطینی مملکت کا صوبہ تھا اور مقوقس وہاں کے حاکم اور مذہبی پیشوا تھے۔حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بڑی مہربانی سے پیش آئے۔انہوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا مگر آپ کے نامہ مبارک کا جواب شائستگی سے دیا۔مقوقس کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اعلیٰ خاندان کی دو قبطی خاتون،مصری ملبوسات اور سواری کے لئے اچھی نسل کا خچر (دلدل) آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔قبطی خاتونوں کے نام ماریہ اور شیریں تھے۔آپ نے شیریں حضرت حسان بن ثابت کو عطا فرما دیا،لیکن حضرت ماریہ آپ کی خدمت میں رہیں اور دلدل بھی آپ ہی کے پاس رہا۔معرکہ حنین میں آپ اسی دلدل پر سوار تھے۔

اس سفارت کے متعلق حدیث وسیرت کی کتابوں میں بڑے بڑے پایہ کے صحابہ کرام کی روایتیں موجود ہیں جن کے مقابلے میں مغربی مؤرخوں کی ظنی وقیاسی دلیلیں کوئی وزن نہیں رکھتیں۔

غسانی ریاست (بصری) کی جانب خط

شام کے مرکزی شہر بصری (حوران) میں غسانی عربوں کا رئیس حارث بن ابی شمر ہرقل کی طرف سے والی (گورنر) مقرر تھا۔حضرت شجاع بن وہب اسدی اس کے پاس رسول اللہ صلی الل علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔وہ بہت ہی بے رخی سے پیش آیا اور آپ کی دعوت پر توجہ تک نہیں دی بلکہ آپ کا نامہ مبارک پڑھ کر بہت ہی برہم ہوا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے فوج کو تیاری کا حکم تک دے دیا۔حارث کے بعد جبلہ بن ایہم بصری کا والی ہوا۔کہا جاتا ہے کہ آپ نے اسی جبلہ کے پاس یہ نامہ مبارک بھیجا تھا۔دراصل آپ نے غسانی رئیسوں کے پاس کئی مرتبہ دعوت نامے بھیجے مگر وہ خودسری سے پیش آئے اور اسلام دشمنی پر اتر آئے حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے سفیروں کو شہید کروا دیا۔

یمامہ کی جانب خط

وسطی عرب میں بنوحنیفہ کے ثمامہ بن اثال حنفی اور ہوذہ بن علی حنفی یمامہ کے حاکم (ملک) تھے۔حضرت سلیط بن عمرو

Marfat.com

آپ کا نامہ مبارک لے کر اس کے پاس گئے تھے۔ ہوذہ بن علی نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اگر اسے حکومت میں مساوی حیثیت سے شریک بنالیا جائے تو پھر وہ مسلمان ہونے کیلئے تیار ہے۔ حلبی کے مطابق اس نے آپ کو لکھا تھا:

((ما احسن ماتدعوا اليه واجمله وانا شاعر قومی و خطيبهم والعرب تهاب مكانی فاجعل الی بعض الامر اتبعك))

''کیسی اچھی اور نیک بات ہے جس کی طرف آپ بلا رہے ہیں اور میں اپنی قوم کا شاعر و خطیب ہوں اور سارا عرب میرے مرتبے سے مرعوب ہے۔ اس لیے کچھ اختیارات میرے سپرد کر دیجئے تو پھر میں آپ کی پیروی کیلئے تیار ہوں۔''

اس نے حضرت سلیط کو ''ہجر'' کے بنے ہوئے کپڑے عطا کیے اور یہ خط دے کر انہیں رخصت کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

''اگر وہ انگل بھر یا کھجور برابر زمین بھی مانگے تو بھی میں نہیں دے سکتا۔''

اس نے مدینہ پر حملہ کرنے کی دھمکی دی تھی کہ موت نے آکر اسے دبوچ لیا اور اپنے ناپاک ارادوں کی حسرت لیے وہ اس دنیا سے اٹھ گیا۔

عمان کی جانب خط

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص سہمی کو اپنا نامہ مبارک دے کر جیفر و عبد (عبادیا عیاذ) کے پاس بھیجا۔ یہ دونوں عمان کے بادشاہ (ملک) جلندی کے بیٹے اور ازد کے رئیس تھے۔ زاد المعاد میں حضرت عمرو بن عاص اور دونوں بھائیوں کے درمیان مذاکرات کا حال بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے موثر انداز میں آپ کی تعلیمات پر روشنی ڈالتے ہوئے انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ آخر کار وہ کافی غور و خوض کے بعد مسلمان ہو گئے۔

ابن سعد کے مطابق انہوں نے آپ کی شرائط مان لیں اور اپنے علاقوں میں صدقہ وصول کرنے اور قضیے چکانے کے اختیارات حضرت عمرو بن عاص کو سونپ دیئے۔

بحرین کی جانب خط

حضرت علاء بن حضرمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر بحرین کے حاکم منذر بن ساوی عبدی کے پاس گئے تھے۔ انہوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہونے کے بعد اسلام کی خدمت بہت ہی جوش و خروش سے کی۔ آخر کار ان کی کوششوں سے مجوسیوں اور یہودیوں کے علاوہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے ان مجوسیوں اور یہودیوں کے بارے میں آپ سے ہدایات طلب کیں۔ آپ نے لکھا کہ جزیہ لے کر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا

Marfat.com

جائے۔

بلاذری کے مطابق بحرین کے مجوسیوں اور عیسائیوں نے ادائیگی جزیہ کی شرط پر امیر بحرین حضرت علاء بن حضرمی سے مصالحت کر لی تھی۔ ابن اسحاق نے بھی اس وفد کا تذکرہ کیا۔ ان کے مطابق رسول اکرم کی وفات کے بعد اور ''تحریک ردہ'' سے قبل اہل بحرین نے منذر کو ہلاک کر دیا تھا۔

یمن کی جانب خط

ابن ہشام کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو شاہ یمن حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس بھیجا۔ بلاذری کے مطابق آپ نے ذی رعین، معافر اور ہمدان کے رئیس (قیل) حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور نعمان کے پاس مالک بن مرہ رہاوی کو بھیجا تھا۔ ابن ہشام نے بھی ان تینوں حمیری ملوک کے نام آپ کے ایک نامہ مبارک کا متن تحریر کیا ہے۔ جسے زرعہ ذویزن مالک بن مرہ رہاوی ان کے پاس لے کر گئے تھے۔ اس خط میں شرک و بت پرستی ترک کر کے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ اسی خط سے پتہ چلتا ہے کہ مالک بن مرہ کے مطابق حمیری رئیس نہ صرف مشرف بہ اسلام ہو گیا بلکہ مشرکین کے خلاف بھی مصروف جہاد رہا۔ اس لیے آپ نے نہ صرف اسے خیر و برکت کی خوشخبری دی بلکہ حمیر کی امارات بھی اسے عطا فرما دی۔ آپ نے یمن میں حضرت معاذ بن جبل، مالک بن عبادہ، عبداللہ بن زید، عتبہ بن نمر، حضرت عمرو بن حزم اور دوسرے صحابہ کرام کو بھی صدقہ، زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کیلئے بھیجا تھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یمن کے سارے علاقے میں اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دور بین نظروں نے دیکھا تھا کہ وہ دن دور نہیں جب عرب کا ہر گھر فانوس اسلام سے منور ہوگا۔ اس لیے اب وقت آ گیا تھا کہ آپ دنیا کی دوسری قوموں کو اس نعمت سے مالا مال فرما دیتے۔ آپ کے سفیروں اور قاصدوں نے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں سے رابطہ کیا، ان کے قومی و سیاسی ماحول کا جائزہ لیا اور نئے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے بہت ہی وسیع میدان ڈھونڈ لیا۔ انہوں نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے نئے دین کی دعوت مذکورہ فرمانرواؤں کو دی۔ ان کا مقصد دنیا کو اسلامی تحریک سے روشناس کرنا تھا، نئے دین اور نئے معاشرے کو دوسروں پر مسلط کرنا ان کے ضابطہ عمل کے بالکل منافی تھا۔

دین اسلام میں نئی روح اور نئی توانائی کارفرما تھی، لیکن دنیا کے دوسرے مذہب فرسودہ ہو چکے تھے اور ان کی ہیئت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے دین کی دعوت دے کر دنیا کو حیات نو بخشی اور اسے جمود و تعطل سے نکال کر ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔ نیا دین آشفتہ و بے قرار روحوں کو ابدی سکون عطا کرنے آیا تھا۔ وہ لوگوں کو ذہنی و مادی غلامی سے نجات دلا کر انہیں فلاح و بہبود کی زندگی بسر کرنے کے گر سکھانا چاہتا تھا۔ آپ نے نئے دین کی یہ آواز اپنے سفیروں کی مدد سے ساری دنیا میں پہنچا دی اور یہی آپ کا سب سے بڑا مقصد تھا جسے آپ نے اپنی زندگی ہی میں حاصل کر لیا۔

لیکن ایرانی شہنشاہ اور غسانی رئیسوں کی تخریبی حرکتوں سے نئے دین کے لئے بہت ہی بڑا خطرہ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے انسانیت کی قدر نہیں کی اور مسلم سفیروں کو لوٹنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح انہوں نے آداب سفارت اور بین

Marfat.com

الاقوامی روایات کوتوڑ کر آپ کیلئے نیا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ آپ نے مجبور ہو کر اسلامی ریاست کو بچانے کیلئے ان کے خلاف فوری کاروائی کی۔ ''غزوہ موتہ'' میں بازنطینی حکومت نے غسان کی مدد کی تو اور بھی حالات کشیدہ ہو گئے، لیکن ایران نو روم کی عظیم طاقتیں باہمی جنگ وجدال کی وجہ سے مفلوج ہو چکی تھیں، اس لیے ان کے مقابلے میں اسلامی ریاست کو غلبہ حاصل ہوا، دنیا میں سیاسی انقلاب آ گیا، عظیم طاقتیں سرنگوں ہو گئیں اور ہر طرف اسلام کا پرچم لہرانے لگا (دورِ فاروقی میں)۔

روم، فارس، مصر اور حبشہ کے شہنشاہوں اور بادشاہوں اور عرب کے رئیسوں اور حاکموں (ملوک واقیال) کے نام مراسلہ آپ کے نامہائے مبارک کی تفصیل احادیث صحیحہ اور سیرت ومغازی کی ان تمام مستند کتابوں میں محفوظ ہے جنہیں مغرب کے مشہور مستشرق بھی تاریخ کا اہم ماخذ تسلیم کرتے ہیں۔ پھر بھی انہیں اس بات پر حیرت ہے کہ آپ نے ۶ ہجری کے اواخر یا ۷ ہجری کے اوائل میں ایسی بڑی بڑی طاقتوں کو شان رسالت کے انداز میں اپنے نامہائے اقدس کے ذریعہ اسلام کی دعوت آخر کیسے دی۔ ویٹ نے بھی بار اراسی انداز میں تبصرہ کیا ہے۔

سارا عالم مدینہ کی جانب کھنچا چلا آیا.....سنۃ الوفود

(۹ ہجری بمطابق ۶۳۰۔۶۳۱ء)

وفود کی آمد اور ان کی رہائش وضروریات کا بندوبست:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کیلئے تبلیغ وشاعت کا جال بچھا دیا۔ آپ نے صحابہ کرام کو قبائلی بستیوں میں شرک وبت پرستی ختم کرنے، جاہلی رسمیں مٹانے اور اخلاقی حالات سدھارنے کیلئے بھیجا۔ انہوں نے قبیلوں کے بااثر اور ذی شعور لوگوں کو سمجھایا کہ ان کا مذہب فرسودہ اور غیر فطری ہے۔ باہمی مذاکرات سے وہ بہت ہی متاثر ہوئے اور مزید معلومات حاصل کرنے کیلئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ نے ان کی رہائش کا معقول انتظام کیا، صحابہ کرام نے بھی انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی خاطر تواضع میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ پھر آپ نے ان سے مذاکرات کئے، ان کے جذبات واحساسات کی قدر کی اور ان کی ہر بات ٹھنڈے دل سے سننے کے بعد دین اسلام کی پیاری پیاری باتیں نہایت ہی خلوص ومحبت سے انہیں بتائیں۔ انہوں نے دینی تعلیم حاصل کی اور اپنی قوم کو سمجھانے کیلئے صحابہ کرام کو اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت خالد بن ولید، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابی بن کعب اسی نیک مقصد کی خاطر ان کے پاس گئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں سے زکوٰۃ وصدقہ وصول کیا، بت پرستی کے اڈے ختم کیے اور اسلام کی افادیت واضح کرنے کیلئے گھر گھر کا دورہ کیا۔

''فتح مکہ'' کے بعد حق وباطل کی کشمکش کا فیصلہ ہو گیا۔ حق غالب آیا، قریش کی انفرادی حیثیت جاتی رہی اور اسلام نے ان خودسر باطل پرستوں کے دل جیت لیے۔ دوسروں نے بھی ان کی پیروی کی، بڑے بڑے سرداروں نے حاضر ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، یا پھر مناسب شرائط پر مصالحت کر کے اسلامی ریاست کی پناہ میں آ گئے۔

Marfat.com

رسول اللہ کی صلاح ومفاہمت:

آپ نے صلاح ومفاہمت سے کام لیا، مگر دینی اصول واخلاقی اقدار کو ذاتی مفاد اور سیاسی مصلحت پر قربان نہیں کیا۔ کسی کو بت پرستی، شراب نوشی اور فحاشی کی اجازت نہیں دی اور ہر ایک کو نماز پڑھنے، زکوٰۃ وصدقہ دینے اور روزہ رکھنے کا پابند بنادیا۔ بنوثقیف نے ان پابندیوں سے نکلنے کی لاکھ کوشش کی مگر آپ نے انہیں بھی معاف نہیں کیا۔ مسیلمہ کذاب، عامر بن طفیل اور ہوذہ بن علی اس شرط پر مسلمان ہونے کیلئے آمادہ تھے کہ انہیں حکومت میں شامل کرلیا جائے، لیکن آپ نے لالچ دے کر دوسروں کے ضمیر کو کبھی نہیں خریدا، اسی لیے آپ نے ان کے مطالبوں کو رد کردیا اور دینی معاملوں میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا۔

بے شمار وفود:

دربار رسالت میں عرب کے گوشے گوشے سے قبیلوں کے وفد اس قدر کثرت سے حاضر ہوئے کہ ان کی تعداد کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ سیرۃ شامی میں ایک سو چار، مواہب لدنیہ میں چوبیس، طبقات ابن سعد میں سترہ اور سیرۃ ابن ہشام میں پندرہ وفد کے حالات مذکور ہیں۔ ۹ ہجری میں اتنی زیادہ تعداد میں وفد آئے کہ اس سال کو خاص طور پر وفدوں کا سال یا ''سنۃ الوفود'' یا عام الوفود کہنے لگے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں:

> ''جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کرلیا اور تبوک کی مہم سے فارغ ہوگئے تو پھر ہر طرف سے آپ کی خدمت میں وفود عرب کا تانتا لگ گیا۔''

فتح مکہ کا اثر:

اہل عرب اس دن کا انتظار کررہے تھے جب قریش اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں قطعی طور سے فیصلہ ہوجائے۔ بنوقریش ساری قوم کے امام تھے، وہ بیت الحرام کے متولی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خانوادے سے نسبت رکھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے آپ سے جنگ کی اور پورے زور وشور سے مقابلہ کیا، لیکن جب مکہ فتح ہوگیا، قریش سرنگوں ہوگئے، اسلام غالب آگیا اور عرب نے سمجھ لیا کہ وہ آپ سے مقابلہ نہیں کرسکتے۔ تو پھر وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہونے لگے ور ہر طرف سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کرنے کیلئے چل کھڑے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی یہی ہے:

((اذا جآ نصر الله والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین الله افواجا فسبح بحمد ربك واستغفره انه كان توابا))

''جب اللہ کی مدد اور فتح آپہنچی تو آپ نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ پس آپ اپنے رب کی حمد بیان کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے! بے شک وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔''

Marfat.com

مختلف صحابہ کرام کا کردار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام مہمانوں کے ساتھ فیاضی ورواداری سے پیش آئے، ان سے دوستانہ ماحول میں بات چیت کی اور ہر بات پر گفتگو کر کے ان کے شکوک دور کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیکھ بھال کے لئے باقاعدہ انتظام کیا تھا۔ بنوخ کے دوسو آدمیوں کو آپ نے ''دارالضیافۃ'' میں رکھا اور اچھی طرح سے ان کی خاطر مدارت فرمائی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ بنوثقیف کی خدمت پر مامور ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت مقداد نے بہرا، حضرت بلال نے مخارب اور حضرت سعد بن عبادہ نے سداء کی مہمانی اور خاطر داری دل و جان سے کی۔ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ تو آپ بڑی رواداری سے پیش آئے۔ ان کے وفد کو نہ صرف مسجد نبوی میں رکھا بلکہ انہیں اپنے طریقوں پر عبادت کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ وہ آپ کی رواداری، فیاضی اور اعلیٰ ظرفی سے بہت ہی متاثر ہوئے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ کے خلق اور آپ کی حق گوئی سے متاثر ہوکر وفد کے وفد مسلمان ہو گئے یا پھر آپ سے مصالحت کر کے اسلامی قانون کی پناہ میں آ گئے۔

بارگاہ رسالت میں حضوری:

سیرت نگاروں نے تحریر کیا ہے:

''جس طرح کھجوریں پک پک کر درخت سے ٹپکتی ہیں بالکل اسی طرح بارگاہ رسالت میں قدم بوسی کے لئے عرب کے گوشے گوشے سے وفد حاضر ہوئے۔''

عمان سے حضرموت اور یمن سے ہمدان جیسے دور دراز علاقوں تک کے عرب اس برگزیدہ بشر کے دست مبارک پر بیعت کر کے مشرف بہ اسلام ہو گئے اور جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا، وہ بھی مصالحت کر کے اسلام کی پناہ میں آ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام ان سب سے بڑی گرم جوشی سے ملے اور حسب مراتب تحفے اور عطیے دے کر انتہائی عزت واحترام سے انہیں رخصت کیا۔ آپ نے انہیں پروانہ امن عطا فرماتے ہوئے خصوصی مراعات بھی مرحمت فرمائیں۔ انسانیت کی تاریخ میں کسی اور نبی کو یہ شان وشوکت اس کی زندگی ہی میں نصیب نہیں ہوئی۔

اس طرح عرب کے ہر قبیلے نے اپنے اپنے نمائندے بھیج کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وابستگی کا اعلان کر دیا۔ آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے، یا پھر مشروط طور پر امن کا پروانہ حاصل کر لیا۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے انہیں زکوٰۃ صدقہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، باقی لوگوں سے جزیہ وصول کیا گیا۔ شہری ریاستوں اور قبیلوں نے اس دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کی۔ عمان، حضرموت اور یمن کے دور دراز علاقوں سے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے وہ ''آقائے عرب'' کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ جو کسی فرد واحد کے آگے سر جھکانا باعث ہتک سمجھتے تھے، اب وہی آپ کے اشاروں پر قربان ہونے کیلئے بے قرار تھے۔ کفر والحاد کی وجہ سے وہ توہم پرست بن گئے تھے اور خود انہیں اپنی ذات پر بھی اعتماد نہ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نور ہدایت سے ان میں خود اعتمادکا جذبہ پیدا کر دیا۔ اب وہی ایمان واخلاق کی طاقت سے ساری دنیا کو مسخر کرنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔

آپ نے ان کے مابین سیاسی و دینی رشتہ قائم کر کے عرب میں اتحاد واتفاق کی روح پھونک دی۔ اسلام کی وجہ سے

Marfat.com

''دینی قومیت'' کی داغ بیل پڑ گئی۔ اسلام نے انہیں ایک لڑی میں منسلک کر دیا۔ وہ ایسی ملت کے عناصر بن گئے جس کی بنیاد جغرافیائی، نسلی اور سیاسی عناصر پر قائم نہ تھی بلکہ توحید کے غیر متزلزل عقیدے پر مبنی تھی۔ اس نئے قومی تخیل کو ''امت'' کے نام سے پیش کیا گیا جس نے قبیلوں کو متحد کر کے سیسہ پلائی دیوار بنا دیا اور جس نے انتشار و لاقانونیت ختم کر کے اخوت و برادری کی خوشگوار فضا پیدا کر دی۔

اس نئی قومیت (امت) میں آپ نے انہیں بھی شامل کر لیا جو مسلمان تو نہیں ہوئے تھے مگر اس کے نظام امن کو انہوں نے تسلیم کر لیا تھا۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ (جوار اللہ) میں آ گئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی حفاظت کی ذمے داری (ذمۃ رسول اللہ) عائد ہو گئی۔ اس طرح وہ اللہ اور اس کے رسول کی امان (امان اللہ و امان رسولہ) میں آ گئے۔ آپ نے اس عہد کو آخر دم تک پورا کیا۔ ''امت مسلمہ'' کی آغوش میں آنے والوں کی جان و مال، عزت و آبرو اور آزادی و انفرادیت کی حفاظت آپ نے اپنی جان سے زیادہ کی۔ ایسی مذہبی رواداری کی مثال کسی قوم اور کسی مذہب کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وفد کو اپنی سیاسی طاقت سے مرعوب نہیں کیا۔ آپ ہر ایک سے جھک کر ملتے اور ہر ایک کا احترام کرتے تھے۔ آپ کی اطاعت غلاموں جیسی اطاعت نہ تھی بلکہ عقیدت مندوں، شفیقوں اور جاں نثاروں کی والہانہ فریفتگی کے اظہار کا آئینہ دار تھی۔ آپ نے ایرانی اور رومی شہنشاہوں کی طرح کسی پر ظلم نہیں ڈھایا بلکہ اخوت و مساوات کی روحانی طاقت سے دلوں کو مسخر کر لیا۔

اس وقت روم و ایران کو نکبت و زوال نے اپنے آہنی پنجوں میں دبوچ لیا تھا۔ اس لیے جو قبیلے ان طاقتوں کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے اب لاچار و بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ اسلام نے انہیں سہارا دیا، تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پناہ میں آنے کیلئے دوڑ پڑے۔

''فتح مکہ'' اور ''معرکہ حنین'' کے بعد تو ہر ایک کی نظریں مدینہ منورہ کی طرف اٹھ گئیں۔ بنو قریش، بنو ہوازن اور بنو ثقیف کی سرکوبی سے دوسرے قبیلے چونک پڑے۔ نئے ماحول نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا، وہ تیزی سے حرکت میں آ گئے اور سب کے سب آپ کی بارگاہ میں حاضری دینے کیلئے چل کھڑے ہوئے۔

دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو انہیں ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ ایک ایسی طاقت ابھر چکی تھی جس کی پناہ میں آ کر وہ قبائلی خانہ جنگیوں اور انتقام و قصاص کی لعنتوں سے نجات حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے حضرت رسالت مآب کے دامن عافیت و رافت کو اپنے لئے گہوارہ رحمت سمجھا۔ اسی لیے وہ نئی امت میں شامل ہو کر اس کی امان میں آ گئے اور پر امن زندگی بسر کرنے لگے۔

تین قسم کے وفود:

بنیادی طور پر تین قسم کے وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے:

1: مسلمانوں کے وفد۔ 2: کافروں کے وفد۔ 3: عیسائیوں کے وفد۔

Marfat.com

مسلمانوں کے وفد:

صحابہ کرام کی کوششوں سے بہت سے عرب مسلمان ہو گئے۔ شمالی، وسطی اور جنوبی عرب میں مشکل سے کوئی قبیلہ ایسا ہوگا جس کا کوئی گھر اسلام کی آغوش میں نہ آچکا ہو۔ زادالمعاد از ابن قیم جوزیہ میں ان وفود کا حال تفصیل سے درج ہے۔ ے ہجری میں قبیلہ دوس کے ستر اسی خاندانوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک وفد حضرت طفیل بن عمرو دوسی کی قیادت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ خیبر میں تھے۔ اس لیے وہیں جا کر آپ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ اسی طرح ہمدان، تجیب، سعد بذیم، اسد، خولان اور حارث کے وفد مسلمانوں پر مشتمل تھے جو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر خود آپ کی مبارک زبان سے اللہ تعالیٰ کا پیغام سننا چاہتے تھے۔ آپ نے سب کو نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور شرک و بت پرستی سے بچنے کی تعلیم دی۔ آپ نے انہیں ایمان و اسلام کی حقیقت بتائی اور خوش حال زندگی بسر کرنے کا راز بتایا، شراب نوشی اور فحاشی سے روکا، شگون لینے اور فال نکالنے سے منع فرمایا، کاہنوں سے سوال کرنے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام پر قربانی کرنے کی ممانعت فرمائی اور ایفائے وعدہ، پڑوسیوں سے سلوک اور امانت میں خیانت نہ کرنے کا حکم دیا۔

ان میں سے اکثر تو دینی تعلیم حاصل کر کے واپس اپنے وطن چلے گئے۔ وہ چند روز تک آپ کے پاس رہے۔ آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور پھر اپنی اپنی بستیوں میں جا کر دین اسلام کی اشاعت میں لگ گئے۔ ایسی بیعت کو ''بیعۃ العربیہ'' کہتے ہیں، لیکن کچھ مسلمان اپنی اپنی بستیوں سے ہجرت کر کے مستقل طور سے مدینہ منورہ میں آباد ہو گئے۔ ایسی بیعت کو ''بیعۃ الہجرۃ'' کہتے ہیں۔ بنو اسلم، بنو خزاعہ اور بنو مزینہ کے وفود نے ''بیعۃ الہجرۃ'' کی سعادت حاصل کی۔ انفرادی طور پر ''بیعۃ الہجرۃ'' کی سعادت حاصل کر کے ان وفود کے ارکان کو امتیازی شان حاصل ہو گئی۔

کافروں کے وفد:

جن قبیلوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے وفد بھیج کر معقول شرائط پر مصالحت کر لی۔ آپ نے ان کی وہ تمام شرطیں مان لیں جو اسلام کے مفاد میں تھیں لیکن دینی معاملوں میں آپ نے کسی قسم کی رورعایت نہیں برتی۔ مسیلمہ کذاب اور عامر بن طفیل ایسے خودسروں نے جاہ و دولت کی خاطر مسلمانوں ہونے کیلئے اپنے مطالبات پیش کیے لیکن آپ نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ بغیر شرائط کے مسلمان ہو سکتے ہیں۔

جن لوگوں کے دل کدورت سے پاک تھے وہ غیر مشروط طور پر مسلمان ہو گئے۔ محاصرہ طائف کے بعد بنو ثقیف کا وفد بلاشرط مسلمان ہو گیا تھا۔ بنو طے، بنو غامد اور دوسرے قبیلوں کے وفد بھی بلاشرط مسلمان ہو گئے تھے لیکن بد باطن اور سرکش اپنی ضد پر اڑے رہے اور اسلام دشمنی پر اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرتناک سزا دی اور ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔

عامر بن طفیل نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی دھمکی دی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی:

''بارالہا! مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور عامر طاعون میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہو گیا۔

Marfat.com

عیسائیوں کے وفد:

عرب میں عیسائی بھی آباد تھے۔ نجران، یمامہ، حیرہ اور حضر موت میں عیسائیوں کی بستیاں آباد تھیں۔ ان کے وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور مذہبی مسئلوں پر مباحثہ تک کیا۔ نجرانی عیسائیوں نے آپ سے مصالحت کر لی۔ وہ اسلامی ریاست کی پناہ میں آ گئے۔ ان کی جانی و مالی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی ریاست نے قبول کر لی۔ اس حفاظت کے صلے میں انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ہر سال جزیہ میں دو ہزار قیمتی پوشاکیں (حلہ) آپ کی خدمت میں پیش کریں گے اور جنگ کی صورت میں ۳۰ زرہوں، ۳۰ گھوڑوں اور ۳۰ اونٹوں کی امداد بھیجیں گے۔

دوسرے عیسائی قبیلوں میں سے حارث بن کعب، عیش اور تمیم کے وفد مسلمان ہو گئے۔ غسانی وفد کے تین افراد بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ وفد عبدالقیس میں جارود بن عمرو یا جارود بن بشر بن معلّٰی بھی شامل تھے۔ وہ عیسائی تھے اور اپنے ساتھ دوسرے سرکردہ عیسائیوں کو بھی لے کر آئے تھے۔ زادالمعاد کے مطابق ان سب نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔ ابن اسحاق کے مطابق زمانہ ارتداد میں بھی انہوں نے مرتدوں کا ساتھ نہیں دیا اور آخر دم تک اسلام پر ثابت قدمی سے قائم رہے۔

حج اکبر

(ذوالحج ۹ ہجری بمطابق مارچ و اپریل ۶۳۰ء)

سیدنا ابوبکر امیر حج:

تبوک سے واپسی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ ہجری میں ذیقعد کے اواخر یا ذوالحج کے شروع مہینے میں تین سو مسلمانوں کا قافلہ حج ادا کرنے کیلئے مدینہ منورہ سے روانہ فرمایا۔ ابن اسحاق کے مطابق آپ نے حضرت ابوبکر کو امیر حج مقرر کر کے حکم دیا کہ وہ سب کو لے کر مکہ مکرمہ جائیں اور شریعت کے مطابق مناسک حج ادا کریں۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ آپ نے قربانی کے دس اونٹ بھی ساتھ کیے اور خود حضرت ابوبکر صدیق بھی اپنے ساتھ پانچ اونٹ لے گئے تھے۔

سورۂ برات (سورۂ توبہ):

اس مسئلے پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا حضرت ابوبکر صدیق سورۂ توبہ کے نزول سے پہلے ''حج اکبر'' کیلئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے یا اس کے نزول کے بعد۔

پہلی روایت:

ابن اسحاق کے مطابق حضرت ابوبکر کے روانہ ہونے کے بعد سورۂ برات (سورہ توبہ) نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے اس فرمان الٰہی کو قوم تک پہنچانے کے لئے حضرت علی کو منتخب فرمایا۔ وہ اہل بیت میں سے تھے اور آپ کی عدم موجودگی میں اس قسم کا حکم پہنچانے کیلئے وہی سب سے زیادہ موزوں تھے۔ یہ سوچ کر آپ نے انہیں بلوایا اور حکم دیا کہ وہ فوراً روانہ ہو جائیں، حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ حج ادا کریں اور پھر منیٰ میں یوم نحر کے موقع پر ''سورۂ برات'' کی ابتدائی چالیس آیتیں پڑھ کر سب کو سنا دیں۔

Marfat.com

حضرت علی ناقہ رسول 'عضباء' پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور راستے ہی میں حضرت ابو بکر صدیق سے جا ملے۔ انہوں نے حضرت علی سے پوچھا:

((ا امیر ام مامور؟))

''آیا امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا مامور بن کر آئے ہیں؟''

حضرت علی نے جواب دیا:

''نہیں نہیں میں تو مامور بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت علی ''عرج'' میں حضرت ابو بکر صدیق سے جا کر ملے تھے۔ انہیں دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیق نے پوچھا:

''کیا رسول اللہ نے انہیں مناسب حج ادا کرنے کیلئے بھیجا ہے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''نہیں تو، مجھے آپ نے صرف اس لیے بھیجا ہے کہ میں سورۂ برات تلاوت کر کے سب کو سنا دوں اور جو معاہدے آپ نے قوم سے کئے تھے ان کی منسوخی کا اعلان کر دوں۔''

ابن قیم کے مطابق آپ نے حضرت علی کو مندرجہ ذیل چار احکامات دے کر بھیجا تھا:

1: مومن کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

2: کوئی بھی ننگا ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔

3: اگلے سال مسلمان و کافر دونوں ایک ساتھ حج کیلئے خانہ کعبہ میں جمع نہیں ہوں گے۔

4: جو بھی معاہدے آپ نے کیے ہیں وہ معیاد ختم ہونے تک برقرار رہیں گے لیکن جن معاہدوں کا تعین نہیں وہ صرف چار مہینوں تک برقرار رہیں گے۔

دوسری روایت:

ابن خلدون کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق کی روانگی سے پہلے ہی سورۂ برات کی ابتدائی چالیس آیتیں نازل ہو چکی تھیں۔ آپ نے انہیں ان آیتوں کے ساتھ بھیجا اور شریعت کے مطابق مسلمانوں کو حج کرانے کا حکم دیا۔ ابھی وہ ذوالحلیفہ پہنچے ہی تھے کہ آپ نے حضرت علی کو بھی بھیج دیا۔ حضرت علی نے ان سے سورۂ برات کی متعلقہ آیتیں لے لیں۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق نے مسلمانوں کو حج کرایا اور حضرت علی نے ''یوم نحر'' کے موقع پر عتبہ کے پاس کھڑے ہو کر سورۂ برات کی آیتیں سب کو تلاوت کر کے سنائیں۔

واپسی کے بعد حضرت ابو بکر صدیق نے آپ سے دریافت کیا:

''آیا ان کے خلاف کوئی حکم تو نازل نہیں ہوا؟''

آپ نے فرمایا:

''ایسی تو کوئی بات نہیں، مگر یہ مناسب نہ تھا کہ اہل بیت کے سوا کوئی اور شخص سورۂ برات کا اعلان

Marfat.com

پڑھ کر سناتا۔"

سنن نسائی و ترمذی میں بھی یہ روایت منقول ہے۔

الغرض حضرت ابوبکر صدیق امیر حج، حضرت علی نقیب اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ منادی و معلم تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے مسلمانوں کو مناسک حج سکھائے، منی میں یوم النحر کے موقع پر خطبہ دیا اور حج کے مسائل بیان کیے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ کھڑے ہوئے اور سورۂ برات کی چالیس آیتیں تلاوت کر کے سنائیں۔ حضرت ابو ہریرہ اور ان کے ساتھیوں نے اس قدر زور سے بار بار اس اعلان کو دہرایا کہ ان کے گلے پڑ گئے۔

اب تک مشرکوں کی رسموں کے مطابق حج ہوتا تھا لیکن نئے اعلان کے بعد ان رسموں پر کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ اس حج میں مسلمانوں کے علاوہ مشرک بھی جمع ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی رسموں کے مطابق حج کیا، لیکن مسلمانوں نے شریعت کی رو سے مناسک حج ادا کیے۔ نئے اعلان کے مطابق اب کوئی مشرک کسی حالت میں بھی حرم کعبہ کے اندر قدم نہیں رکھ سکتا۔ عرب کی تاریخ میں یہ بہت ہی اہم انقلابی اعلان تھا جس کی رو سے شرک و بت پرستی غیر قانونی قرار دے دی گئی اور عالمگیر دینی دستور حیات کی حیثیت سے اسلام کو سارے عرب میں صادر و نافذ کر دیا گیا۔

اعلان برات:

سورۂ برات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا:

1: حج کے بعد چار مہینوں تک مشرک و کافر بلا خوف و خطر گھوم پھر سکتے ہیں، لیکن اس مدت کے بعد وہ شرک و بت پرستی سے توبہ کر لیں، ورنہ پھر اسلامی حکومت ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرے گی۔ جہاں کہیں بھی وہ ہوں گے انہیں پکڑ کر قتل کر دیا جائے گا۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا:

"وہ ان کی تاک میں لگے رہیں اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں قتل کر ڈالیں لیں۔ اگر وہ تائب ہو کر مسلمان ہو جائیں، نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں تو پھر انہیں چھوڑ دیا جائے۔"

2: وہ تمام معاہدے برقرار رہیں گے جن کی پابندی فریق ثانی نے کی ہو، نہ تو اس نے مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمن کا ساتھ دیا ہو اور نہ ہی کبھی معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو۔ مفسرین کے مطابق بنو ضمرہ نے معاہدے کا احترام پابندی سے کیا تھا۔ اس اعلان کے وقت ان سے کیے ہوئے معاہدے کی مدت ختم ہونے میں کم سے کم نو مہینے باقی تھے۔ اس لیے اس معاہدے کی حرمت باقی رہی۔

3: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو نجس و ناپاک قرار دے دیا۔ اس لیے کوئی مشرک و کافر حرم کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس طرح خانہ کعبہ حقیقی معنوں میں "بیت الحرام" بن گیا۔ اس اعلان کے بعد آج تک کوئی غیر مسلم وہاں نہیں جا سکتا۔ البتہ چوری سے مسلمانوں کے بھیس میں کئی عیسائی وہاں جانے میں کامیاب ہو گئے۔ انگلینڈ، ہنگری، جرمنی اور دوسرے یورپی ملکوں کے سیاح جرأت کر کے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور پھر وہاں کے چشم دید حالات تحریر کیے۔ ان میں سے سر رچرڈ برٹن نے اپنے واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان لوگوں کے بیانات سے مغرب کو پتہ چل گیا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کو مانتے اور محمد کی پرستش نہیں کرتے۔

Marfat.com

4: طواف، عمرے اور حج کے مراسم صرف صاحب ایمان ہی ادا کر سکتے ہیں۔ مشرک و کافر تو جہنمی ہیں، اس لیے انہیں طواف و عمرے سے کوئی ثمر نہیں مل سکتا۔ شرک و کفر کی وجہ سے ان کے سارے اعمال اکارت و غارت ہو چکے ہیں۔

5: اب کوئی بھی برہنہ ہو کر حج نہیں کر سکتا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت درج ہے جس کے مطابق حکم دیا گیا:

((لایطوف بالبیت عریان))

''خانہ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر نہیں کیا جائے گا۔''

اس حکم سے خانہ کعبہ کی حرمت بڑھ گئی اور جاہلی رسموں کی جگہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر اس کے بتائے ہوئے مناسک کے مطابق حج ہونے لگا۔

تین مدتیں:

سورۂ توبہ میں کافروں سے بری الذمہ ہونے کیلئے تین مدتیں بیان کی گئی ہیں:

1: چار ماہ کی مدت۔ 2: جس قدر مدت صلح باقی ہو۔

3: حرام مہینوں کے ختم ہونے کی مدت۔

جامع البیان میں ان مختلف مدتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا کہ اگر دشمن نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو تو پھر اسے چار ماہ کی مدت دی گئی، اس کے بعد مسلمان ان کی حفاظت سے بری الذمہ ہو گئے، لیکن اگر صلح کرنے والے نے معاہدے کی پابندی کی ہو تو پھر جتنی بھی مدت باقی ہو گی اس وقت تک معاہدے کا احترام کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس کے مطابق ''اتمام شہر حرام'' کی مدت ان کافروں کو دی گئی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں تھا۔ نو یا دس ذوالحج سے محرم کے آخری دن تک تقریباً پچاس روز کی مہلت دی گئی۔ اس عرصے کے بعد بھی وہ بت پرستی پر قائم رہے تو انہیں قتل کر دیا جائے گا، لیکن اگر وہ مسلمان ہو گئے تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور انہیں دوسرے مسلمانوں کے برابر شہری حقوق مل جائیں گے۔ اسی لیے سورۂ برات میں مشرکوں پر واضح کر دیا گیا کہ ان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بت پرستی سے توبہ کر کے اسلامی شعار کو اپنا لیں ورنہ ذلت و مسکنت تو ان کا مقدر بن چکی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان دور اندیشی کا مظہر تھا۔ اگر حج کے زمانے میں مسلمانوں کو کافروں سے ملنے دیا جاتا تو پھر جو کچھ بھی آپ نے قربانیاں دے کر حاصل کیا تھا وہ سب تھوڑی سی مدت ہی میں خاک میں مل جاتا۔ تاریخ نے عربوں جیسی ایک اور قوم کو دیکھا ہے جو بت پرستوں میں آ کر آباد ہوئی تھی۔ ان کے پیشواؤں نے ''یہوادہ'' کی عبادت زندہ رکھنے کے لئے بعل کے پرستاروں کا قتل عام کیا، پھر بھی وہ اپنے مقصد میں بالکل ناکام رہے۔ وہ جن سے نفرت کرتے تھے، ان کے ماحول میں ہی گھر کر وہ ایسے بدلے کہ شرک و الحاد میں ان سے بھی بازی لے گئے۔ آپ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ کافروں سے ربط و ضبط اسلام کیلئے سم قاتل سے کم نہیں۔ آپ نے اس سلسلے میں جو بھی اقدامات کیے وہ بظاہر بہت ہی سخت نظر آتے ہیں مگر ان میں رحمت و شفقت پوشیدہ تھی۔ حضرت علی سے یہ اعلان سن کر لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ ابھی حج کا زمانہ شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

Marfat.com

حج اکبر کی اہمیت:

قرآن حکیم نے اس حج کا نام ''حج اکبر'' رکھا ہے کیونکہ یہ کفر کی حکومت ختم ہو جانے اور اسلام کی حکمرانی شروع ہونے کا سب سے پہلے باضابطہ اعلان تھا۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

((واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بری ء من المشرکین ورسولہ))

''اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ''حج اکبر'' کے دن لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں کا اب ذمے دار نہیں۔''

حج اکبر کہنے کی وجہ:

قرآن مجید نے اس حج کو ''حج اکبر'' کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسم حج اصلی ابراہیمی سنت میں جلوہ گر ہوئی، اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانہ خلیل میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کی ابتداء کا اعلان کیا جائے، مناسک و رسوم حج کی عام طور سے تعلیم دی جائے اور زمانہ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے۔

ذوالحج کے مہینے میں جو حج کیا جائے اسے ''حج اکبر'' اور مہینوں میں جو حج کیا جائے اسے ''عمرہ'' یا ''حج اصغر'' کہتے ہیں۔ اس طرح عمرے سے ممتاز کرنے کیلئے اسے ''حج اکبر'' کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ترمذی کی روایتوں کے مطابق ''حج اکبر'' سے مراد ''یوم النحر'' یعنی دس ذوالحج کا دن ہے جب حج کے اہم مناسک و رسوم انتہائی احترام سے ادا کیے جاتے ہیں، لیکن ''حج ابی بکر'' کو خاص طور سے قرآن شریف میں ''حج اکبر'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ مسلمانوں نے خاص ذوالحج کے مہینے میں حج ادا کیا اور پھر یہ پہلا موقع ہے جب مسلمانوں نے اسلامی شعار کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق کی رہنمائی میں باقاعدہ طریقے سے مناسک و رسوم حج ادا کیے۔ اب کافروں کی رسموں کے مطابق حج کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا، دور جہالت کی مخصوص یادگار ختم ہوگئی اور ابراہیمی سنت کو پھر سے زندہ کر دیا گیا۔ مشرک کے لئے خانہ کعبہ کے دروازے بند ہو گئے اور ''طواف برہنہ'' کی لعنت ختم ہوگئی۔ ان انقلابی احکام کا اعلان اسی حج میں کیا گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ''حج اکبر'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جو لوگ مسلسل بیس برس تک تلوار کی نوک سے اسلام کا مقابلہ کرتے رہے، اب بونہی اس اعلان کے بعد آپ ہی آپ اسلام کے سایہ میں آ گئے۔ اسی لیے علامہ طبری لکھتے ہیں:

''اس اعلان کے بعد کافر عام طور پر مسلمان ہو گئے۔''

Marfat.com

حجۃ الوداع اور خطبہ حج

(ذوالحجہ 10 ہجری)

حج کی تیاری:

ذی قعدہ ۱۰ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس تعلیمات کا مکمل خاکہ پیش کرنے کیلئے حج کے موقع پر مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں جمع ہونے کی دعوت دی۔ یہ خوش خبری سنتے ہی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کیلئے مسلمان اپنے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک خلقت مدینہ طیبہ میں اکٹھا ہوگئی۔ ۲۶ ذی قعد کو آپ نے غسل فرمایا، چادر اور تہبند باندھی اور نماز ظہر کے بعد مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ چھ میل کا سفر طے کر کے ''ذوالحلیفہ'' میں رات گزاری پھر دوسرے دن دوبارہ غسل فرما کر دو رکعت نماز پڑھی اور احرام باندھ کر ''قصوا'' نامی اونٹنی پر سوار ہوئے اور بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ کلمات ورد فرماتے ہوئے خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوگئے:

((لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد و النعمة
لك و الملك لا شريك لك))

''اے اللہ! ہم تیرے لئے حاضر ہیں، حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں، ہم تیرے لیے حاضر ہیں۔ یقیناً ساری تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہیں اور بادشاہی بھی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔''

آغاز حج:

مسلمانوں نے بھی آپ کی تقلید کی۔ فضا ''لبیک'' کے جوشیلے ترانے سے گونج اٹھی۔ ہر ایک بصد عجز و نیاز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کر رہا تھا اور اس کی وحدانیت کا راگ الاپ رہا تھا۔ راستے میں حاجیوں کے قافلے ملتے گئے۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی، انسانوں کا سیلاب امڈتا ہوا نظر آتا تھا۔ آخر ایک لاکھ چوالیس ہزار یا چوبیس ہزار سر اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھکنے کیلئے بصد اضطراب و شوق خانہ کعبہ کی طرف مائل ہوگئے۔ اس عالم میں منزل پہ منزل کوچ کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے پاس ''ذوطوی'' پہنچے، پھر یکشنبہ ۴ ذوالحج ۱۰ ہجری کو شہر میں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی آپ نے فرمایا:

Marfat.com

''بارالہا! اس گھر کو شرف وعزت عطا فرما۔''

پھر خانہ کعبہ کا طواف کر کے ''مقام ابراہیم'' میں دو رکعت نماز ادا فرمائی اور صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر تشریف لے گئے۔ سنن ابی داؤد کے مطابق آپ نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی شان میں مندرجہ ذیل کلمات ادا فرمائے:

((لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد و هو على كل شى قدير، لا اله الا الله وحده انجز وعده و نصر عبده و هزم الاحزاب وحده))

''اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ سارا جہان اسی کا ہے اور وہی حمد وستائش کے لائق ہے۔ سب چیزوں پر اسی کو قدرت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وحد کے علاوہ کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور کافروں کے جتھے کو شکست فاش دی۔''

خطبہ عرفات:

۸ ذوالحج یوم پنجشنبہ (جمعرات) کو مکہ مکرمہ سے منی پہنچے اور وہیں قیام فرمایا۔ دوسرے دن فجر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے اور شام کے وقت عرفات پہنچ گئے۔ ہر ایک اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق تھا اور ہر طرف سے تکبیر و تہلیل کی آواز آ رہی تھی کہ آپ نے اپنی سواری قصواء پر بیٹھے بیٹھے ایک انقلابی خطبہ دیا جس کے ہر ہر لفظ نے دنیا کو انسانیت کی قدر و قیمت سے روشناس کر دیا۔

رسمِ قربانی:

خطبۂ عرفات کے بعد حضرت بلال نے اذان دی اور سب نے ظہر و عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کیں۔ آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ''دفعتاً ایک لاکھ آدمیوں کے سمندر میں تلاطم برپا ہو گیا'' آپ آگے بڑھتے جاتے اور لوگوں کو نظم و ضبط اور امن وسکون کی تلقین فرماتے جاتے تھے۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز اور پھر فوراً ہی عشاء کی نماز ادا فرمائی اور وہیں قیام فرمایا۔ صبح سویرے فجر کی نماز پڑھ کر ''جمرہ'' کی طرف روانہ ہوئے۔ صحیح بخاری کے مطابق راستے میں لوگ حج کے مسائل دریافت کرتے اور آپ بلند آواز سے ایک ایک بات سمجھاتے جاتے تھے۔

جمرہ میں کنکریاں ماریں اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

Marfat.com

''دین کی حدوں سے آگے نہ بڑھیں ورنہ وہ بھی پچھلی قوموں کی طرح تباہ ہو جائیں گے۔''

جمرہ سے منیٰ تشریف لے گئے۔آپ نے وہاں بھی خطبہ دیا اور نصیحتیں فرمائیں۔پھر آپ نے رسم قربانی کا افتتاح فرمایا۔مروی ہے کہ آپ نے خود اپنے دست مبارک سے ۶۳ اونٹ اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کیے اور پھر حضرت علی نے بھی آپ کی طرف سے ۳۷ اونٹ ذبح کیے۔مسلمانوں نے بھی آپ کی تقلید کی اور بارگاہ الٰہی میں اپنا اپنا ہدیہ پیش کیا۔

رسم قربانی کے بعد سر کے بال منڈوائے اور پھر واپس مکہ مکرمہ جا کر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا۔زیارت کے بعد منی تشریف لے گئے اور دوشنبہ ۱۲ ذوالحج تک وہیں مقیم رہے۔روزانہ نماز ظہر کے بعد کنکریاں مارنے کیلئے جمرہ جاتے تھے۔ مروی ہے کہ ۱۲ ذوالحجہ کو بھی آپ نے خطبہ دیا اور ہر بات پھر سے دہرائی تا کہ ہر ایک اچھی طرح سمجھ لے اور آپ کی ہدایتوں پر پابندی سے عمل کرے۔

ابن اسحاق کے مطابق حضرت عبداللہ بن نجیح بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ مقام جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا،اسے ''موقف'' کہتے ہیں،اس لیے آپ نے جبل عرفات اور عرفہ کے سارے علاقے کو ''موقف عرفہ''،جبل قزع اور مزدلفہ کے سارے علاقے کو ''موقف مزدلفہ'' قرار دے دیا۔اسی طرح آپ کے ارشاد کے مطابق منی کا سارا علاقہ ''منحر منی'' کہلایا۔

روانگی کا حکم:

سہ شنبہ ۱۳ ذوالحج کو ''منی'' سے روانہ ہوئے۔راستے کو ''وادی محصب'' میں قیام فرمایا،پھر صبح سویرے طواف کعبہ کے بعد نماز ادا فرمائی اور کوچ کا حکم دے دیا۔

مدینہ منورہ میں داخلہ:

قافلہ رسول منزل بہ منزل طے کرتا ہوا مزدلفہ پہنچا۔وہیں رات بسر کی،پھر صبح کی نماز پڑھ کر سورج نکلتے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔صحیح بخاری کے مطابق آپ نے مدینہ منورہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

((آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده و نصر عبده و هزم الاحزاب وحده))

''توبہ واستغفار اور عبادت وسجدہ کرتے ہوئے اور اپنے رب کی شان میں حمد پڑھتے ہوئے واپس آئے ہیں۔اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا،اپنے بندے کی اعانت فرمائی اور اس اکیلے نے کفار کے لشکر کو شکست دی۔''

Marfat.com

تاریخ خطبہ:

مشہور روایت کے مطابق آپ نے یہ خطبہ ۹ ذوالحج ۱۰ ہجری جمعہ کے دن اپنی اونٹنی ''قصوا'' پر بیٹھے بیٹھے دیا تھا۔ دوسری روایتوں کے مطابق یہ خطبہ ۱۰، ۱۱ یا ۱۲ ذوالحج کو آپ نے دیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے متواتر کئی روز تک یہ خطبہ بار بار دہرایا ہوتا کہ صحابہ کرام آپ کے پیغام کو نہ صرف اچھی طرح سمجھ لیں بلکہ دوسروں کو بھی پہنچا دیں۔ تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے اجتماع میں ایک ہی دفعہ خطبہ دینے سے ہر ایک کو پیغام پوری طرح نہیں پہنچ پاتا۔ اسی لیے آپ نے بعد میں بھی اپنا پیغام بار بار دہرایا اور ہر مرتبہ حاضرین کو تاکید کی کہ جو لوگ موجود نہیں انہیں بھی یہ پیغام ضرور پہنچا دیا جائے۔ اس تاریخ خطبہ کا نفس مضمون درج ذیل ہے:

مسلمانوں کی حرمت کا سبق:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! میری بات غور سے سنو! کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد اسی مقام پر کبھی تم سے مل سکوں گا۔''

''لوگو! جس طرح حج اکبر کا یہ دن (قربانی کا دن) یہ مہینہ (ذوالحج) اور یہ مقام (بلد حرام) مقدس ہے، بالکل اسی طرح ہر مسلمان کا خون مقدس ہے۔ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت قیامت تک ایک دوسرے پر بالکل اسی طرح حرام ہیں۔ عنقریب تم سب اپنے اللہ کے سامنے حاضر ہو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔ دیکھو! یہ یاد رہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔''

اس پیغام کے مطابق کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر تلوار نہیں اٹھا سکتا، اس کا مال نہیں لوٹ سکتا اور نہ ہی اس کی اور اس کے خاندان کی عزت لے سکتا ہے۔ اسی لیے آپ نے بار بار انہیں تنبیہ فرمائی:

''دیکھو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو۔ تم سب کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے، اس وقت وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔''

امانت میں خیانت نہ کی جائے:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کے پاس بھی کسی کی امانت رکھی ہوئی ہو، اسے چاہیے کہ وہ اسے اس کے مالک کے حوالے کر

Marfat.com

دے۔"

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمادی کہ امانت میں خیانت نہ ہو اور اس کا مالک جب بھی مانگے اسے جوں کی توں بلا حیل وحجت واپس کردی جائے۔

سودی قرضوں کی منسوخی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی تمام بے ہودہ رسموں کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر کسی پر سود واجب الادا ہے تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ البتہ اصل رقم (رأس المال) پر تمہارا حق ہے۔ نہ تو تم کسی پر زیادتی کرو اور نہ ہی تم پر کوئی زیادتی کرے۔ دیکھو! ہر قسم کا سود باطل قرار دیا جاتا ہے اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سارا سود منسوخ کرتا ہوں۔"

رسم قصاص کا خاتمہ:

دور جہالت کے نشان کو بھی مٹاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جاہلیت کے سارے خون کے بدلے ختم کردیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون یعنی ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون چھوڑتا ہوں۔"

وہ آپ کے چچا حارث کے پوتے تھے اور بنولیث میں پرورش پا رہے تھے کہ بنو ہذیل نے انہیں قتل کردیا تھا۔ جاہلیت کا یہ پہلا خون ہے جسے معاف کیا گیا۔

شیطان سے خبردار رہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کی پیروی سے احتراز برتنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"لوگو! شیطان اس بات سے تو مایوس ہوگیا ہے کہ اب اس سرزمین پر اس کی پرستش کبھی ہوگی، لیکن وہ اس خیال میں مگن ہے کہ تم معمولی معمولی باتوں میں بھی اسی کے اشارے پر چلو گے۔ اس لیے دینی معاملات میں تم بے حد محتاط اور اس کی حرکتوں سے چوکنا رہو۔"

نسی (حرام مہینوں کو بدل دینا) کفر سے بڑھ کر ہے:

عربوں کے نزدیک ذیقعد، ذوالحج، محرم اور رجب حرمت والے مہینے تھے جن میں خونریزی حرام سمجھی جاتی تھی، لیکن وہ عام طور سے ان مہینوں کو گھٹا بڑھا دیتے تھے۔ اس تبدیلی کو ان کی زبان میں "نسی" کہتے ہیں۔ اسلام نے اس رسم کو باطل قرار دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

"نسی تو کفر میں زیادتی ہے۔اس کی وجہ سے تو کافر اور بھی گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔وہ اسے ایک سال حلال اور دوسرے سال حرام قرار دے دیتے ہیں تا کہ ان مہینوں کا حساب پورا ہو جائے جسے اللہ نے حرام اقرار دے دیا ہے۔وہ اسی کو حلال قرار دے دیتے ہیں جسے اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے۔دیکھو! یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ زمانہ چکر لگا کر اسی شکل میں آ گیا ہے جیسا کہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق کے دن تھا اور یقیناً آسمان و زمین کی تخلیق کے دن ہی سے اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں مہینوں کی کل تعداد بارہ لکھی ہے جن میں سے چار حرام ہیں، تین مہینے ذیقعد، ذوالحج اور محرم تو مسلسل ہیں، باقی چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔"

عورتیں اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخی خطبے میں اعلان فرماتے ہوئے خواتین کو بھی باعزت زندگی بسر کرنے کیلئے مردوں کے برابر مساوی حق عطا فرمایا۔اس اعلان کے مطابق انہیں وراثت میں، گھریلو معاملات میں، بچوں کی تربیت اور کاروباری امور میں برابر سے حصہ لینے کا حق مل گیا۔آپ نے اس تاریخی خطبہ میں صاف لفظوں میں فرمادیا:

"لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارا حق اور تم پر ان کا حق ہے۔ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے بستر پر وہ کسی اور کو نہ لٹائیں، گھر میں کسی ایسے آدمی کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور کسی فحش کام کا ارتکاب نہ کریں۔اگر وہ ایسا کریں تو پھر تمہیں اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہے کہ تم ان پر سختی کرو۔اپنے پاس مت سلاؤ اور مارو تو اس طرح مارو کہ بدن زخمی نہ ہو جائے۔پھر اگر وہ باز آ جائیں تو حسب معمول کھانا اور کپڑا دو۔دیکھو! تم اپنی عورتوں کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھو۔وہ تمہاری دست نگر ہیں، خود مختار نہیں ہیں۔تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے وہ تمہارے لیے مباح ہوئی ہیں۔اس لیے عورتوں کے بارے میں تم اللہ سے ڈرتے رہو۔"

غلاموں کو معاشرے کا معزز شہری سمجھا جائے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آقا و غلام اور آجر و مزدور کے مابین طبقاتی فرق مٹاتے ہوئے حکم دے دیا کہ انہیں اسلامی معاشرے کا ایک معزز شہری سمجھا جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا:

"تمہارے غلام تمہارے ہی غلام ہیں۔ان کے حق میں انصاف کرو۔جو خود کھاؤ، وہی انہیں کھلاؤ

Marfat.com

اور جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ۔"

قرآن وسنت کی پیروی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ اتحاد و اتفاق ہی میں برکت ہے اور یہ اتحاد قرآن وسنت کی اتباع ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا:

"لوگو! اچھی طرح سمجھ لو اور میری بات غور سے سنو! میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔ میں نے تم میں ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو تو کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز ہے اللہ کی کتاب اور سنت رسول۔"

ابن اسحاق کے مطابق آپ نے واضح فرمادیا:

((وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابدا، امرا بینا، کتاب الله وسنة نبیه))

مسلمان بھائی بھائی ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اخوت ومساوات کی تعلیم دی، دینی برادری کے رشتے سے نہ صرف عرب کے سارے قبیلوں بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کو جوڑ دیا اور قومی ونسلی امتیاز کو مٹا کر سب کو ایک صف میں کھڑا کر کے عربی وعجمی کو برابر سے شہری حقوق عطا فرمائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لوگو! میری بات سنو اور اچھی طرح سمجھ لو۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اس لیے کوئی بھی اپنے بھائی کے مال کو حلال نہ سمجھے۔البتہ اگر اس نے خوشی سے دے دیا تو کوئی حرج نہیں۔تو پھر تم اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرنا۔کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا حکم تمہیں پہنچا دیا ہے۔؟"

سب نے کہا:

"ہاں یارسول اللہ!"

مساوات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

Marfat.com

''ہاں! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فوقیت حاصل نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تم میں سے وہی سب سے زیادہ معزز ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔''

ارکان اسلام کی پابندی:

اسی خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی ہوگا اور نہ ہی کوئی اور امت پیدا ہونے والی ہے۔ دیکھو! تم اپنے رب کی عبادت کرو، پانچوں وقت کی نمازیں پڑھو، سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو، خوشی سے زکوٰۃ ادا کرو، بیت اللہ کا حج بجالاؤ اور اپنے والی وامیر کی اطاعت کرو۔ تو پھر اللہ بھی تم سے خوش ہو کر تمہیں جنت میں بھیج دے گا۔''

وراثت کا حق:

ابن اسحاق حضرت زید بن حارثہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے وراثت میں سے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اس لیے اب کسی اور وارث کے حق میں وراثت جائز نہیں۔''

زانی کی سزا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لڑکا اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو۔ زانی کو سنگسار کیا جائے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔''

باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو لڑکا اپنے باپ اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ خود کو کسی اور کی طرف منسوب کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔''

Marfat.com

عورت اور خاوند کا مال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عورت اپنے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ بھی نہیں دے سکتی۔''

قرض کی ادائیگی اور ضمانت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قرض دار کو قرض ادا کیا جائے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے، اور ہنگامی عطیے بھی واپس کیے جائیں۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہوگا یعنی مجرم یا مقروض فرار ہو جائے تو پھر ضامن ہی تاوان یا قرض ادا کرے گا۔''

دل کو کدورت سے پاک کرنے والے کام:

مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''لوگو! عمل میں خلوص برتو، اپنے مسلمان بھائی کے مفاد کا خیال رکھو اور متحد ہو کر میل جول سے رہو۔ یہ تین باتیں دل کو کدورت سے پاک رکھتی ہیں۔''

خطبہ کا آخری حصہ:

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم اجتماع سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''کیا سب نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سن لیا؟ کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا؟''

سب نے ایک زبان ہو کر عرض کیا:

''ہاں! ہم سب نے سن لیا۔''

پھر آپ نے پوچھا:

''اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن میرے بارے میں تم سے پوچھا تو تم کیا جواب دو گے؟''

ایک لاکھ سے زائد زبانوں نے ایک ساتھ ہو کر عہد کیا:

''ہم سب یہی کہیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔''

یہ سن کر آپ نے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا:

''یا اللہ! تو گواہ رہنا۔''

Marfat.com

پھر لوگوں سے یہی فرمایا:

''دیکھو! جو یہاں حاضر ہیں وہ میرا پیغام ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔''

حجۃ الوداع کی اہمیت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری حج تھا، اسی لیے آپ نے اپنے خطبے میں واضح فرما دیا تھا:

''مجھے امید نہیں کہ اگلے سال پھر تم سے اسی مقام پر ملاقات ہوگی۔''

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق آپ نے یہاں تک کہہ دیا تھا:

''شاید اس کے بعد میں پھر حج نہ کر سکوں۔''

اس اعلان سے سب پر واضح ہو گیا کہ آپ کی دینوی زندگی کا دور ختم ہونے والا ہے۔ اس لیے ''خطبہ حجۃ الوداع'' صرف خطبہ ہی نہیں تھا بلکہ یہ تو آپ کا ''الوداعی پیغام'' تھا۔ یہ آپ کا آخری پیغام تھا۔ وہ پیغام جو انسانیت کے لئے شمعِ راہ ثابت ہوا۔ اسی لیے اسے ''حجۃ البلاغ'' اور حجۃ الوداع'' بھی کہتے ہیں۔ علماء نے اسے ''منشور انسانیت'' کے نام سے پکارا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اپنا پیغام پہنچا دیا۔ ایک لاکھ سے زیادہ زبانوں نے گواہی دی کہ آپ نے اپنا فرض پوری طرح انجام دے دیا۔ آپ نے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں بصد عجز و نیاز اپنے دست مبارک اٹھا کر یہی فرمایا:

''اے اللہ! تو بھی گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔''

یہ پیغام عالمگیر پیغام تھا، جس نے دین اسلام کو جامع صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی موقع پر واضح طور سے اعلان فرما دیا:

((الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا))

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمہیں بھرپور انداز میں پوری پوری عطا فرما دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسندیدہ دین کی حیثیت سے چن لیا۔''

اس مکمل اور جامع دین اسلام کی اشاعت اور پیغام رسانی کا فرض ان مسلمانوں پر عائد ہوا جو عرفات کے میدان میں موجود تھے۔ انہوں نے بھی اپنا فرض پوری طرح سرانجام دیا اور اسلام ساری دنیا میں پھیل گیا۔

''حجۃ الوداع'' کا خطبہ عربی ادب کا انمول شہ پارہ ہے جس سے شان رسالت ٹپکتی ہے۔ جچے تلے الفاظ میں نہایت ہی متانت کے ساتھ جو کچھ آپ نے فرمایا، اس کا ایک ایک لفظ مسلمانوں کے دماغوں پر نقش ہو گیا۔ جوں ہی آپ نے یہ

Marfat.com

فرمایا کہ اس سال کے بعد پھر اسی مقدس مقام پر اور اسی مقدس مہینے میں آپ کی ملاقات ان سے نہیں ہوگی، تو وہ یکدم چونک گئے اور پھر ہمہ تن گوش ہو کر انہوں نے جو پیغام سنا اسے اپنے سینوں میں محفوظ کر کے انقلابی کارکنوں کی طرح تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے کا ضابطہ عمل پیش کر دیا۔ عوام کو نسلی و شخصی اقتدار کے پنجے سے چھڑایا، اخوت و مساوات کا سبق دے کر طبقاتی جنگ بند کرنے کا حکم دیا، قبائلی بنیاد پر قصاص لینے اور جرائم کا تعین کرنے کا طریقہ ختم کر دیا اور مسلمانوں کو خوش حال زندگی بسر کرنے کا گر بتایا۔ غلاموں اور عورتوں کو باعزت زندگی بسر کرنے کا حکم دیا اور سب کو کتاب الٰہی کا پابند بنا دیا تا کہ ''امت مسلمہ'' میں ں تفریق نہ پیدا ہو اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا گلا نہ کاٹنے لگے۔

ابن کثیر کے مطابق سورۂ مائدہ کی یہ آیت بروز جمعہ ''حجۃ الوداع'' کے دن عرفہ میں نازل ہوئی۔ اسی لیے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت دو عیدوں کے موقع پر نازل ہوئی، ایک عید ہے جمعہ کی عید اور دوسری ہے ''عید عرفہ''

مروی ہے کہ کسی یہودی نے حضرت عمر فاروق سے کہا:

''ہم اس دن انتہائی دھوم دھام سے عید مناتے اگر ایسی کوئی آیت ہمارے نبی پر نازل ہوئی ہوتی۔''

آپ نے جواب دیا:

''ہاں! ہمیں معلوم ہے کہ یہ آیت ''بروز جمعہ'' اور ''بروز عرفہ'' نازل ہوئی۔''

ان روایتوں سے ''حجۃ الوداع'' کی تاریخی و دینی اہمیت اور بھی اجاگر ہو جاتی ہے۔ تکمیل دین کا یہ اعلان اللہ تعالیٰ نے اس مبارک و مسعود گھڑی میں فرمایا جب جمعہ اور عرفہ کی برکتوں اور سعادتوں کا نزول ہو رہا تھا۔ اس طرح تکمیل دین کے الوہی اعلامیے سے ''حجۃ الوداع'' کی غرض و غایت اور اہمیت اور افادیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ تفسیر کبیر کے مطابق کمال دین سے مراد احکام شریعت کی تکمیل ہے۔

تفسیر کبیر کے مطابق ''کمال دین'' سے مراد احکام شریعت کی تکمیل ہے۔ اس لیے اب شریعت اسلامیہ میں کسی نوع کی بھی ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہیں رہی۔ ''کمال دین'' سے اس حقیقت کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ قرآن حکیم کی آیات بینات کے نزول کا دور اپنے آخری مرحلے پر پہنچ چکا ہے۔ اس لیے دور رسالت بھی اسی انداز میں ختم ہونے کے قریب ہے۔ قرآن و سنت ایک دوسرے کا تکملہ و تتمہ ہیں۔ اس لیے ان کی تکمیل کے بعد ملت اسلامیہ کسی بھی معاملے یا مسئلے میں دوسروں کی محتاج نہیں رہی۔

Marfat.com

وصال النبی

اخروی زندگی کو پسند فرمانا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنا پیغام پہنچانے کیلئے مبعوث فرمایا تھا۔ یہ کام پورا ہو گیا اور توحید کی روشنی سے ظلمت کا اندھیرا چھٹ گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس واپس بلا لیا۔ مروی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا تھا کہ آپ دنیوی نعمتوں کو پسند فرما لیں یا پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کی خاطر اس کے پاس چلے آئیں۔ آپ نے دوسری بات پسند فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے ملنے کیلئے تیاری شروع کر دی۔

طلب مغفرت اور تسبیح و تہلیل کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفر پر نمایاں فتح عطا فرمائی۔ یہ بہت بڑی نعمت تھی جو اس نے آپ کو مرحمت فرمائی۔ اسی نعمت کی خاطر ''سورۂ نصر'' میں حکم دیا گیا کہ آپ اس کی شان میں تسبیح پڑھیں اور اپنی مغفرت کیلئے دعا مانگیں۔ طلب مغفرت اور تسبیح و تہلیل کی ہدایت سے آپ سمجھ گئے کہ اب آپ کی دینوی زندگی کا دور ختم ہو جائے گا اور آپ اپنے ''رفیق اعلیٰ'' سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جا ملیں گے۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باقی زندگی تسبیح و تہلیل میں گزار دی۔ مندرجہ ذیل واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو پہلے ہی سے معلوم ہو گیا تھا کہ اب آپ کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے:

سورۂ نصر کا نزول:

کہا جاتا ہے کہ سورۃ النصر ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر یا اس سے پہلے رمضان میں یا اس کے بعد نازل ہوئی، لیکن مشہور روایت کے مطابق یہ ''فتح مکہ'' کے وقت نازل ہوئی تھی اور یہ سب سے آخری سورت ہے جو آپ پر نازل ہوئی جس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا تھا کہ اب آپ کا وصال ہونے والا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع:

حجۃ الوداع کے الوداعی خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا تھا کہ آئندہ پھر کبھی آپ کو اپنی امت کے ساتھ حج کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اس الوداعی اعلان کی وجہ سے اس حج کا نام ''حجۃ الوداع'' ہو گیا۔ ''غدیر خم'' میں

Marfat.com

آپ نے جو خطبہ دیا تھا اس میں بھی فرما دیا تھا کہ آپ نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی ہے۔ اس لیے وہ بہت جلد آپ کو اپنے پاس بلا لے گا۔

تکمیل دین کی اطلاع:

اسی ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

((الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا))

''میں نے آج تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری پوری تم پر نازل کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو پسندیدہ دین قرار دے دیا۔''

''تکمیل دین'' کے اس اعلامیے سے صحابہ کرام بخوبی سمجھ گئے کہ اپنے رب کی منشاء کے عین مطابق رسالت کے فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہونے میں آپ پوری طرح فائز و کامران ہوئے ہیں۔ اس لیے آپ کا رب آپ کو اپنے پاس جلدی بلا لے گا۔ صحیح بخاری کے مطابق ہر سال رمضان میں ''ناموس اکبر'' حضرت جبریل علیہ السلام سے ایک مرتبہ پورا قرآن سنتے تھے لیکن وصال سے پہلے آپ نے دو مرتبہ سنا۔ اسی طرح ہر سال رمضان میں آپ دس روز اعتکاف فرماتے تھے لیکن وصال سے پہلے آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔ ان واقعات سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ اپنے رب سے ملنے کی تیاری میں دل و جان سے لگ گئے تھے۔

شہدائے احد کو الوداع کہنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''حجۃ الوداع'' سے واپسی کے دو ماہ بعد ان شہیدوں کے پاس گئے جو میدان احد میں اللہ کی خاطر قربان ہو کر حیات جاودانی حاصل کر چکے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ برس کے بعد شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی، ان کے حق میں دعا فرمائی اور انہیں ٹھیک اسی طرح رخصت فرمایا جیسے مرنے والا اپنے زندہ عزیزوں کو رخصت کرتا ہے۔ پھر مختصر سی تقریر میں آپ نے لوگوں سے فرمایا:

''میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں آلودہ ہو جاؤ گے۔ البتہ اس بات کا خوف ضرور ہے کہ تم دنیا کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانے لگو، تو پھر تم اسی طرح برباد ہو جاؤ گے جیسے پہلی قومیں تباہ ہو گئیں۔''

Marfat.com

جنت البقیع کی زیارت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن بقیع کے قبرستان سے کسی صحابی کے جنازے سے فارغ ہوکر آپ تشریف لائے تو آپ کے سر میں درد تھا۔ ابن اسحاق کے مطابق آپ آدھی رات کو اپنے خادم حضرت ابی مویہبہ کے ساتھ ''جنت البقیع'' تشریف لے گئے۔ ''اہل مقابر'' کو سلام کر کے آپ نے حضرت ابی مویہبہ سے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں دنیا کے خزانوں کی کنجیاں لے لوں یا جنت میں چلا جاؤں۔ تو میں نے دوسری چیز پسند کی اور اپنے رب سے ملنے کی خاطر دنیا کو ٹھکرا دیا۔''

پھر آپ نے اہل بقیع کیلئے دعا فرمائی اور واپس لوٹے تو آپ کے سر اقدس میں درد ہونے لگا۔

آغاز علالت:

مشہور و مسند روایت کے لحاظ سے یہ بدھ کا دن تھا جب آپ ''جنت البقیع'' گئے اور وہاں سے واپس لوٹے تو آپ کے سر اقدس میں درد ہونے لگا۔ ابن سعد کے مطابق یہ شکایت بدھ کے دن محسوس ہوئی، پھر اس کے بعد آپ مسلسل ۱۲ دن تک علیل رہے۔

ابن اسحاق کے مطابق آپ جنت البقیع سے حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے گئے، لیکن دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میمونہ کی باری کا دن تھا، اس لیے آپ ان کے پاس تشریف فرما ہوئے، پھر مسلسل پانچ دن تک باری باری دیگر ازواج مطہرات کے گھر تشریف لے جاتے رہے۔ اس طرح جب تک طاقت رہی آپ نے انہیں مساوی طور سے نوازا اور معمول میں کسی طرح سے فرق آنے نہ دیا۔

حضرت عائشہ کے حجرے میں (دوشنبہ ۵ ربیع الاول):

آخر پیر کے دن آپ کی طبیعت اس قدر خراب ہوگئی کہ پھر ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے گھر چلے گئے۔ آپ بہت ہی کمزور ہو چکے تھے، اس لیے حضرت فضل بن عباس اور حضرت علی آپ کے مبارک بازو تھام کر حضرت عائشہ کے حجرے میں لائے۔ ایک ہفتے تک آپ ان کے پاس ہی رہے۔ حضرت عائشہ خود بیان کرتی ہیں کہ آپ ان کے گھر پیر کے دن آئے اور پیر ہی کے دن آپ کا وصال ہوگیا۔

امامت ابوبکر (چہارشنبہ ۷ ربیع الاول):

جب تک طاقت رہی آپ خود نماز میں امامت فرماتے رہے، پھر طاقت نے جواب دے دیا تو آپ نے حضرت ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ مروی ہے کہ بدھ ۷ ربیع الاول کی رات کو آپ کی حالت نازک ہوگئی۔ عشاء کا وقت تھا۔ صحابہ کرام مسجد میں آپ کا انتظار بے چینی سے کر رہے تھے۔ آپ نے تین مرتبہ غسل فرمایا اور ہر مرتبہ اٹھنے کی کوشش کی مگر غشی

Marfat.com

طاری ہوگئی۔آخر آپ نے حکم دیا کہ آپ کی جگہ ابو بکر صدیق امامت کے فرائض سرانجام دیں۔

حضرت عائشہ نے عرض کیا:

''وہ بہت ہی رقیق القلب ہیں، دھیمی آواز ہے اور قرآن پڑھتے پڑھتے رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ آپ کی جگہ کھڑے ہو کر کیسے نماز پڑھائیں گے۔؟''

آپ نے ان کی معذرت قبول نہیں فرمائی اور اپنے فیصلے پر جمے رہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابن زمعہ سے کہا کہ وہ جا کر حضرت ابو بکر سے کہہ دیں۔انہیں دروازے پر حضرت عمر فاروق مل گئے۔حضرت ابو بکر موجود نہ تھے۔اس لیے انہوں نے حضرت عمر فاروق سے نماز پڑھنے کیلئے کہہ دیا۔حضرت عمر فاروق نے اپنی بلند آواز میں تکبیر کہی تو آپ نے پہچان لیا اور حکم دیا:

''ابو بکر کے علاوہ کوئی اور نماز نہ پڑھائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں دونوں ان کے سوا کسی اور کو نہیں چاہتے۔''

ابن عساکر کے مطابق حضرت علی خود کہا کرتے تھے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو امام مقرر فرمایا حالانکہ ہم موجود تھے غائب نہ تھے اور تندرست تھے بیمار نہ تھے۔اس لیے جب آپ نے دینی امور میں انہیں امام مقرر فرمایا، تو پھر سیاسی معاملات میں بھی ہم نے انہیں اپنا امام بنالیا۔''

حضرت قیس بن عبادہ سے مروی ایک حدیث میں حضرت علی کا یہ قول حافظ بن عبد البر نے بھی استیعاب میں نقل کیا ہے۔

آخری نماز و آخری خطبہ (پنجشنبہ ۸ ربیع الاول):

جمعرات کو ظہر کے وقت آپ کی حالت سنبھل گئی، تو آپ نے سات مشکوں سے غسل فرمایا اور حضرت عباس و حضرت علی کے سہارے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابو بکر نماز پڑھا رہے تھے۔وہ پیچھے ہٹنے لگے کہ آپ نے اشارے سے روک دیا اور خود ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔اب آپ خود امام تھے حضرت ابو بکر صدیق کے، اور حضرت ابو بکر صدیق امام تھے دوسرے مقتدیوں کے۔ وہ آپ کی تکبیروں کی آواز دوسروں تک پہنچاتے رہے۔مروی ہے کہ اس وقت بھی آپ کے مبارک سر میں پٹی بندھی ہوئی تھی۔نماز کے بعد آپ نے خطبہ دیا جو درج ذیل ارشادات پر مشتمل تھا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دے دیا کہ وہ یا تو دنیا کی نعمتوں کو پسند کر لے یا پھر جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے قبول کر لے۔اس بندے نے اللہ ہی کے پاس کی چیزیں قبول کر لیں۔''

مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور بے اختیار ہو کر رونے لگے۔

پھر فرمایا:

Marfat.com

''مجھے جس کے مال اور جس کی رفاقت پر سب سے زیادہ بھروسہ رہا وہ ابوبکر ہیں۔ اگر میں اللہ کے بعد کسی اور کو دست (خلیل) بناتا تو وہ ابوبکر ہیں لیکن اصل چیز تو ایمان کی دوستی و رفاقت ہے۔''

پھر فرمایا:

''مسجد کی طرف کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں مگر ابوبکر (بعض روایات کے مطابق حضرت علی) کی طرف کا دروازہ کھلا رہے۔''

پھر فرمایا:

''حلال و حرام کو میری طرف منسوب نہ کیا جائے میں نے وہی چیز حلال کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کی اور وہی چیز حرام کی جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا۔''

پھر فرمایا:

''اللہ کی نظر میں حسب و نسب کوئی چیز نہیں بلکہ ہر ایک کے اعمال اس کے کام آئیں گے۔''

اسی لیے آپ نے واضح فرما دیا:

''اے پیغمبر کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر کی پھوپھی صفیہ! آخرت کیلئے کچھ کر لو، ورنہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے مواخذے سے نہیں بچا سکتا۔''

پھر فرمایا:

''یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ مسلمانو! پہلی قومیں اسی لیے ہلاک ہو گئیں کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو معبد بنا لیا تھا۔ اس لیے تم کبھی بھی ایسا نہ کرنا۔''

دوسری روایتوں کے مطابق آپ نے انصار کی فضیلت اور حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کی امارت پر بھی خطبے دیئے تھے، مگر ائمہ محدثین کا خیال ہے کہ ان تمام مسئلوں کا تذکرہ آپ نے صرف ایک ہی خطبے میں فرمایا تھا۔ اس کے بعد پھر کبھی آپ نے خطبہ نہیں دیا بلکہ روز بروز آپ کی حالت نازک ہوتی گئی حتیٰ کہ دوشنبہ کے دن آپ کا وصال ہو گیا۔

انصار کی بے چینی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ نہیں ہوا اور علالت روز بروز بڑھتی گئی تو انصار بہت ہی پریشان ہوئے۔ وہ آپ کے دیدار سے مشرف ہونے کیلئے مسجد کے چاروں طرف چکر لگانے لگے۔ آپ کو معلوم ہوا تو پھر حضرت علی اور حضرت فضل بن عباس کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا:

''انصار نے سب سے پہلے مدینہ منورہ کو اپنا وطن بنایا، ایمان پر ثابت قدم رہے اور مہاجروں کو اپنے باغوں اور مکانوں میں شریک کر کے انہیں خود پر ترجیح دی۔ اس لیے مہاجروں پر بھی لازم ہے کہ وہ خود کو انصار پر ترجیح نہ دیں۔ میرے بعد جو بھی دین کے کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے میں اسے

Marfat.com

وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصار سے اچھا سلوک کرے۔''

حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا:

''یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انصار کے پاس پناہ لی۔اس لیے اپنے محسنوں کو کبھی بھی نظر انداز نہ کرنا اور وقت پڑنے پر ان کا ساتھ کبھی بھی نہ چھوڑنا۔''

حضرت اسامہ بن زید کی قیادت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ ۲۷ صفر ۱۱ ہجری کو حضرت اسامہ بن زید کو اس فوج کا امیر مقرر فرمایا تھا جو شامی سرحد پر آباد عیسائی عربوں کے خلاف تیار کی گئی تھی۔اس کے بعد آپ بیمار ہو گئے تھے۔پھر بھی آپ حضرت اسامہ کو روانہ ہونے کی ہدایت فرماتے رہے۔اس فوج میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کرام شریک تھے۔مروی ہے کہ کچھ لوگ حضرت اسامہ کی امارت سے خوش نہیں ہوئے۔اول تو وہ کم عمر تھے اور پھر ایک آزاد شدہ غلام کے صاحبزادے۔آپ کو خبر ملی تو بہت ہی متأسف ہوئے اور باہر نکل کر آپ نے خطبہ دیا۔آپ نے واضح فرما دیا کہ حضرت زید اور ان کے صاحبزادے دونوں آپ کی نظر میں بہت ہی محبوب ہیں اور اسلام میں اصل چیز اہلیت ہے، حسب ونسب نہیں، اسی لیے تو آپ نے حضرت اسامہ کو ان کی اہلیت کی وجہ سے فوج کا امیر مقرر فرمایا۔

حضرت اسامہ بن زید کو اپنے دست مبارک سے علم عطا فرمایا تھا۔وہ اپنی فوج کے ساتھ ''جرف'' میں مقیم ہو گئے اور وہیں سے روزانہ آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔وصال سے ایک دن پہلے آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی اور روانگی کا حکم دیا۔صبح پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔بظاہر آپ کی طبیعت ٹھیک تھی، اس لیے آپ سے اجازت لے کر روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے کہ ان کی والدہ ام ایمن نے اطلاع دی کہ آپ کی حالت انتہائی نازک ہو گئی ہے۔

شدت علالت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید درد اور بخار میں مبتلا تھے۔بے چینی کی وجہ سے کبھی چادر اوڑھ لیتے اور کبھی ہٹا دیتے تھے۔چادر بہت ہی موٹی تھی مگر بخار کی تیزی سے وہ بھی گرم رہتی تھی۔حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایسا تیز بخار کسی کو نہیں آیا۔حضرت عبداللہ بن مسعود سے آپ نے فرمایا:

''دو آدمیوں کے برابر مجھے بخار ہے۔انبیاء کی شان یہی ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں انہیں سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں تاکہ اسی مناسبت سے انہیں زیادہ اجر وجزا ملے۔''

حضرت عائشہ کے مطابق پانی سے بھرا ہوا پیالہ آپ کے پاس رکھا تھا۔پیالے میں ہاتھ ڈال کر منہ پر ملتے اور فرماتے جاتے:

((لا اله الا الله ان للموت سكرات))

Marfat.com

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک موت میں تو تکلیف اٹھانا پڑتی ہی ہے۔''

اسی عالم میں ایک روز حضرت فاطمہ کے کان میں فرمایا:

''آخری وقت آچکا ہے۔''

یہ سن کر وہ رونے لگیں تو آپ نے اسی انداز میں ارشاد فرمایا:

''گھبراؤ نہیں! گھر والوں میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے آملو گی اور جنت میں خواتین کی سیدہ بھی تم ہی ہو گی۔''

اس پر وہ بہت ہی خوش ہو گئیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ سورۂ نصر کے نزول کے بعد یہ گفتگو ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک روز آپ کو یاد آیا کہ آپ کے پاس سات دینار رہ گئے ہیں، انہیں منگوا کر آپ نے خود خیرات فرما دیئے تا کہ دنیا سے بے تعلق ہو کر اپنے رب سے مل سکیں۔

واقعہ قرطاس:

حضرت ابن عباس کے مطابق پنجشنبہ ۸ ربیع الاول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت مبارک نازک ہو گی۔ جب ہوش آیا تو فرمایا:

1: کوئی مشرک و کافر عرب میں نہ رہنے پائے۔ 2: سفیروں کا احترام بدستور کیا جائے۔

3: راوی کو تیسری بات یاد نہیں رہی لیکن علماء کا خیال ہے کہ آپ نے حضرت اسامہ کو روانہ ہونے کی ہدایت دی یا پھر قبر پرستی کی ممانعت فرمائی۔

لدود کا قصہ:

لدود ایک دوا کا نام ہے جو ہجرت حبشہ سے واپس آنے والی مہاجرہ خواتین اپنے ساتھ لائی تھی۔ وصال سے ایک روز پہلے آپ کی حالت نازک ہو چکی تھی۔ بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی۔ اسی عالم میں حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ، حضرت اسماء بنت عمیس اور دوسری حاضر ازواج مطہرات کے اصرار پر حضرت عباس نے آپ کو یہ دوا پلا دی۔ ہوش میں آئے تو صورت حال معلوم کر کے حکم دیا کہ گھر میں چچا کے علاوہ جو بھی ہے وہ اسی طرح دوا پیئے۔ حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک سے مروی ہے کہ آپ کے استفسار پر حضرت عباس نے بتایا کہ خدشہ تھا کہ کہیں آپ کو مرض ''ذات الجنب'' تو لاحق نہیں، اس لیے یہ دوا آپ کو دی گئی۔

یوم وصال (دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول):

جمعرات کو خطبہ دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے تو پھر باہر نہیں آئے۔ پیر کے دن بظاہر طبیعت ٹھیک تھی، صبح کا وقت تھا اور حضرت ابوبکر فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ نے پردہ اٹھایا اور باب عائشہ پر کھڑے ہو کر نمازیوں

Marfat.com

پر نظر ڈالی۔ وہ سمجھے کہ آپ مسجد میں آرہے ہیں اس لیے خوشی کے مارے بے قابو ہو گئے اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہونے لگا۔ حضرت ابوبکر بھی پیچھے ہٹنے ہی والے تھے کہ آپ نے بدستور نماز جاری رکھنے کا حکم دے دیا اور اندر جا کر پردہ گرا دیا۔ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر آپ مسکرانے لگے۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ اس عرصے میں انہوں نے آپ کے چہرہ مبارک پر ایسی خوشی کی چمک کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جیسے جیسے دن چڑھتا جاتا آپ کی حالت نازک تر ہوتی جاتی۔ غشی پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ بی بی سیدہ فاطمہ بے چین ہو کر بولیں:

((واکرب ابا!))

''ہائے میرے بابا کسی قدر تکلیف میں ہیں۔''

آپ نے سنا تو فرمایا:

''آج کے بعد پھر تمہارا باپ کبھی بے چین و مضطر نظر نہ آئے گا۔''

سہ پہر ہوئی تو صدر مبارک سے سانس کی گڑگڑاہٹ ابھرنے لگی۔ اتنے میں مبارک ہونٹ ہلے، حضرت سیدہ عائشہ نے کان لگایا تو یہ کہتے سنا:

((الصلوۃ و ما ملکت ایمانکم))

''نماز (پڑھتے رہنا) اور غلاموں سے حسن سلوک (کرتے رہنا)''

یہ تھے وہ مبارک الفاظ جو آخر وقت بطور وصیت آپ کی زبان پر تھے۔

مسواک:

شام ہو رہی تھی کہ آپ کے وصال اور وصل رب ذوالجلال کی گھڑی آن پہنچی۔ سر مبارک بی بی سیدہ عائشہ کی گود میں تھا کہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن مسواک لیے اندر آئے۔ آپ مسواک کی طرف اس انداز میں دیکھنے لگے کہ رمز شناس بی بی سیدہ عائشہ سمجھ گئیں اور اپنے بھائی سے مسواک لے کر اپنے دانتوں سے نرک کی، پھر آپ کا سر اقدس اپنے زانو پر رکھ کر آپ کے ''دندان مبارک'' مسواک سے صاف کیے۔ مروی ہے کہ خوشی سے ''وجہ مبارک'' دمکنے لگا، لیکن ابھی مسواک سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حالت متغیر ہونے لگی۔ ''زبان مبارک'' سے تین دفعہ فرمایا:

((بل الرفیق الاعلی من الجنۃ))

یہی کہتے کہتے دست اقدس ڈھیلے پڑ گئے، ''چشم مبارک'' چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے دم وصال فرمایا:

((اللھم رفیق الاعلی))

اس طرح مشہور روایت کے مطابق دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (۸ جون ۶۳۲ء) کو شام کے وقت آپ اپنے ''رفیق اعلیٰ'' سے جا ملے۔

اللھم صلی وسلم علیہ ابدا ابدا

Marfat.com

حضرت سیدہ عائشہ فرماتی ہیں:

((خیرت فاخترت والذی بعثك بالحق))

''آپ کو اختیار دیا گیا تو آپ نے اس بات کو ہر چیز پر ترجیح دی کہ آپ اس ذات برحق سے جاملیں جس نے آپ کو مبعوث فرمایا۔''

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ ''واصل بحق'' ہوتے ہی آپ کے جسد معطر و مطہر سے ایسی خوشبو ہر سو پھیل گئی کہ ویسی انہوں نے کبھی بھی نہیں سونگھی۔ اس خوشبو سے ان کے ہاتھ کئی دنوں تک معطر رہے۔

وصال رسول کی خبر سنتے ہی صحابہ کرام پر بجلی گر گئی۔ حضرت عثمان اور حضرت علی پر سکتہ طاری ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن انیس تو صدمے کی تاب نہ کر فوت ہو گئے۔ مسجد نبوی میں کہرام مچ گیا اور گلیوں سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔

حضرت عمر فاروق تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے کہ جس نے بھی وصال کی خبر اڑائی، اس کی گردن کاٹ دی جائے گی۔ ان کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ منافقوں نے ایسی خبر اڑا دی ہے۔ دراصل آپ مرے نہیں بلکہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرح اپنے رب سے ملنے گئے ہیں، پھر جس طرح چالیس دن بعد وہ واپس آ گئے تھے اسی طرح آپ بھی لوٹ آئیں گے۔

خطبہ ابوبکر:

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ خبر ملتے ہی حضرت ابوبکر سیدھے حضرت سیدہ عائشہ کے گھر گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر یمنی چادر ''بردحیرہ'' تھی۔ انہوں نے مبارک چہرے سے چادر ہٹائی اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا، دل بھر آیا اور محبت بھرے الفاظ میں کہنے لگے:

((بابی انت و امی اما الموتة التی کتب الله علیك فقد ذقتها ثم لن تصبیبك بعد ها موتة ابدا))

''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو موت آپ کے لیے لکھی تھی وہ آپ نے بخوشی قبول فرمالی۔ اب پھر اس کے بعد کبھی بھی آپ کو موت نہ آئے گی۔''

پھر حضرت ابوبکر نے واضح الفاظ میں سمجھایا:

''لوگو! جو محمد کی پرستش کرتے تھے انہیں معلوم ہو جائے کہ آپ وصال فرما گئے، لیکن جو اللہ کے پرستار ہیں وہ سمجھ لیں کہ اللہ تو زندہ ہے اسے موت نہیں آسکتی۔''

پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

((وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا و سیجزی الله الشاکرین))

Marfat.com

''محمد تو اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے نبی گزر چکے ہیں۔ پس اگر آپ وفات پا جائیں یا اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں، تو پھر کیا تم اسلام سے پیٹھ موڑ لو گے؟ اور جو کوئی پھر جائے گا وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تو اس نعمت کے قدر دانوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔''

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت سن کر مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کی زبان سے آپ کے وصال ظاہری کی خبر سن کر انہیں ایسا محسوس ہوا کہ یہ آیت تو شاید انہوں نے پہلے سنی ہی نہ تھی، لیکن اب ہر ایک کی زبان پر یہی آیت تھی۔ حضرت عمر فاروق پر سکتہ طاری ہو گیا، پیر بھاری ہو گئے اور گرتے گرتے بچے، حواس بحال ہوئے تو پھر یقین آ گیا کہ آپ کا وصال ظاہری ہو گیا ہے۔

سقیفہ بنو ساعدہ:

وصال رسول کے بعد ابھی تھوڑی سی دیر ہوئی تھی کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار نے جمع ہو کر خلافت کا مسئلہ خود ہی طے کرنے کی کوشش کی۔ ان کا خیال تھا کہ آپ کے بعد وہی خلافت کے مستحق ہیں۔ اجلاس جاری تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت ابو عبیدہ کو خبر ملی۔ وہ بہت حیران ہوئے اور حالات پر قابو پانے کیلئے سیدھے سقیفہ بنو ساعدہ پہنچے۔ انہوں نے انصار کو بہت ہی سمجھایا، بحث طول پکڑتی جا رہی تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے مشورہ دیا کہ ان میں سے کسی کو بھی خلیفہ بنا لیں۔ اس پر حضرت عمر فاروق بولے کہ ہم سے زیادہ مستحق تو آپ خود ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ دوسروں نے بھی پیروی کی اور حضرت سعد بن عبادہ کے سوا سب نے بیعت کر کے انہیں خلیفہ منتخب کر لیا۔

تجہیز و تکفین:

بیعت ابو بکر صدیق کے بعد منگل کے دن تجہیز و تکفین کا کام شروع ہوا۔ حضرت علی، حضرت عباس، ان کے بیٹوں حضرت فضل اور قثم، حضرت اسامہ بن زید، آپ کے خادم (مولیٰ) حضرت شقران نے غسل کا اہتمام کیا۔ انصار کی جانب سے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت اوس بن خولہ انصاری بدری کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ لباس اتارے بغیر آپ کو اچھی طرح غسل دیا گیا۔ مروی ہے کہ حضرت اسامہ اور حضرت شقران آپ کے جسد اطہر پر پانی ڈالتے اور حضرت علی نہایت ہی اہتمام و عقیدت سے غسل دیتے جاتے۔

تکفین:

غسل کے بعد کفن میں تین کپڑے دیئے گئے۔ یمنی شہر ''صحا'' کے بنے ہوئے کپڑے کو ''صحاری'' کہتے تھے۔ دو صحاری کپڑوں اور تیسری آپ کی ردائے مبارک ''بردحیرہ'' تھی۔ ان تین کپڑوں میں پورے ''ستر عورت'' کو ڈھانپتے ہوئے آپ کو کفن دیا گیا۔

Marfat.com

قبر مبارک کی تیاری:

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری نے لحد والی قبر تیار کی۔ یہ قبر حضرت عائشہ کے حجرے ہی میں بنائی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے سب کو سمجھایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

''نبی کو اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کا وصال ظاہری ہوا ہو۔''

حضرت علی نے بھی تائید کی تو ''حجرہ عائشہ'' میں قبر مبارک بنائی گئی۔

نماز جنازہ:

تکفین سے فارغ ہوتے ہی آپ کو آپ کے ''سریر مبارک'' پر لٹا دیا گیا۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق و دیگر صحابہ کام اور اہل بیت اطہار نے نماز جنازہ ادا کی۔ مروی ہے کہ صحابہ کرام کی جماعتیں ایک ایک کر کے نماز جنازہ ادا کرنے کیلئے حجرے میں جاتیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ حجرہ اس قدر چھوٹا تھا کہ دس دس صحابہ کرام سے زیادہ نماز جنازہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح ہزاوں نے کسی امام کے بغیر نماز جنازہ ادا کی۔

تدفین:

جب مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے ہر ایک نے باری باری نماز جنازہ کی سعادت حاصل کر لی تو پھر آپ کی تدفین ہوئی۔ پہلے حضرت شقران نے آپ کی مخملی چادر 'قطیفہ'' کو قبر شریف میں بچھایا، پھر غسل مبارک کی سعادت حاصل کرنے والے بزرگوں ہی نے آپ کے جسد معطر و مطہر کو قبر میں اتار کر بچھی ہوئی چادر پر لٹا دیا۔ مروی ہے کہ حضرت شقران نے قطیفہ مبارکہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا:

((واللہ لا یلبسھا احد بعدك ابدا))

''واللہ! آپ کے بعد پھر کبھی اسے کوئی بھی نہیں اوڑھ سکتا۔''

اسی طرح آپ کی ''خاتم مبارک'' بھی آپ کے پاس رکھ دی گئی۔ پھر مکی رواج کے مطابق آپ کی قبر شریف کو مسقّف کیا گیا اور یہ خدمت حضرت مغیرہ بن شعبہ نے سرانجام دی۔ ابوالفدا کے مطابق مروی ہے کہ آپ کی تدفین منگل کو ہوئی۔ یہ بھی مروی ہے کہ بدھ کو آپ کی تدفین ہوتے ہوتے آدھی رات بیت چکی تھی۔ ابن اسحاق کے مطابق حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ سے بھی یہی مروی ہے:

عطر اللھم قبرہ الکریم
بعرف شذی من صلوۃ و تسلیم

''الٰہی قبر احمد کو سراسر کر اپنے عطر رحمت سے معطر فرما۔''

حضرت امام بوصیری لکھتے ہیں:

لایب یعدل تربا ضم اعمہ

Marfat.com

طوبی لمنتشق منه و ملتثم

''دنیا کا کوئی عطر آپ کے روضہ اقدس کے خاک پاک کی خوشبو کے برابر نہیں ہوسکتا جو آپ کے ''جسد مبارک'' سے مس ہورہی تھی۔ بڑے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے روضہ پاک کی خوشبو اپنی سانس میں سمانے اور اس کی خاک پاک کو اپنی آنکھوں سے لگانے، چومنے اور سونگھنے کی سعادت حاصل کی ہو۔''

شان رسالت مآب میں خراج تحسین:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضٰی، حضرت حسان بن ثابت، حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب، حضرت کعب بن مالک، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا، حضرت سیدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب، حضرت ام ایمن نے انتہائی والہانہ انداز میں بارگاہ رسالت مآب میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

حضرت سیدہ فاطمہ اپنی بے تابی یوں بیان کرتی ہیں:

صبت علی مصائب لو انها

صبت علی الایام عدن لیا لیا

''بابا حضور کریم کے فرقت میں مجھ پر ایسی مصیبتیں نازل ہوئیں کہ یہ مصیبت گردش ایام پر پڑتی تو دن راتوں میں تبدیل ہوجاتے۔''

یاخاتم الرسل المبارك ضوءة

صلی علیك منزل القران

''اے رسول ختمی مرتبت! آپ کی ذات بابرکت سرچشمہ جود وسخا ہے جس پر خود قرآن نازل کرنے والا درود سلام بھیجتا ہے۔''

حضرت علی مرتضٰی اپنے جذبات واحساسات کو یوں ظاہر کرتے ہیں:

امن بعد تکفین النبی و دفیه

باثوابه آسی علی هالکوثوی

''نبی کو نبی ہی کے کپڑوں میں کفناتے دفناتے ہوئے میں آہ وزاری کے مارے نڈھال ہوگیا۔''

وکنا بماه نوی النو و الهدی

ضبا خامساء راح فینا اوا غتدی

''اور ہم نے آپ کے آئینے جیسے شفاف جسد مطہر سے نور وہدایت کی شعاعیں نکلتے دیکھیں، ہمہ دم یعنی صبح وشام، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے۔''

ابن عم رسالت مآب حضرت ابوسفیان بن حارث بارگاہ نبوی میں نوحہ خواں ہیں:

Marfat.com

اقت و بات لیلی لا یزول
ولیل اخی المصیبة فیه طول

''حضور کریم کے فراق میں رات بھر جاگتا ہی رہا اور رات یوں ڈھلتی ہی رہی کہ گویا ختم ہوگی ہی نہیں اور مصیبت کی اندھیاری راتیں تو دراز، لمبی ہوتی ہی ہیں۔''

صلوة الله من رب رحیم
علیه لا تحول ولا تزول

''آپ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے درود وسلام نازل ہو، جو رب بھی ہے اور رحیم بھی۔ ایسا درود وسلام جو ابدالآباد جاری وساری رہے اور یہ سلسلہ کبھی بھی نہ رکے، نہ تھمے۔''

حضرت ابوبکر صدیق غم واندوہ کے عالم میں اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں:

یاعین فابکی ولا تسامی
وحق البکاء علی السید

''اے چشم پرنم! خوب گریہ وزاری کر اور دیکھ آنسوؤں کے تار کبھی بھی نہ ٹوٹیں اور سید کونین کے فراق میں نوحہ زاری کا حق ادا کر مگر حق تو یہی ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔''

فصل المليك ولی العبا
درب العباد علی احمد

''اے آمنہ کے پیارے اکلوتے لال! جو عفیفہ ومحسنہ کے بطن سے مسعود ومبارک شب کی گھڑی میں پیدا ہوا۔''

نورا اضاء علی البریة کلها
من یهد للنور المبارك یهتدی

''جس کی ولادت اقدس سے سارا عالم مخلوقات روشن وتاباں ہوگیا، جس کے نور مبارک نے راہ ہدایت پر گامزن ہونے کی توفیق وسعادت عطا فرمائی۔''

☆☆☆

Marfat.com